تنظیم المکاتب

فہرست

حضرت امام علی علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

حضرت علی علیہ السلام ۱۳/رجب المرجب ۳۰ عام الفیل کو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ماں جناب فاطمہ بنت اسد تھیں اور آپ کے والد کا نام ابو طالبؑ تھا، آپ ۲۱/رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہر کوفہ میں شہید کردئے گئے۔ آپ کی قبر مطہر نجف اشرف میں ہے۔

حضرت علیؑ کی زندگی کے حصے

امیر المومنین حضرت علیؑ پیغمبر اکرمؐ کی بعثت سے ۱۰/سال پہلے اس دنیا میں تشریف لائے اور اسلام کی تاریخ کے مختلف واقعات میں ہمیشہ پیغمبر اکرمؐ کے شانہ بہ شانہ رہے اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد بھی ۳۰/سال زندگی گزاری اس طریقہ سے آپ کی کل ۶۳/سال کی عمر کو درج ذیل پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ولادت سے رسول اکرمؐ کی بعثت تک

۲۔ بعثت سے مدینہ ہجرت تک

۳۔ ہجرت سے رسول اکرمؐ کی وفات تک

۴۔ رسول اکرمؐ کی رحلت سے آپ کی خلافت کے آغاز تک (یعنی ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کا دور)

۵- آپ کی خلافت کا دور

آپ کی زندگی کے ان مراحل میں سے چوتھا اور پانچواں مرحلہ موضوع کتاب سے مربوط ہے جسے ہم وضاحت سے عرض کریں گے۔

نقوش امامت

تالیف

مہدی پیشوائی

ترجمہ

سید وجیہ اکبر

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج لکھنؤ (ہندوستان)

نام کتاب: نقوش امامت ترجمہ (سیمای پیشوایان)

تالیف: مہدی پیشوائی

ترجمہ: سید وجیہہ اکبر

نظر ثانی: چودھری سبط محمد نقوی مرحوم ومغفور و مجلس ادارت

کمپوزنگ: آئیڈیل کمپیوٹرس پوائنٹ، لکھنؤ-۳

مطبوعہ: اے. بی. سی. آفسیٹ پریس، دہلی

سنہ طباعت: مارچ ۲۰۰۷ء

تعداد: ایک ہزار

ناشر: تنظیم المکاتب، لکھنؤ-۱۸ (ہندوستان)

قیمت: 80-/

حضرت علیؑ کی زندگی

رحلت پیغمبرؐ سے آغاز خلافت تک

امامت کے چاروں دور

یہ بحث شروع ہونے سے قبل بطور تمہید یہ یاددہانی کرتے ہیں کہ امامت کا پورا دور یعنی رسول اکرمؐ کی (ماہ صفر ۱۱ھ) رحلت سے لے کے امام حسن عسکریؑ کی وفات (ماہ ربیع الاول ۲۶۰ھ) تک تقریباً چار مرحلوں سے گزرا ہے اور ائمہ معصومینؑ نے حکومت وقت کے مقابلہ میں جو طریقۂ کار اختیار کیا اس کا اس لحاظ سے ہر دور بعض خصوصیات کا حامل ہے وہ دور اس طرح ہیں:

۱۔ صبر یا حکمران طاقتوں کے ساتھ رواداری کا دور

یہ دور رسول اکرمؐ کی رحلت (۱۱ھ) سے امیر المومنینؑ کی ظاہری خلافت (۳۵ھ) کے آغاز تک ۲۵ رسال پر محیط ہے۔

۲۔ امامؑ کے اقتدار کا دور

یہ دور امیر المومنینؑ کی چار سال اور نو ماہ اور امام حسن مجتبیٰؑ کی چند ماہ کی خلافت کا وہی دور ہے جو تمام مشکلات اور کوتاہیوں اور دردسر کے باوجود جو اسلام کے مختلف دشمنوں کی طرف سے ان دونوں معصوم اماموں کو درپیش رہیں اسلامی حکومت کے تابناک ماہ و سال میں شمار کیا جاتا ہے۔

۳۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے سازگار سازی کا مختصر دور

یہ دور صلح امام حسنؑ (۴۱ھ) سے لے کر امام حسینؑ کی شہادت (۶۱ھ) تک ۲۰ سال کی مدت ہے۔ صلح امام حسنؑ کے بعد شیعوں کی طرف سے ڈھکے چھپے طریقے سے ایسی کوششیں اور منصوبے شروع کئے جا چکے تھے تاکہ اقتدار کو مناسب وقت میں خاندان پیغمبرؐ کی طرف پلٹایا جا سکے۔ معمول کے مطابق تو یہ مقصد معاویہ کی موت سے پورا ہو سکتا تھا اور معاویہ کی شرارت آمیز زندگی کے خاتمے کے ساتھ اس بات کی امید ہو چلی تھی۔

۴۔ چوتھا اور آخری دور اسی روش کے استمرار میں

یہ دور طویل المیعاد منصوبوں کا دور تھا تقریباً دو صدی کا یہ پورا دور مختلف مراحل میں کامیابیوں اور ناکامیوں کے ساتھ، نظریاتی کاموں کے میدان میں حقیقی کامیابیوں اور بہترین حکمت عملی کے ساتھ اخلاص اور قربانیوں پر تمام ہوا۔(۱)

پیغمبر اکرمؐ کی رحلت اور مسئلہ ہدایت و ولایت

رسول اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ اسلامی سماج کی زمام سنبھالنے کے لئے موزوں ترین فرد تھے اور تمام مسلمانوں میں تقویٰ، فقہی نظر اور قضائی کاروبار کی لیاقت، جہاد اور خدا کی راہ میں کوششوں کے میدان میں نیز تمام انسانی بلند مرتبہ صفات کے حامل ہونے کے لحاظ سے پیغمبر اکرمؐ کے علاوہ کوئی بھی حضرت علیؑ کے پائے کو نہیں پہنچتا تھا۔ انہیں صلاحیتوں کی بنا پر آپ کو متعدد بار پروردگار کے حکم سے اور پیغمبر اسلامؐ کے توسط سے مسلمانوں کے ہونے والے رہبر اور خلیفہ کے عنوان سے پہچنوایا گیا تھا کہ جس میں سب سے اہم اور عظیم الشان "غدیر خم" کا واقعہ ہے۔ لہٰذا یہ امید کی جاتی تھی کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد فوراً

(۱) پیشوای صادق، (آیۃ اللہ) سید علی خامنہ ای، ص ۲۱

حضرت علیؑ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے اور مسلمانوں کی قیادت و رہبری کے سلسلے کو جاری رکھیں گے لیکن ایسا ہوا نہیں اور پیغمبرؐ اسلام کے بعد خلافت اسلامی اپنے صحیح راستے سے بھٹک گئی اور حضرت علیؑ اسلامی سیاست کے میدان سے اور جامعہ اسلامی کے بست وکشاد کے متعلق فیصلوں کے مرکز سے دور رہ گئے۔

تاریخ ساز دوراہا

حضرت علیؑ نے اس انحراف کو قبول نہیں کیا اور اس کے بارے میں سکوت کیا اور بارہا اپنے محکم استدلالوں اور احتجاجوں کے ذریعہ خلیفۂ وقت اور ان کے ہواخواہوں کو اپنی تنقیدوں اور اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ لیکن سلسلۂ روز وشب اور رفتار زمانہ نے یہ نشان دہی کردی تھی کہ ان کے ایسے اعتراض چنداں سود مند نہیں ہیں اور خلیفۂ وقت اور اس کے خیر خواہ اپنے اقتدار کی حفاظت اور بقاء کے لئے بضد ہیں، ایسے میں حضرت علیؑ ایسے حساس اور تقدیر ساز دوراہے پر تھے کہ جہاں یا تو آپ خاندان رسالت کے جواں مردوں اور اپنے ان سچے چاہنے والوں کو لے کر کہ جو نئی حکومت کو غیر قانونی سمجھتے تھے اٹھ کھڑے ہوتے اور طاقت وقوت کے بل پر حکومت اور خلافت کو اپنے قبضہ میں لے لیتے یا یہ کہ موجودہ حالات پر صبر کرتے اور جتنا ممکن ہوتا مسلمانوں کی مشکلات کو حل کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں مشغول ہوجاتے۔

لہٰذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ الٰہی رہنماؤں کا موقف اقتدار اور منصب نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کے نزدیک مقصد اور ہدف اپنے منصب اور مقام کی حفاظت سے زیادہ بلند وبالا وگراں مایہ شئی کا نام ہوتا ہے اور رہنما کا وجود بھی اسی ہدف کو حاصل کرنے کی غرض سے ہوتا ہے لہٰذا اگر کبھی رہبر ایسے دوراہے پر پہنچ جائے کہ اسے منصب یا ہدف (مقصد کا حصول) دو چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو اس کے لئے ضروری

ہے کہ اپنے، خلافت اور رہبری کے عہدے سے دست بردار ہو جائے اور مقصد کے حصول کو اپنے منصب اور مقام کی حفاظت پر مقدم سمجھے۔ حضرت علیؑ کو بھی اسی صورت حال کا سامنا تھا لہٰذا آپ نے اسلامی سماج کی صورت حال کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر آپ حکومت پر قبضہ کرنے اور اپنی خلافت کے مقام و منصب کی حفاظت کے لئے اصرار کریں گے تو ایسی حالت پیش آئے گی کہ پیغمبرؐ اسلام کی تمام زحمتیں اور وہ تمام پاک خون کہ جو اس مقصد کو حاصل کرنے اور اسلام کے درخت کی آبیاری کے لئے بہایا گیا ہے رایگاں ہو کر رہ جائے گا۔

حضرت علیؑ نے خطبۂ شقشقیہ میں اس دشوار اور حساس دوراہے کو اور دوسری راہ کو انتخاب کرنے کا بھید اس طرح کھولا ہے۔

''میں نے خلافت کی ردا کو چھوڑ دیا اور اپنے دامن کو سمیٹ کے الگ ہو گیا جب کہ میں اس اندیشے میں تھا کہ کیا میں خالی ہاتھ (بغیر کسی مددگار کے) کھڑا ہو جاؤں گا (اور اپنے اور عوام کے حق کو حاصل کرلوں) یا اس تاریک اور خوفناک ماحول میں کہ جو لوگوں نے پیدا کر دیا ہے صبر کروں؟ ایسا ماحول کہ جو بوڑھوں کو پھونس کر دے اور جوانوں کو بوڑھا اور مؤمنوں کو زندگی کی آخری سانس تک رنج واندوہ میں مبتلا رکھے۔ (آخر کار) میں نے دیکھا کہ بربادی اور صبر ہی عقل و خرد سے زیادہ نزدیک ہے لہٰذا میں نے صبر کیا جبکہ اس شخص کی طرح تھا کہ جس کی آنکھ میں کانٹے ہوں اور گلے میں ہڈی پھنسی ہو، میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لوگ لوٹے لئے جا رہے ہیں۔'' (۱)

(۱) نہج البلاغہ، تحقیق، صبحی صالح، خطبہ ۳

اندرونی و بیرونی خطرے

حضرت علی ان خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو آپ کے قیام کی صورت میں اسلامی معاشرہ کے لئے رونما ہو سکتے تھے قیام اور مسلح کاروائی سے باز رہے وہ داخلی اور خارجی خطرے کہ جن کی بناء پر حضرت علی نے مسلح قیام سے صرف نظر کیا انہیں اس ترتیب سے مرتب کیا جا سکتا ہے

(۱) اگر حضرت علی حکومت اور خلافت پر قبضہ کرنے کی غرض سے طاقت اور مسلح قیام کا سہارا لیتے تو (اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ) آپ کے بہت سے ایسے عزیز افراد کہ جو دل و جان سے آپ کی امامت اور خلافت کے معتقد تھے ان کو کھو دیتے اس کے علاوہ اصحاب پیغمبر میں سے بہت سے وہ افراد کہ جو امام کی خلافت سے راضی نہیں تھے وہ بھی مارے جاتے یہ افراد اگرچہ ولایت اور رہبری کے مسئلے میں امام کے مدمقابل تھے اور اس کینے اور حسد کی بنیاد پر کہ جو ان کے دلوں میں تھا وہ اس بات پر راضی نہیں تھے کہ امام حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے تمام امور میں امام سے کسی قسم کا اختلاف نہیں رکھتے تھے لہذا ان افراد کے مارے جانے سے کہ جو بہر حال شرک و بت پرستی اور یہودیت و مسیحیت کے مقابلے میں ایک قوت سمجھے جاتے تھے، مسلمانوں کی مرکزی قوت (بہر حال) کمزور ہو جاتی۔

امام اپنے ایک خطبے میں اسی مسئلہ کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

”جس وقت خدا نے پیغمبر اکرم کی روح قبض کی قریش نے خود غرضی سے اپنے کو ہم پر مقدم سمجھا ہم کو کہ جو امت کی رہبری کے لئے سب سے زیادہ اہل تھے اپنے حق سے محروم کر دیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس مسئلہ میں صبر و تحمل مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور

تفرقہ پیدا کرنے اور ان کا خون بہانے سے بہتر ہے چونکہ لوگوں نے ابھی جلد ہی اسلام قبول کیا تھا اور ان کا دین اس دودھ سے بھری مشک کی طرح تھا کہ جو ابل رہی ہو اور چھوٹی سی غفلت اور سستی اس کو برباد کر سکتی ہے اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی اسے الٹ سکتا ہے۔"(۱)

۲۔ چونکہ بہت سے قبائل اور گروہ رسول اکرم کی زندگی کے آخری برسوں میں مسلمان ہوئے تھے کہ جو ابھی ضروری اسلامی تعلیمات سے واقف بھی نہ ہوئے تھے اور ایمان کے نور نے ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نفوذ بھی نہیں کیا تھا۔ جب رسول اکرم کی رحلت کی خبر ان میں پھیلی تو ان میں سے بعض نے "ارتداد" اور بت پرستی کی طرف بازگشت کا پرچم بلند کر دیا اور مدینہ میں عملی طور پر حکومت اسلامی کی مخالفت کرنے لگے اور اسلامی ٹیکس کی ادائیگی کے لئے بھی آمادہ نہیں تھے اور جنگی ساز و سامان جمع کر کے مدینہ کو شدید دھمکی دینے لگے اسی بناء پر نئی حکومت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو مرتدوں اور باغیوں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے تیار کیا۔ اور آخر کار مسلمانوں کی کوشش کی بدولت بغاوت کی آگ بجھادی گئی۔*

ایسے حالات میں کہ جب اسلام کے رجعت پسند دشمن ارتداد کا پرچم بلند کئے ہوئے تھے اور اسلامی حکومت کو دھمکیاں دے رہے تھے حضرت علیؑ کے لئے ہرگز درست نہ ہوتا کہ آپ دوسرا پرچم بلند کر کے حکومت کے خلاف قیام کریں۔

امامؑ نے اپنے ایک خط میں جو مصر کے لوگوں کو لکھا تھا اس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ

(۱) فروغ ولایت، (آیۃ اللہ) جعفر سبحانی، ج۔۱ص۔۱۷۰/شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید سے نقل کرتے ہوئے۔

* البتہ اس کلام کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ ابوبکر کے تمام اعمال و افعال کو من جملہ مالک بن نویرہ کے قتل کی تائید کرتے ہوں۔

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم میں نے یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا اور نہ کبھی میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ پیغمبر اکرم کے بعد عرب امامت اور رہبری آپ کے اہل بیتؑ سے واپس لے لیں گے (اور دوسری جگہ پہنچا دیں گے اور مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا) کہ خلافت کو مجھ سے دور کر دیں گے تنہا وہ چیز جس نے مجھے غمگین کیا وہ لوگوں کا فلاں شخص (ابوبکر) کے پاس بیعت کی غرض سے جمع ہونا تھا جب یہ صورت حال پیش آئی تو میں اپنا ہاتھ کھینچے رہا یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک گروہ اسلام سے پلٹ گیا اور دین محمدؐ کو ملیا میٹ (یہی وہ وقت تھا) کہ میں ڈرا کہ اگر اسلام اور مسلمین کی مدد نہ کروں تو اسلام کی نابودی اور اس میں پڑتے ہوئے شگاف کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ جو میرے لئے خلافت اور تم پر حکمرانی کے محروم ہونے کے مقابلہ میں زیادہ بڑی مصیبت ہوگی چونکہ یہ چند روزہ دنیاوی فائدہ ہے کہ جو زائل اور ختم ہو جانے والا ہے جس طریقہ سے ''سراب'' ختم ہو جاتا ہے یا بادل ایک دوسرے سے جدا ہو کر بکھر جاتے ہیں۔لہٰذا میں ڈٹا رہا یہاں تک کہ باطل کا صفایا ہو گیا اور میں نے مضبوطی سے قدم جما لئے'' (۱)

۳۔دین اسلام سے پلٹ جانے والوں کے خطرے کے علاوہ ''مسیلمہ'' ''طلیحہ'' اور ''سجاح'' جیسے افراد نبوت اور پیغمبری کے دعوے دار بھی سماج میں ظاہر ہو گئے تھے کہ جنہوں نے اپنے اردگرد طرف دار بھی جمع کر لئے تھے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، کہ جنہیں آخرکار مسلمانوں کی بہت سی زحمتوں، ان کے اتحاد اور باہمی کوششوں کے نتیجہ پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

۴۔رومیوں کے حملے کا خطرہ بھی مسلمانوں کے محاذ کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتا

(۱) نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح نامہ۔۲

تھا کیوں کہ اس وقت تک مسلمان تین مرتبہ رومیوں سے جنگ کر چکے تھے اور وہ مسلمانوں کو اپنے لئے ایک واقعی خطرہ سمجھتے تھے اور اسلام کے مرکز پر حملہ کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے۔ (ایسی صورت حال میں) اگر حضرت علیؑ مسلح قیام فرماتے تو (اس کا نتیجہ یہ ہوتا) کہ مسلمانوں کا داخلی محاذ کمزور ہو جاتا ساتھ ہی ساتھ رومیوں کو اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع ہاتھ لگ جاتا۔

مذکورہ نکات کے پیش نظر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ نے کیوں صبر کو قیام کرنے پر مقدم رکھا اور کس طریقہ سے صبر و تحمل، دور اندیشی اور مختلف تدبیروں کے ذریعہ سے اسلامی معاشرے کو بڑے بڑے خطروں سے نجات دلائی اگر حضرت علیؑ کو مسلمانوں کے اتحاد کی فکر نہ ہوتی اور ان کے درمیان اختلاف کے پیدا ہو جانے اور ان کے دو گروہ میں تقسیم ہو جانے کے خطرناک نتائج کا خوف نہ ہوتا تو آپ ہرگز اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ مسلمانوں کی رہبری پیغمبرؐ کے برحق اوصیاء اور خلفاء کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے ہتھے چڑھ جائے۔

خلفاء ثلاثہ کے دور میں امیر المومنینؑ کی سرگرمیاں

اس دوران حضرت امامؑ کی سرگرمیاں پروردگار کی عبادت اور بندگی کے علاوہ عبادت بھی دو... جو حضرت علیؑ جیسی شخصیت کے شایان شان تھی۔ مندرجہ ذیل طور پر خلاصہ کیا جاتا ہے:

۱۔ قرآن مجید کی تفسیر اور بہت سے مشکلات قرآن کو حل کرنا اور "عبداللہ بن عباس" جیسے شاگردوں کی تربیت دینا کہ جو اصحاب کے درمیان اسلام کے سب سے بڑے مفسر شمار کئے جاتے ہیں۔

۲۔ دنیا کی مختلف قوموں کے علماء اور دانشوروں کے سوالوں کے جوابات دینا

بالخصوص ان یہودیوں اور عیسائیوں کے سوالات کے جوابات جو پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد حضورؐ کے دین و آئین کے بارے میں تحقیق کی غرض سے مدینہ آتے رہتے تھے اور اپنے سوالات پیش کرتے اور حضرت علیؑ کے علاوہ جن کے کلام سے ان کی توریت اور انجیل پر تسلط اور عبور کا پتہ چلتا تھا، کسی کو نہیں پاتے تھے جو ان کے سوالوں کا جواب دے سکے۔ اگر یہ کمی حضرت علیؑ کے نفس نفیس سے پوری نہ ہوتی تو جامعہ اسلامی شدید زوال اور ناکامیوں کی طرف مائل ہو جاتا، اور جب حضرت علیؑ ان کے سوالوں کا دندان شکن جواب دیتے تھے تو ان خلفاء کے چہرے پر جو پیغمبر اسلامؐ کی جگہ پر جم گئے گئے تھے مسرت اور حیرت کے آثار نمودار ہو جاتے تھے۔

۳-ان جدید پیش آنے والے مسائل کا شرعی حکم بیان کرنا جو اسلام میں پہلے کبھی پیش نہیں آتے تھے یا مسئلہ اتنا زیادہ پیچیدہ ہوتا تھا کہ قاضی اس کے متعلق فیصلہ کرنے سے عاجز ہو جاتے تھے یہ نقطہ امامؑ کی زندگی کے حساس نقاط میں سے ہے۔ اگر اصحاب کے درمیان حضرت علیؑ جیسی شخصیت نہ ہوتی جو پیغمبر اسلامؐ کی تصدیق کے مطابق امت میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور قضاوت کے پیمانوں کے متعلق سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والے تھے تو صدر اسلام میں بہت سے مسائل عقدہ لاینحل کی صورت میں باقی رہ جاتے یہی وہ نئے پیش آنے والے مسائل تھے کہ جو اس بات کا تقاضا کر رہے تھے کہ رسولؐ اکرم کی رحلت کے بعد آپ کے ہی مانند معصوم اور تمام مسائل سے آگاہ امام کا لوگوں کے درمیان ہونا ضروری ہے جو اسلام کے تمام اصول و فروع پر کافی و وافی تسلط رکھتا ہو تاکہ لوگوں کو قیاس اور گمان پر عمل کرنے اور غلطیوں کی طرف مائل ہونے سے روک سکے اور پروردگار کی یہ عظیم عطا رسولؐ خدا کے تمام اصحاب کی تصدیق کے مطابق صرف اور صرف حضرت علیؑ میں پائی جاتی تھی۔

امام کے کیے ہوئے بعض فیصلے اور آیات قرآنی سے نئے زاویے پر کشش استفادے،

تاریخ اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں نظر آتے ہیں اور بعض علماء نے ان میں سے کچھ (فیصلوں کو) مستقل کتاب کی صورت میں جمع کیا ہے۔(۱)

۴۔ایسے افراد کی تربیت کرنا جو پاک و پاکیزہ ضمیر اور سیر و سلوک کے لئے آمادہ روح کے مالک تھے تاکہ امامؑ کی رہبری اور آپ کے معنوی نفوذ کے زیر سایہ معنوی کمالات کی چوٹیوں کو سر کر سکیں اور وہ چیزیں کہ جس کو وہ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے انہیں دل کی آنکھوں اور چشم باطنی سے دیکھ سکیں۔

۵۔بہت سے محتاج اور پریشان حال افراد کی زندگی کے اخراجات مہیا کرنے کے لئے کام اور کوشش کرنا یہاں تک کہ خود امامؑ اپنے ہاتھوں سے باغ لگاتے تھے اور کنویں کھودتے تھے اور پھر انہیں اللہ کی راہ میں وقف کر دیتے تھے۔

۶۔جس وقت دربار خلافت سیاسی مسائل یا بعض ایسے مشکلات میں پھنس جاتا تھا کہ جن کا حل کرنا (خلفاء وقت کے) بس سے باہر ہوتا تھا تو امامؑ وحید و فرید ایسے مورد اعتماد مشیر کار تھے جو واقعیت شناسی کی بدولت مشکلات کو راستے سے دور کیا کرتے تھے اور کام کی صحیح راہ کو معین فرماتے تھے انہیں مشوروں میں سے بعض کا ذکر نہج البلاغہ اور دوسری تاریخی کتابوں میں آیا ہے۔(۲)

امامؑ اور خلفاء وقت کی علمی و سیاسی مشکلوں کا حل

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکر اور عمر اپنی خلافت کے دوران سیاسی مسائل معارف و عقائد اور دوسرے اسلامی علوم و معارف مثلاً تفسیر، عقائد، نیز اسلام کے فروع اور احکام کے

....

(۱) بطور نمونہ، کتاب ''قضاء امیر المومنینؑ'' تالیف محقق عالی مقام مرحوم شیخ محمد تقی تستری اور کتاب ''قضاوتہای حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ'' تالیف سید اسماعیل رسول زادہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۲) فروغ ولایت، آیۃ اللہ جعفر سبحانی، ص۔۱۵۲-۱۵۳

متعلق سوالات کے لئے امامؑ سے رجوع کرتے تھے اور امامؑ کے مشوروں اور آپ کی اسلام کے فروع واصول سے آگاہی اور آپ کی راہنمائی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔ ذیل میں ہم چند نمونے جو تاریخ میں منضبط ہیں قارئین کی نظر سے گزارتے ہیں:

رومیوں کے ساتھ جنگ

روم کی حکومت اسلام کی جوان حکومت کے شدید دشمنوں میں سے ایک تھی اور اسلام کے مرکز کو ہمیشہ شمال کی جانب سے اپنی دھمکیوں کا نشانہ بناتی تھی پیغمبرؐ اکرم اپنی زندگی کے آخری لمحات تک روم کے خطرے کی فکر سے غافل نہ تھے۔ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے ایک گروہ کو ''جعفر طیار'' کی ماتحتی میں شام کی سرحدوں کی طرف روانہ کیا تھا لیکن اسلامی فوج تین سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی ایک تعداد کو کھو کر بغیر کسی نتیجہ کے مدینہ واپس آ گئی۔ اس شکست کی تلافی کے لئے رسول اکرمؐ نے ہجرت کے نویں سال ایک بھاری فوج کے ساتھ تبوک کا قصد کیا لیکن بغیر دشمن کی فوج کا سامنا کئے ہوئے مدینہ واپس آ گئے اس سفر کے بہت سے درخشاں نتائج سامنے آئے جو تاریخ میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود بھی روم کے حملے کا خطرہ ہمیشہ پیغمبرؐ اکرم کی فکر کو مشغول رکھتا اسی بناء پر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب آپ صاحب فراش تھے مہاجرین وانصار کی ایک فوج تشکیل دی کہ وہ شام کی طرف چل پڑیں۔ یہ فوج بعض اسباب وعلل سے مدینہ سے باہر نہیں نکلی اور پیغمبرؐ اسلام نے اس حالت میں کہ اسلام کی فوج مدینہ سے چند کلومیٹر کی دوری پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اس دنیا کو الوداع کہا.................رسولؐ اکرم کی رحلت کے بعد ابوبکر کی خلافت کے لئے انتخاب کے ساتھ مدینہ کی فضا بحران کے بعد سکون کی طرف مائل ہوئی۔ ابوبکر جنہوں نے حکومت کے امور کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی وہ رسولؐ اکرم کے حکم (رومیوں کے ساتھ جنگ) پر عمل درآمد کروانے میں پوری طرح تذبذب کا شکار تھے

اسی بناء پر انھوں نے اس سلسلے میں بعض اصحاب سے مشورہ کیا اور سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی لیکن کوئی بھی رائے ان کو مطمئن نہیں کرسکی آخر کار انھوں نے امام سے مشورہ کیا۔ امام نے اسے پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر عمل درآمد کی ترغیب دی اور فرمایا: ''اگر جنگ کروگے تو کامیاب ہو جاؤ گے'' خلیفہ امام کی اس تشویق سے خوش ہوا اور اس نے کہا: آپ نے اچھی فال بیان فرمائی اور بھلائی کی بشارت دی ہے۔ (۱)

حضرت علیؑ سے خلیفۂ دوم کے سیاسی مشورے

امامؑ خلیفۂ دوم کے دور میں بھی ایک اہم مشیر کار تھے اور خلیفہ کی بہت سی علمی سیاسی اور اجتماعی مشکلات کی گرہیں کھولنے والے تھے۔

یہاں پر ان موارد میں سے کہ جہاں پر خلیفۂ دوم نے آپ کی فکر سے سیاسی مسائل میں فائدہ اٹھایا ہے ایک مورد کا بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں:

ہجرت کے چودھویں سال سرزمین ''قادسیہ'' پر سپاہ اسلام اور ایران کے فوجیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس کا انجام مسلمانوں کو فتح کی صورت میں نکلا اور ایران کا اعلیٰ سپہ سالار رستم فرخ زاد ایک گروہ کے ساتھ قتل ہوا۔ اس کامیابی کے ساتھ پورا عراق اسلام کے سیاسی اور فوجی نفوذ کے تسلط میں آگیا۔ اور ''مدائن'' جو ساسانی بادشاھوں کی حکومت کا مرکز تھا مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور ملک کے اندر ایران کی فوج کے تمام اعلیٰ افسر مقابلہ کرنے سے پیچھے ہٹ گئے۔

ایران کی فوج کے سرداروں اور صلاح کاروں کو اس بات کا خوف تھا کہ اسلام کی فوج آہستہ آہستہ آگے بڑھے گی اور پورے ملک کو اپنے قبضے میں کرلے گی اس خطرناک حملے

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ابن واضح یعقوبی، ج۔۲ص۔۳۹

سے مقابلہ کرنے کی غرض سے ایران کے بادشاہ "یزدجرد" نے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کی ایک فوج کو "فیروزان" کی سپہ سالاری میں مرتب کی۔ تاکہ کسی اچانک حملے کا مقابلہ کرسکے یہاں تک کہ حالات کے سازگار ہونے کی صورت میں حملہ بھی کردے۔

"سعد وقاص" نے جو اسلام کی فوج کا سپہ سالار اعلیٰ تھا، حضرت عمر کو (اور ایک روایت کی بنیاد پر عمار یاسر کو جو کوفہ کے والی تھے) خط لکھا اور خلیفہ کو دشمن کی تیاریوں سے آگاہ کیا اور لکھا: کوفہ کی فوج جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے تیار ہے قبل اس کے کہ دشمن جنگ شروع کرے ہمیں چاہیے کہ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے پہلے حملہ کردیں۔

خلیفہ مسجد میں گئے اور بزرگ اصحاب کو جمع کیا اور پہلے ان کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ کیا کہ وہ مدینہ سے جانا اور بصرہ اور کوفہ کے درمیانی علاقہ میں قیام کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہاں سے فوج کی رہبری سنبھال لیں۔ اسی وقت طلحہ نے کھڑے ہوکر خلیفہ کو اس کام کی ترغیب دلائی اور ایسی باتیں کہیں کہ جس سے اچھی طرح چاپلوسی کی بو محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس کے بعد عثمان کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی خلیفہ کو مدینہ ترک کرنے پر تشویق دلائی بلکہ یہ بھی کہا: کہ شام اور یمن کی فوجوں کو خط لکھ دیجئے کہ وہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر آپ سے مل جائیں اور آپ اس بڑی فوج کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کرسکیں اسی وقت امیرالمومنینؑ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اس امر (اسلام) کی کامیابی اور شکست کا طاقت کی بہتات اور تعداد کی کمی سے تعلق نہیں ہے یہ خدا کا دین ہے اس نے اسے کامیابی عطا کی اور اس کی فوج ہے کہ خود اس نے اس کو تیار کیا اور اس کی مدد کی یہاں تک کہ اسے جس منزل تک پہنچنا تھا پہنچ گیا اور جس جگہ پر طلوع کرنا تھا طلوع کیا پروردگار کی جانب سے ہمیں کامیابی کا قول دیا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ پروردگار اپنے وعدے کو عملی جامہ پہنائے گا اور اپنی فوج کی مدد کرے گا۔

حکمراں کی حیثیت لہروں کی ڈور کے مانند ہے کہ جوان کو جمع کئے ہوئے ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے جوڑتی ہے اگر ایک دوسرے سے ارتباط ٹوٹ جائے تو لہریں بکھر جائیں گی اور پھر ہرگز انہیں جمع نہیں کیا جا سکتا اور نہ دوبارہ از سرنو انہیں منظم کیا جا سکتا ہے۔

آج اگر چہ عرب تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں لیکن اسلام کی طاقت کے لحاظ سے بہت ہیں اور اپنے اجتماع، اتحاد اور ہم آہنگی کے زیر سایہ معزز اور طاقتور ہیں۔ اس بناء پر آپ (خلیفہ) چکی کی کھونٹی کی طرح ہو۔ معاشرے کو مسلمانوں کے ذریعہ سے چلاتے رہئے اور جنگ میں ان کی کمک سے دشمنوں کے لئے جنگ کی آگ بھڑکا دیجئے کیوں کہ اگر آپ بذات خود یہاں سے چلے گئے تو اطراف واکناف کے عرب آپ کی اطاعت سے نکل جائیں گے اور اس وقت آپ جس کو چھوڑ کر جا رہے ہیں اسے آگے رکھئے اگر کل عجمیوں کی نگاہ آپ پر پڑے گی تو وہ کہیں گے کہ یہی عرب کی جڑ بنیاد (رہبر) ہے اگر اس درخت کی جڑ کو کاٹ دو تو پھر چین ہی چین ہے اور ان کی یہی فکر آپ سے لڑنے میں انہیں آپ کا صفایا کر دینے کی حریص بنا دے گی۔ مگر آپ نے جو یہ کہا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں اور آپ اس بات سے فکرمند ہیں تو جان لیجئے کہ خداوند تعالیٰ آپ سے زیادہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے اور وہ جس چیز کو نہیں پسند کرتا ہے اس کو تبدیل کرنے پر آپ سے زیادہ قادر ہے۔

لیکن جو آپ نے دشمن کے سپاہیوں کی کثرت کی طرف اشارہ کیا ہے (تو جان لیجئے) کہ ہم گزشتہ دنوں میں مختلف جنگوں میں افراد کی تعداد پر بھروسہ نہیں کرتے تھے بلکہ خداوند متعال کی مدد اور اس کی نصرت پر حساب کرتے تھے (اور کامیاب بھی ہوتے تھے۔)(۱)

(۱) نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خطبہ۔۱۴۶۔ ترجمہ "گویا و نشردہ ای بر نہج البلاغہ" آشتیانی، محمد رضا (و) امامی محمد جعفر، ج۔۲، ص۔۱۲۵ خطبہ۔۱۴۶

حضرت عمر نے امامؑ کی باتوں کو پسند کیا اور جانے کے ارادے سے باز رہے۔(۱)
چونکہ امام اس قسم کی تمام مشکلات کو حل کرتے تھے لہذا حضرت عمر کا کہنا تھا: خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کوئی مشکل پیش آئے اور ابوالحسن (علیؑ) اس کو حل کرنے کے لئے موجود نہ ہوں۔(۲)

آپؑ کی زندگی آغاز خلافت سے شہادت تک

حضرت عثمان کی مالی اور انتظامی خرابیاں بیرون اختیار اور بیت المال میں شرعاً ناجائز تصرف نیز ان کا بنی امیہ اور اپنے خاندان کے نالائق افراد کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر تقرر اور آخر کار مہاجرین وانصار میں کے لائق افراد کو کنارے لگا دینا اور مقدرات اسلامی کو بنی امیہ کے ہاتھوں میں سپرد کر دینا لوگوں کے غصے کے بھڑک اٹھنے کا سبب بنا اور ان پر کینہ پروری اور برے حکام کی تبدیلی کے متعلق مسلمانوں کی طرف سے ہونے والے جائز اعتراضات اور بار بار کی جانے والی درخواستوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انجام کار ان کی حکومت کے خلاف بغاوت اور انقلاب برپا ہو گیا جو ان کے قتل پر منتہی ہوا۔ پھر لوگوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر خلافت ظاہری کے لئے بیعت کی۔

اس لحاظ سے حضرت علیؑ کی حکومت جو قتل عثمان کے بعد وجود میں آئی وہ ایک ایسی انقلابی حکومت تھی جو ماقبل حکومت کے مظالم اور مفاسد کے خلاف بغاوت کا ثمرہ تھی۔

---

(۱) تاریخ الامم والملوک، طبری، محمد بن جریر، ج۔۴ص۔۲۳۷، الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج۔۳ص۔۸
(۲) الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ابن حجر عسقلانی، ج۔۲ص۔۵۰۹، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، ج۔۳ص۔۳۹ (حاشیہ اصابہ میں)

تین محاذوں پر جنگ

حضرت علیؑ کی خلافت اور حکومت جو سرتاپا عدل وانصاف کی بنیاد پر تھی اور جس کا مقصد اسلام کی اصل سنتوں کو زندہ کرنا تھا مخالف افراد پر سخت اور گراں گزری اور آپ کی حکومت کے مقابلے میں مخالف صفیں تیار ہو گئیں یہی مخالفین آخرکار ''ناکثین'' ''قاسطین'' اور ''مارقین'' کے ساتھ تین جنگوں کا سبب بنیں۔ ذیل میں ہم ان تینوں جنگوں کے بارے میں مختصر توضیح کرتے ہیں۔

ناکثین کے ساتھ جنگ (جنگ جمل)

ناکثین (عہد توڑنے والوں) کے ساتھ جنگ اس بناء پر واقع ہوئی کہ طلحہ اور زبیر جنہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی۔ بصرہ اور کوفہ کی گورنری کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن امامؑ نے ان کی درخواست منظور نہیں کی۔ آخرکار وہ مخفی طریقہ سے مدینہ چھوڑ کر مکہ کی طرف چل پڑے اور وہاں پر انہوں نے امویوں کے ہاتھوں لوٹے ہوئے بیت المال کی مدد سے پیغمبر اکرمؐ کی زوجہ عائشہ کے ساتھ مل کر ایک فوج تشکیل دی اور ان کی حرمت اور منزلت سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہوئے بصرہ کی طرف چل پڑے اور اس پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ نے ان کی سرکوبی کی غرض سے مدینہ کو ترک کیا اور بصرہ کے نزدیک شدید جنگ واقع ہوئی جو حضرت علیؑ کی فتح اور ناکثین کی شکست پر ختم ہوئی۔ یہ وہی جنگ جمل ہے جس نے اپنا تذکرہ تاریخ میں وسیع پیمانہ پر محفوظ کرلیا ہے۔ یہ جنگ ۳۶ھ میں واقع ہوئی۔

قاسطین کے ساتھ جنگ (جنگ صفین)

حضرت علیؑ کی خلافت سے بہت پہلے سے معاویہ نے شام میں اپنے لئے خلافت کی

پیش بندی رکھی تھی۔ جس وقت امامؑ کو خلافت ملی تو آپ نے اس کو برطرف کرنے کا حکم صادر کر دیا اور اس کے شام کی حکومت پر ایک لمحہ کے لئے بھی باقی رہنے کو منظور نہیں کیا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق اور شام کی فوج "صفین" کی سرزمین پر بڑھ گئیں اور قریب تھا کہ حضرت علیؑ کی فوج کامیاب ہو جائے معاویہ نے ایک چال چلی جس نے حضرت علیؑ کے سپاہیوں کے درمیان اختلاف اور بغاوت پیدا کر دی آخر کار حضرت علیؑ کے ہمراہیوں کی جانب سے بہت زیادہ اصرار ہونے پر امامؑ ابوموسیٰ اشعری، اور عمرو عاص کی ثالثی قبول کرنے پر مجبور ہو گئے (یعنی) وہ دونوں اسلام اور مسلمین کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اعلان کریں۔ تحکیم کے مسئلہ کو قبول کرنے کے لئے حضرت علیؑ پر اس قدر دباؤ تھا کہ اگر آپ قبول نہ کرتے تو شاید آپ کی زندگی کا ہی خاتمہ ہو جاتا اور پھر مسلمانوں کو ایک شدید بحران کا سامنا کرنا پڑتا۔

اس دن کہ جس دن حکمین کو اپنی رائے کا اعلان کرنا تھا عمرو عاص نے ابوموسیٰ کو فریب دے دیا اور اس کے ساتھ ہی معاویہ کا تکلیف دہ نقشہ سب پر آشکار ہو گیا۔

تحکیم کے مسئلہ کے بعد مسلمانوں کی ایک تعداد نے جو پہلے حضرت علیؑ کے ساتھ تھی اور خود انھوں نے تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا تھا امامؑ کے مقابلے میں خروج کیا۔ اور حکمیت قبول فرما لینے کے لئے حضرت کو تنقید کا مورد بنا لیا۔ قاسطین کے ساتھ جنگ ۳۷ھ میں پیش آئی۔

مارقین کے ساتھ جنگ (جنگ نہروان)

مارقین وہی افراد تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو تحکیم کے قبول کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن کچھ ہی مدت کے بعد اپنے اس کام پر شرمندہ ہو گئے اور امامؑ کی طرف سے عہد توڑنے کے طالب ہو گئے۔ امامؑ اپنے عہد و پیمان کو توڑنے والے شخص نہیں تھے۔ لہٰذا انہیں افراد

نے جو خوارج کہلاتے ہیں حضرت علیؑ کے مقابلے میں صف آرائی کی اور نہروان میں حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت علیؑ اس جنگ میں کامیاب ہو گئے لیکن لوگوں کے دلوں میں کینے چھپے رہے اور معاشرہ اسلامی میں ان کی جڑیں اکھڑ نہ سکیں۔ یہ جنگ ۳۸ھ میں یا بعض مورخین کے قول کے مطابق ۳۹ھ میں ہوئی۔

آخر کار چار سال اور چند ماہ کی حکومت کے بعد حضرت علیؑ کو ۱۹ ررمضان المبارک ۴۰ھ کی صبح سجدے کی حالت میں عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کی ضربت لگی اور دو دن کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

شیعوں کے دوسرے پیشوا یعنی حضرت امام حسنؑ جو حضرت علیؑ اور بنت پیغمبر کا پہلا ثمرہ تھے، ۱۵ ررمضان المبارک ۳ھ کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے۔(۱)

حسن بن علی علیہما السلام نے اپنے جد بزرگوار رسولؐ اکرم کے دور کے صرف چند برس درک کئے تھے چونکہ آپ ابھی سات برس کے ہی تھے کہ رسول اکرمؐ اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔

پیغمبر اکرمؐ کے انتقال کے بعد تقریباً ۳۰ رسال اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کی سرپرستی میں گزارے اور حضرت علیؑ کی شہادت (۴۰ھ) کے بعد دس سال تک امامت کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر تھی اور ۵۰ھ میں معاویہ کی سازش کے نتیجہ میں ۴۸ رسال کی عمر میں زہر کے ذریعہ شہید کر دیے گئے اور مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔

امامت سے قبل آپ کی جنگیں

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام بہت ہی شجاع اور بہادر تھے خوف وہراس کا آپ کے اندر وجود نہیں تھا۔ دین اسلام کی ترقی کی راہ میں آپ کسی بھی

(۱) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۸۔ الارشاد: شیخ مفید، قم، منشورات مکتبۃ بصیرتی، ص ۱۸۷۔

فدا کاری اور جانبداری سے گریز نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

جنگ جمل

امام حسن مجتبیٰؑ جنگ جمل میں اپنے والد حضرت امیر المومنینؑ کی رکاب میں محاذ کی پہلی صف میں جنگ کرتے تھے اور حضرت علیؑ کے جیالے اور بہادر دوستوں سے آگے نکل جاتے تھے اور دشمن کی سپاہ کے قلب پر شدید حملے کرتے تھے۔(۱)

جنگ کے چھڑنے سے پہلے بھی اپنے والد کے حکم سے عمار یاسر اور امیر المومنینؑ کے چند اصحاب کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے اور کوفہ کے لوگوں کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔(۲)

جنگ صفین

جنگ صفین میں بھی عمومی طاقت جمع کرنے اور معاویہ کی فوج سے جنگ کرنے کے لئے امیر المومنینؑ کی فوج کو بھیجنا آپ کے ذمہ تھا۔ اس کے علاوہ اپنے پر جوش اور انقلابی بیانات کے ذریعہ سے کوفہ کے لوگوں کو امیر المومنینؑ کی رکاب میں جہاد کرنے اور خیانت کاروں اور اسلام کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے دعوت دیتے تھے۔(۳)

حق کی راہ میں جان نثار کرنے کا جذبہ اس قدر زیادہ تھا کہ امیر المومنینؑ نے جنگ صفین میں اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ جا کر آپ کو اور آپ کے بھائی امام حسینؑ کو مزید جنگ

---

(۱) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج۔۴، ص۔۲۱

(۲) تاریخ یعقوبی: ابن واضح، ج۔۲، ص۔۱۷۰

(۳) نصر بن مزاحم، وقعۃ صفین: نصر بن مزاحم، ص۔۱۱۳

کرنے سے روکیں کہیں (خدانخواستہ) ان دو شخصیتوں کے شہید ہو جانے سے پیغمبرؐ اکرم کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے۔(۱)

معاویہ کے اسلام مخالف اعمال پر کھل کر اعتراض کرنا

امام حسنؑ مجتبیٰ حق بیان کرنے اور حریم اسلام سے دفاع کی راہ میں کسی قسم کی نرمی نہیں برتتے تھے آپ معاویہ کے غیر اسلامی اعمال پر کھل کر تنقید فرماتے تھے اور معاویہ اور بنی امیہ کے برے اور ذلت آمیز ماضی کو بغیر کسی چیز کی پرواہ کئے ہوئے فاش کرتے تھے۔

یہاں تک کہ صلح کے معاہدے کے بعد کہ جب معاویہ کی قوت میں مزید اضافہ ہوا اور اس کا موقف بیش از پیش مستحکم ہوا۔ حضرت امام حسنؑ معاویہ کے کوفہ وارد ہونے کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور اپنی صلح کے مقاصد اور مولائے کائناتؑ کے خاندان کی خصوصیات بیان کیں اور پھر دونوں گروہوں کی موجودگی میں معاویہ کے کمزور نقاط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی روش کو شدت اور صراحت کے ساتھ مورد تنقید قرار دیا۔(۲)

حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی صلح کے بعد خوارج نے اپنی تمام طاقت معاویہ کے خلاف اکٹھا کی۔ کوفہ میں معاویہ کو خبر ملی کہ خوارج کے ایک سردار ''حوثرۂ اسدی'' نے ان کے خلاف قیام کیا ہے اور اپنی ایک فوج جمع کر لی ہے۔

معاویہ نے اپنی حیثیت بتانے اور اس بات کا اظہار کرنے کے لئے کہ حضرت امامؑ (معاذ اللہ) اس کے مطیع اور پیرو ہیں امامؑ کو جو مدینہ کی طرف سفر کر رہے تھے ایک پیغام بھیجا کہ حوثرۂ اسدی کی بغاوت کو کچل دیں اور اس کے بعد اپنے سفر کو آگے بڑھائیں۔ امامؑ نے اس کے اس پیغام کے جواب میں لکھا: میں نے مسلمانوں کی جان کی حفاظت کی غرض

---

(۱) شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج۔ ۱۱ص۔ ۲۵ خطبہ۔ ۲۰۰

(۲) احتجاج: طبرسی، ص۔ ۱۴۴۔ ۱۵۰

سے مجھ سے ... سے (صلح کو) اختیار کیا (مجھ سے جنگ کرنے سے پرہیز کیا) اور اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ میں جس طرف سے دوسروں سے ... اگر مجھے جنگ ہی کرنی ہو تو سب سے پہلے مجھے چاہئے کہ میں تم سے جنگ کروں کیونکہ خوارج سے پہلے تم سے جنگ زیادہ ضروری ہے۔(1)

اسلام میں صلح کا قانون

بعض افراد حضرت امام حسنؑ کی زندگی اور آپ کے دور کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ سوالات کرتے ہیں کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے کیوں صلح کی؟ کیا حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد آپ کے شیعوں اور آپ کی اطاعت کرنے والوں نے آپ کے فرزند امام حسنؑ کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کی تھی؟ کیا یہ بات بہتر نہیں تھی کہ امام حسینؑ نے جو کام کیا اسی کو امام حسنؑ پہلے ہی انجام دے دیتے اور معاویہ کے خلاف قیام کرتے اور اس وقت یا خود کامیاب ہو جاتے یا اپنی شہادت کے ذریعہ سے معاویہ کی حکومت کو متزلزل کر دیتے؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے قبل ضروری ہے کہ بطور مقدمہ اس نکتہ کی یاد دہانی کرتے چلیں کہ آئین اسلام میں جنگ و جہاد کے نام سے صرف ایک قانون ہی نہیں پایا جاتا ہے بلکہ جس طریقہ سے دین اسلام مسلمانوں کو مخصوص شرائط میں یہ حکم دیتا ہے کہ وہ دشمن سے جنگ کریں اسی طریقہ سے وہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ اگر مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے جنگ مؤثر نہ ہو تو صلح کا راستہ اختیار کریں ہم رسول اکرمؐ کی زندگی میں اس ورق کے دونوں صفحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اسلامؐ نے جہاں بدر، احد، خندق اور حنین میں جنگ کا راستہ اختیار کیا وہیں دوسرے حالات میں جب کامیابی ناممکن نظر آ رہی تھی تو انہوں

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۱۴۔ ص ۹۸/الکامل فی التاریخ ابن اثیر ج ۳ ص [illegible]

نے مجبور ہوکر دشمنان اسلام کے ساتھ صلح کرلی اور جنگ سے پرہیز کیا۔ تاکہ اس کے زیرسایہ اسلام کی ترقی محفوظ ہوجائے۔ پیغمبرؐ اکرم کا ''بنی حمزہ'' اور ''بنی اشجع'' نیز (حدیبیہ میں) اہل مکہ کے ساتھ صلح کرنا بھی انہیں موارد میں شمار ہوتا ہے۔ (۱)

لہذا جس طریقہ سے پیغمبرؐ اسلام نے بعض عظیم مصلحتوں کی بنیاد پر وقتی طور پر دشمن سے صلح کی اس وقت اس کی مصلحت بعض لوگوں کے لئے واضح نہیں تھی حضرت امام حسنؑ نے بھی جو الٰہی رہبر اور دینی رہنما تھے اور تمام لوگوں سے بہتر قضیہ کے تمام پہلوؤں سے واقفیت رکھتے تھے، ایک خاص دور اندیشی کے ساتھ اسلامی سماج کی فلاح و بہبود کی تشخیص جنگ جاری نہ رکھنے کی صورت میں کی۔ اس بناء پر اس عنوان کو عیب اور نقص نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ آپ کی روش کو بالکل پیغمبرؐ اکرم کی روش سمجھنا چاہیے۔

یہاں پر ان مختلف اسباب کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں جن کی بنیاد پر امام حسنؑ صلح کرنے پر مجبور ہوئے۔

صلح امام حسنؑ کے اسباب

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی حاکم اور فرمان روا اگر میدان جنگ میں دشمن پر کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا داخلی محاذ منظم، تشکیل یافتہ اور ہم آہنگ ہو اور ایسی طاقت کے نہ ہوتے ہوئے مسلح جنگ میں شرکت کا نتیجہ صرف ذلت بار شکست کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

جب ہم امام حسنؑ کی صلح کے اسباب کی جستجو کرتے ہیں تو سب سے اہم جو موضوع

(۱) امام حسنؑ نے اس شخص کے جواب میں جس نے معاویہ کے ساتھ صلح کرنے پر اعتراض کیا تھا پیغمبر اکرم کی صلح کو دلیل بناتے ہوئے فرمایا جس دلیل کی بنیاد پر پیغمبر اکرم نے ان قبیلوں کے ساتھ صلح کرلی میں نے بھی معاویہ کے ساتھ صلح کی ہے۔ (بحار الانوار علامہ مجلسی، ج۔۴۴ص۔۲)

نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ ایسے قوی اور منظم داخلی محاذ کا فقدان تھا کیوں کہ امام حسنؑ کے زمانے میں عراقی بالخصوص کوفے والے جنگ کے لئے نہ باطنی طور پر آمادہ تھے اور نہ ہی ان کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کا پتہ تھا۔

جنگ سے تھک جانا

جنگ جمل، صفین اور نہروان اسی طرح سے وہ جنگیں کہ جو واقعہ تحکیم کے بعد معاویہ کے فوجی دستوں اور حضرت علیؑ کی فوج کے درمیان عراق، حجاز اور یمن میں لڑی گئیں اور بہت سے جانی نقصانات کا سبب بنیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں جنگ سے ایک قسم کی تھکن اور صلح کی طرف رغبت پیدا ہوگئی کیوں کہ حضرت علیؑ کے پانچ سالہ خلافت کے دور میں آپ کے اصحاب نے کبھی بھی اسلحہ زمین پر نہیں رکھا مگر اس ارادے سے کہ کل دوسری جنگ میں شرکت کرنا ہے۔ ساتھ ہی ان کی جنگ دوسروں سے نہیں تھی بلکہ ان کے قوم کے لوگوں، ان کے بھائیوں اور ان کے کل کے میل جول والے افراد سے تھی جو معاویہ کی طرف چلے گئے تھے۔(۱)

عراق کے لوگ درحقیقت مختلف بہانوں سے اور شام کے مختلف گروہوں سے جنگ کرنے کے لئے فوج بھیجنے میں سستی دکھلا کر اپنی عافیت طلبی اور تھکن کا اعلان کرتے تھے جب کہ شام کے گروہ عراق حجاز اور یمن کی سرحدوں پر راتوں میں شبخون مارتے تھے۔

اسی طریقہ سے امیر المومنینؑ کی جنگ صفین کے لئے دوبارہ دعوت پر ان کا سستی کے

---

(۱) جنگ جمل میں تیس ہزار افراد سے زیادہ مارے گئے (تاریخ یعقوبی، ج۔۲ص۔۱۷۲) اور جنگ نہروان میں خوارج کے چار ہزار لوگ مارے گئے (تاریخ یعقوبی ج۔۲ص۔۱۸۲) اور جنگ صفین میں دونوں طرف کے مارے جانے والے افراد کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی (مروج الذہب مسعودی ج۔۲ص۔۳۹۳)

ساتھ قبول کرنا اسی تھکن کی علامت تھا۔(۱)

حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسنؑ تخت نشین خلافت ہوئے تو یہ صورت حال زبردست طریقے سے آشکار ہوگئی خاص کر اس وقت جب امام حسنؑ نے لوگوں کو اہل شام سے جنگ کرنے کی دعوت دی تو لوگ بہت ہی سستی کے ساتھ آمادہ ہوئے اس طرح سے کہ جب امام حسنؑ اور آپ کے بزرگ اصحاب کی کوششوں اور تقریروں کے ذریعہ لوگوں میں تحریک پیدا کرنے اور اہل شام سے مقابلہ کرنے کے باوجود حضرت مجتبیٰؑ بہت تھوڑے لوگوں کے ساتھ کوفہ سے نکلے اور کوفہ کے نزدیک ''نخیلہ'' نام کے ایک مقام کو لشکرگاہ بنایا لیکن دس دن کے اس انتظار کے بعد بھی کل چار ہزار لوگ جمع ہوئے اسی بناء پر امام حسنؑ کو مجبور ہونا پڑا کہ کوفہ واپس جائیں اور تازہ اور شدید اقدامات فوج جمع کرنے کے لئے کریں۔(۲)

متضاد عناصر پر مشتمل سماج

اس کے علاوہ اس دور میں عراق کا سماج ایک غیر منظم، غیر متحد اور بکھرا ہوا سماج تھا بلکہ مختلف اور متضاد گروہوں اور قبیلوں سے مل کر تشکیل پایا ہوا تھا جن میں بعض ایک دوسرے سے کسی قسم کی ہم آہنگی اور مناسبت نہیں رکھتے تھے۔

خطرناک اموی جماعت کے حامی وطرف دار خوارج جو دونوں محاذ سے جنگ واجب سمجھتے تھے، غیر عرب مسلمان جو دوسرے علاقوں سے آکر عراق میں جمع ہوگئے تھے اور ان کی تعداد بیس ہزار تھی ان کے علاوہ وہ افراد جو مستحکم عقیدہ نہیں رکھتے تھے اور طرفین

---

(۱) ارزیابی انقلاب حسینؑ (ثورۃ الحسین) محمد مہدی شمس الدین، ترجمہ مہدی پیشوائی، ص۔۱۹۷۔۲۰۰

(۲) صلح الحسن: شیخ راضی آل یاسین، ص۔۱۰۲

میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے تذبذب میں مبتلا تھے، اس دور کے عراق اور کوفہ کے سماج کی تشکیل کرنے والے سمجھے جاتے تھے۔

نیز امیر المومنینؑ کے پیرو اور آپ کے خاص شیعہ افراد کا شمار بھی انہیں عناصر میں ہوتا تھا۔(۱)

مختلف الخیال فوج

یہی چند گروہوں میں تقسیم ہونا، عقائد کا اختلاف اور انتشار طبعی طور پر امام حسنؑ کی فوج میں بھی ظاہر ہوا۔ جس کی بناء پر فوج نے ایک غیر متحد اور غیر مناسب شکل اختیار کر لی لہذا بیرونی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے کسی بھی طرح سے ایسی فوج پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

شیعوں کے نامور عالم دین شیخ مفیدؒ اور دوسرے مورخین امام حسنؑ کی فوج میں اس صورت حال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

عراق کے لوگ بہت زیادہ سستی اور مردہ دل ہو کر جنگ کے لئے نکلے اور امام حسنؑ نے جو فوج جمع کی تھی وہ مختلف گروہوں سے مل کے بنی تھی۔ جو اس طرح تھے:

۱- امیر المومنینؑ کے شیعہ اور آپ کے طرف دار۔

۲- خوارج جو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے ہر وسیلے سے فائدہ اٹھاتے تھے (اور امام) کے فوجیوں کی صف میں ان کی شرکت حب امامؑ میں نہیں تھی بلکہ معاویہ کی دشمنی میں تھی۔

۳- نفع اندوز اور دنیا پرست افراد جو مادی فوائد کی لالچ میں امامؑ کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

۴- وہ افراد جو عقیدے کے اعتبار سے متزلزل تھے اور شک و تردد میں مبتلا تھے جن کی

---

(۱) صلح الحسن: شیخ راضی آل یاسین، ص-۶۸-۷۴

نظر میں امام حسنؑ جیسی عظیم شخصیت معاویہ پر چنداں ترجیح اور برتری نہیں رکھتی تھی۔

(۵۔ آخری گروہ جو دین کے لئے نہیں بلکہ صرف قبائلی تعصب کی بناء پر اور رئیس قبیلہ کی پیروی کرتے ہوئے جنگ کے لئے حاضر ہوئے تھے۔(۱)

اس طریقہ سے امام حسنؑ کی فوج میں معاویہ جیسے قوی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے لازمی اتحاد و اتفاق نہیں پایا جاتا تھا۔

منھ بولتی دلیل

حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ نے مدائن میں یعنی آخری منزل کہ جہاں تک آپ کی فوج بڑھ سکی تھی ایک جامع اور ولولہ انگیز تقریر کی اور اس کے ضمن میں اس طرح فرمایا:

''کسی قسم کا شک یا تردد ہمیں اہل شام سے جنگ کرنے سے نہیں روک رہا ہے۔ ہم ماضی میں تمہاری استقامت اور پائداری کی طاقت اور داخلی سمجھ بوجھ کے ساتھ اہل شام سے جنگ کرتے تھے لیکن آج کینوں کی وجہ سے تمہارے درمیان سے اتحاد اور اعتماد ختم ہو گیا ہے تم نے اپنی پائداری کو کھو دیا ہے اور شکوے کے لئے زبان کھول دی ہے۔

معاویہ نے ہمیں ایک ایسی پیش کش کی ہے جو انصاف سے دور اور ہمارے بلند مقاصد اور اعزاز کے خلاف ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کے لئے آمادہ ہو تو بتاؤ تا کہ اس کے مقابلہ میں جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور تلوار سے اس کا جواب دیں اور اگر زندگی اور عافیت کے طالب ہو تو اس کو بھی بتا دو تا کہ اس کی تجویز مان لیں اور تمہاری رضامندی بھی حاصل ہو سکے۔''

---

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص۔ ۱۸۹ / الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمۃ: ابن صباغ مالکی، ص۔ ۱۶۷

جب حضرت امامؑ کا کلام اس منزل پر پہنچا تو لوگ ہر طرف سے "اَلْبُقْیَۃُ اَلْبُقْیَۃُ" کی فریادیں بلند کرنے لگے۔ یعنی ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔(۱)

ایسی فوج پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جس میں جنگ کا جذبہ ہی نہ تھا کیسے ممکن تھا کہ امام حسنؑ معاویہ جیسے طاقتور دشمن سے نبرد آزما ہوتے؟ ایسی فوج کے ساتھ جو مختلف اور متضاد عناصر سے تشکیل پائی تھی اور چھوٹی سی غفلت کے نتیجہ میں یہ احتمال پایا جاتا تھا کہ خود بھی خطرات پیدا کر بیٹھے کیا کسی قسم کی کامیابی کی امید پائی جاتی تھی؟

پیمان شکن لوگ

جیسا پہلے کہا گیا کہ عراق اور کوفے کے لوگ تردد میں تھے اور ان میں یک دلی و یک جہتی نہیں تھی بلکہ وہ بے وفا متلوّن مزاج اور ناقابل اعتماد لوگ تھے جو آئے دن ایک الگ پرچم کے نیچے جمع ہو جاتے تھے اور ہمیشہ حالات اور وقت کی حکومت کے تابع ہوتے تھے جسے اصطلاح میں کہیں گے کہ: "روٹی روز کے بھاؤ سے کھاتے تھے" اسی جذبہ کی بنیاد پر جب طرفین اپنی فوج کو جمع کرنے اور ان کی سجاوٹ میں مشغول تھے تو بعض قبیلے کے سرداروں اور کوفے کے بزرگ خاندانوں سے وابستہ افراد نے امامؑ کے ساتھ خیانت کی اور معاویہ کو خط لکھا اور اپنی طرف سے اس کی حکومت کی حمایت کا اظہار کیا اور بطور مخفی اسے عراق کی طرف سفر کرنے کی رغبت دلائی۔ اور اس بات کا ذمہ لیا کہ اس کے عراق کے نزدیک پہنچتے ہی وہ امام حسنؑ کو اس کے حوالے کر دیں گے یا ان کو قتل کر دیں گے۔

معاویہ نے بھی اصل خطوط امامؑ کے پاس بھیج دیئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ کس

---

(۱) اسد الغابہ، فی معرفۃ الصحابہ: ابن اثیر، ج۔۲ ص۔۱۳۔۱۴/الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج۔۳ ص۔۲۰۶/ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج۔۲۱ ص۔۴۴/تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، منشورات المطبعۃ الحیدریۃ نجف، ۱۳۸۳ھ ص۔۱۹۹

طرح ایسے افراد پر بھروسہ کر کے وہ اس سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوئے ہیں؟(۱)

خیانت کار سپہ سالار

امام حسنؑ نے جب معاویہ سے جنگ کرنے کے ارادے سے کوفہ کو چھوڑا تو ''عبداللہ بن عباس'' کو بارہ ہزار افراد پر مشتمل فوج کے ساتھ ہراول دستے کے عنوان سے بھیجا اور ''قیس بن سعد'' اور سعد بن قیس'' کو کہ جو دونوں آپ کے بزرگ صحابیوں میں سے تھے ان کے جانشین اور مشیر کے عنوان سے معین کیا تاکہ اگر ان تین افراد میں سے کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اسی ترتیب سے دوسرا اس کی جگہ لے لے۔

حضرت امام حسنؑ نے فوج کی پیش رفت کا راستہ معین کیا اور یہ حکم دیا کہ جس جگہ پر بھی معاویہ کی فوج کو پالیں ان کو آگے بڑھنے سے روکیں اور فوراً واقعہ کے متعلق امامؑ کو خبر دیں تاکہ امام اصلی فوج کے ساتھ فوراً ان سے ملحق ہو جائیں۔(۲)

''عبیداللہ'' نے اپنی ماتحت فرمان فوج کو آگے بڑھایا اور ''مسکن'' نام کے ایک مقام پر معاویہ کی فوج کا سامنا ہوا اور وہیں پر انھوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ امامؑ کو خبر ملی کی ''عبیداللہ'' معاویہ سے ایک ملین درہم لے کر راتوں رات آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ معاویہ سے مل گئے ہیں۔(۳)

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص۔۱۹۱ امامؑ کا وہ جملہ کہ جو آپ نے ایک شیعہ کے جواب میں فرمایا تھا اس مطلب کی تائید کرتا ہے کہ جب اس نے آپ سے سوال کیا کہ کیوں آپ نے جنگ کرنے سے ہاتھ روک لیا؟ تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر میں معاویہ کے ساتھ جنگ کرتا تو لوگ مجھے معاویہ کے حوالے کر دیتے۔(بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج۔۴۴ص۔۲۰)

(۲) مقاتل الطالبین: ابوالفرج الاصفہانی، ص۔۴۰

(۳) عبیداللہ کے دو بیٹے معاویہ کے ایک خونخوار، فوجی سردار ''بسر بن ارطاۃ'' کے ہاتھوں مارے گئے.........

ظاہر ہے کہ ایسے بحرانی حالات میں اس سپہ سالار کی خیانت فوج کی ہمت کو کمزور کرنے اور امامؑ کی فوجی قوت کو متزلزل کرنے کے لئے کس قدر موثر تھی۔ لیکن اس کے باوجود قیس بن سعد نے، جو ایک بہادر مومن اور امیر المومنینؑ کے خاندان کے بہت زیادہ وفادار انسان تھے۔ امام حسنؑ کے حکم کے مطابق فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھوں میں لے لی اور پرجوش تقریروں کے ذریعہ فوجیوں کی ہمت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ معاویہ نے بھی ان کو پیسوں کے ذریعہ سے دھوکا دینا چاہا لیکن قیس نے دھوکا نہیں کھایا اور پہلے کی طرح دشمنان اسلام کے مقابلہ میں پائداری کا مظاہرہ کیا۔(۱)

خطرناک سازشیں

معاویہ نے صرف عبیداللہ کے خریدنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امامؑ کی فوج کے درمیان شگاف اور اختلاف پیدا کرنے کی غرض سے اپنے زرخرید جاسوسوں اور نوکروں کے ذریعہ سے امامؑ کی فوج میں یہ افواہیں پھیلائیں کہ قیس بن سعد (ہراول دستہ کے سپہ سالار) بھی معاویہ سے مل گئے ہیں اور قیس کی فوج کے درمیان بھی یہ افواہیں پھیلائیں کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ معاویہ نے چند ایسے پُرفریب افراد کو کہ جو لوگوں کے درمیان موردِ اعتماد تھے امام حسنؑ کے پاس بھیجا ان افراد نے مدائن میں جہاں امامؑ کی فوج کے خیمے نصب تھے امامؑ سے ملاقات کی اور امامؑ کے خیمہ

......(شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیہ ۱۹۶۱ء ج۔۲ ص۔۱۴)

بناء پر کہ معاویہ اس کے بیٹوں کا اصلی قاتل ہے اس بات کا امکان تھا اور وہ اس برے اور ذلت آمیز عمل سے باز رہے۔ لیکن اس ست اور نااہل شخص نے معاویہ سے مل کر امام حسنؑ کی فوج میں انتشار پیدا کر دیا اور بہت بڑی خیانت کا مرتکب ہوا۔ لہٰذا کم از کم اس

(۱) مقاتل الطالبین: ابوالفرج الاصفہانی ص۔۴۲ / تاریخ یعقوبی: ابن واضح، نجف، منشورات المکتبۃ الحیدریہ ۱۳۸۴ھ ج۔۲ ص۔۲۰۴

سے نکل کر لوگوں کے درمیان اعلان کرنے لگے:

''خدا نے پیغمبر اکرم کے فرزند کے ذریعہ سے فتنہ کو سُلا دیا اور جنگ کی آگ کو بجھا دیا اور لوگوں کا خون بہنے سے بچالیا۔''

وہ لوگ جو ان کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے انھوں نے تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان کی باتوں پر یقین کرلیا اور امامؑ کے خلاف بغاوت کردی اور آپ کے خیمہ پر حملہ کردیا اور جو کچھ بھی خیمہ میں موجود تھا اسے لوٹ لیا اور امامؑ کو قتل کرنے کی فکر میں لگ گئے اور پھر چاروں طرف متفرق ہو گئے۔(۱)

مشہور مورخ طبری کہتا ہے: امام حسنؑ اس وقت صلح کرنے کے لئے تیار ہو گئے کہ جب ان کے ساتھی ان کے پاس سے متفرق ہو گئے اور ان کو تنہا چھوڑ دیا۔(۲)

امام حسنؑ فرماتے تھے: ''میں نے صرف اس بناء پر حکومت اور خلافت کو معاویہ کے سپرد کر دیا کیوں کہ اس سے جنگ کرنے کے لئے میرے پاس ساتھی نہیں تھے اور اگر میرے پاس ساتھی ہوتے تو دن و رات اس سے جنگ کرتا یہاں تک کہ کام یکسو ہو جاتا۔(۳)

(۱) تاریخ یعقوبی، ابن واضح ج۲ص۔۲۰۵ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ امامؑ کی فوج مختلف گروہوں سے تشکیل پائی تھی کہ جس میں بعض خوارج سے تعلق رکھتے تھے اور بعض سود اور فائدے کی تلاش میں تھے اور دنیا پرست تھے لہذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ وہ امامؑ کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور آپ کے خیمہ اور دوسرے سفر کے ضروری سامان کو لوٹ لیں اور اسی وقت بعض افراد یہ فریاد بلند کریں: اس شخص نے ہمیں معاویہ کے ہاتھوں بیچ دیا اور مسلمانوں کو ذلیل کر دیا!!

(۲) تاریخ الامم والملوک، ج۔۶ ص۔۹۲

(۳) بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۔۴۴ ص۔۱۴۷
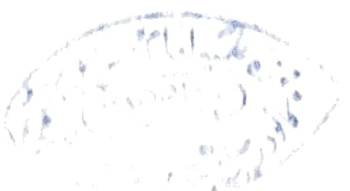
صلح نامہ کی عبارت

اگرچہ تاریخ کی کتابوں میں صلح نامہ کی عبارت مکمل اور ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں ہوئی ہے بلکہ تمام مورخین نے اس کے چند نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن مختلف کتابوں سے اس کے متفرق مطالب کو جمع کر کے تقریباً کامل صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جسے پانچ نکتوں میں اس طرح خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

پہلا بند: حسن بن علی حکومت اور خلافت کو اس شرط کے ساتھ معاویہ کے سپرد کرتے ہیں کہ معاویہ قرآن مجید کے حکم اور پیغمبر اکرم کی روش کے مطابق عمل کرے۔

دوسرا بند: معاویہ کے بعد خلافت حسنؑ بن علیؑ کے اختیار میں ہوگی اور اگر ان کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو حسین بن علیؑ مسلمانوں کے امور کی لگام اپنے ہاتھوں میں لیں گے۔ اور معاویہ کو اس بات کا حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی کو اپنا جانشین منتخب کرے۔

تیسرا بند: امیرالمومنینؑ کو برا بھلا کہنے اور آپ کی توہین کرنے کی اور نماز کے دوران آپ پر لعنت کی بدعت روکی جائے اور علیؑ کو صرف اچھائیوں کے ذریعہ یاد کیا جائے۔

چوتھا بند: مبلغ پانچ ملین درہم جو کوفہ کے بیت المال میں موجود ہیں وہ معاویہ کو حکومت حوالے کرنے کے مسئلے سے مستثنیٰ ہیں اور وہ امام حسنؑ کے زیر نگرانی خرچ کیے جائیں گے۔

نیز معاویہ کے لئے لازم ہے کہ عہدوں کی تعیین اور مال کے مصرف کی راہ میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دے۔ اسی طرح سے معاویہ کے لئے ضروری ہے کہ "دارابگرد" کے

ٹیکس سے ایک ملین درہم جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی رکاب میں شہید ہونے والوں کے ورثاء کے درمیان تقسیم کرے۔ (۱)

پانچواں بند: معاویہ اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ تمام لوگ خواہ وہ شام، عراق اور حجاز کے رہنے والے ہوں اور کسی بھی نسل سے ہوں اس کے ظلم وستم سے امان میں ہوں گے اور ان کے ماضی سے صرف نظر کرے گا۔ اور ان میں سے کسی کو بھی ماضی میں معاویہ کی حکومت کے خلاف کاوشوں کی وجہ سے سزا نہیں دے گا۔

بالخصوص عراق کے لوگوں کو ماضی کے کینوں کی وجہ سے اذیت نہیں پہنچائے گا۔ اس کے علاوہ علیؑ کے تمام اصحاب کو خواہ وہ جس جگہ پر بھی ہوں امان دے گا ان میں سے کسی کو بھی تکلیف نہیں دے گا۔ اور علیؑ کے شیعوں کی جان مال عزت وآبرو محفوظ ہوگی اور کسی بھی وجہ سے ان کو سزا نہیں دی جائے گی اور ان کو چھوٹی سی مشکل بھی نہیں ہونی چاہیے ہر شخص کا حق اس کو ملنا چاہیے اور بیت المال سے ملا ہوا مال جو شیعوں کے پاس ہے وہ ان سے واپس نہیں لیا جائے گا۔

اس کے علاوہ معاویہ کی طرف حسنؑ بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ بن علیؑ اور خاندان

---

(۱) ''دارابگرد'' فارس کے پانچ شہروں میں سے تھا (لغت نامۂ دہ خدا، لغت دارابجرد) دارابگرد کے ٹیکس کے انتخاب کی علت شاید یہ رہی ہو چونکہ یہ شہر تاریخی مدارک کے مطابق بغیر جنگ کئے ہوئے اسلام کی فوج کے سامنے تسلیم ہوگیا تھا اور اس کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا پیمان باندھا تھا اور اس کا ٹیکس قوانین اسلام کے مطابق پیغمبر اکرمؐ آپ کے خاندان، نیز یتیموں، فقیروں اور سفر کی حالت میں محتاج ہوجانے والوں سے مخصوص تھا۔ اسی بناء پر امام حسنؑ نے یہ شرط کی کہ اس شہر کا ٹیکس جنگ جمل اور جنگ صفین کے شہیدوں کے پسماندگان کے درمیان تقسیم کیا جائے چونکہ اس شہر کی درآمد خود آنحضرتؐ سے مخصوص تھی اس کے علاوہ ان دو جنگوں کے شہیدوں کے نیازمند پسماندگان کی جو بغیر سرپرست کے تھے وہ بھی اس ٹیکس کے مصرف کے موارد میں سے ایک تھے۔ (بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج۔۴۴ص۔۱۰)

پیغمبرؑ کی کسی بھی فرد کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہونا چاہیے اور کسی بھی مقام پر ان کے لئے خوف کے اسباب فراہم نہ ہونا چاہیے۔

معاہدے کے آخر میں معاویہ نے تاکید کے ساتھ یہ عہد کیا کہ صلح نامہ کے تمام نکتوں کو محترم سمجھتا ہے اور دقت کے ساتھ ان کو نافذ کرے گا اور اس نے خدا کو اس مسئلہ پر گواہ قرار دیا اور شام کے تمام بزرگوں اور شخصیتوں نے بھی اس مسئلہ پر گواہی دی۔(۱)

صلح معاویہ کے مقاصد

دنیا کے بزرگ اور حکمراں افراد جس وقت حالات اور شرائط کو اپنے مقاصد اور نظریات کے برخلاف پاتے ہیں تو ایسے مقامات پر کہ جہاں وہ اپنے کو دوراہے پر پاتے تھے ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ دوراہوں میں سے اس راہ کو اختیار کریں کہ جس کے نقصانات نسبتاً کم ہوں اور سیاسی اور اجتماعی محاسبوں میں یہ ایک بنیادی قانون ہے۔

امام حسنؑ مجتبیٰ بھی اسی معقول رویّے کی بنیاد پر اس بات کی کوشش کرر ہے تھے کہ جس حد تک ممکن ہو اپنے بلند مقاصد کو نسبتاً محفوظ کرلیں۔اسی وجہ سے جب امامؑ معاویہ سے صلح کرنے پر مجبور ہوگئے تو پہلے نکتے کے مطابق انھوں نے اس شرط پر حکومت کو اس کے حوالے کیا کہ جامعہ اسلامی کے امور کو چلانے میں صرف قرآن مجید اور پیغمبر اکرمؐ کی روش کے مطابق عمل کرے۔ بدیہی ہے کہ امامؑ کی نظر صرف اقتدار حاصل کرنے اور اسلامی حکومت کو تشکیل دینے پر نہیں تھی بلکہ ان کا اصل مقصد معاشرہ میں اسلامی قوانین کی حفاظت اور انہیں قانونوں کی بنیاد پر رہبری کا ہونا تھا اور اگر یہ روش معاویہ کے ذریعہ عمل میں آجاتی تب بھی ایک حد تک اصلی مقصد کی حفاظت ہوجاتی۔اس کے علاوہ دوسرے

---

(۱) صلح کے معاہدے کے متعلق مزید معلومات کے لئے کتاب ''صلح الحسن'' تالیف شیخ راضی آل یٰسین ص۔۲۵۹۔۲۶۱ کا مطالعہ کیجیے۔

نتیجے کے مطابق معاویہ کے مرنے کے بعد حسن بن علیؑ آزادی کے ساتھ جامعہ اسلامی کی رہبری اپنے ہاتھ میں لے سکتے اور اس بات کے پیش نظر معاویہ امام حسنؑ سے تقریبا ۳۰ رسال بڑا تھا(۱)اور ان دنوں وہ ضعیفی کے دن گزار رہا تھا اور معمول کے مطابق یہ امید بہت زیادہ تھی کہ اس کی زندگی اب بہت زیادہ باقی نہیں رہ گئی ہے۔

لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر معمول کے مطابق حساب کیا جائے تو یہ شرط کس حد تک اسلام اور مسلمین کے فائدے میں تھی۔ معاہدے کے بقیہ بھی نکتے بھی بہت زیادہ اہمیت کے حامل تھے کیوں کہ ایسے حالات میں کہ جہاں امیر المومنینؑ کو نماز جمعہ اور روزانہ کی نماز کی حالت میں بغیر کسی لحاظ کے گالیاں دی جاتی تھیں اور یہ عمل ایک ایسی بدعت کی صورت اختیار کر چکا تھا کہ جس نے جڑیں پیدا کر لی ہوں اور ہر جگہ مولائے کائنات کے شیعوں، آپ کے چاہنے والوں اور پیغمبر اکرمؐ کے خاندان کے افراد کو دھمکیوں، تکلیفوں اور شکنجوں کا سامنا تھا۔ معاویہ کی طرف سے ایسے معاہدوں کو قبول کروالینا قابل انکار اہمیت کا حامل تھا۔

اور اگر معاویہ ان معاہدوں پر عمل نہ کرتا تو اس کا فائدہ یہ تھا کہ عام لوگوں کی فکریں بیدار ہو جاتیں اور لوگ اس گندی حقیقت کو سمجھ لیتے جیسا کہ ایسا ہی ہوا اور اس بیداری نے قیام اور تحریک کے لیے زمین فراہم کی اور بعد میں یہی قیام امام حسینؑ کا رہبر ہوا۔

صلح امام حسن علیہ السلام اور قیام امام حسین علیہ السلام کے عوامل

یہاں پر اس سوال کا جواب دینا ہے کہ امام حسنؑ نے کیوں صلح کی اور امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا؟ اگر صلح کرنا صحیح تھا تو امام حسینؑ نے کیوں یزید سے صلح نہیں کی؟ اور اگر جنگ ہی کرنا تھا تو امام حسنؑ نے کیوں جنگ نہیں کی؟

---

(۱) صلح الحسن: شیخ راضی آل یاسین، ص ۲۷۸

اس سوال کے جواب کو ان دونوں بزرگ اماموں کے دور کے مختلف حالات وشرائط اور معاویہ اور یزید کی شخصیت اور ان کے طرز رفتار میں تلاش کرنا چاہیے۔

معاویہ اپنی حکومت کے دور میں مختلف حیلوں اور لوگوں کو فریب دینے والی سیاستوں کے ذریعہ سے ہمیشہ سے اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اپنی حکومت کو اسلامی اور شرعی رنگ دے اور وہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ عام لوگوں کی افکار اس کے اسلامی سیاست کے صحیح راستہ سے منحرف ہونے کو نہ سمجھ سکیں۔ اگر چہ معاویہ نے عملاً اسلام میں تحریف کی اور اموی تشریفاتی حکومت کو اسلام کی سادی اور بے آرائش خلافت کی جگہ پر لے آیا اور اسلامی جامعہ کو ایک غیر اسلامی جامعہ میں بدل کے رکھ دیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ دین داری کا اظہار کرتا تھا اور اس کے دربار میں بعض اسلامی قوانین کی رعایت کی جاتی تھی اور جامعہ کے ظاہری اسلامی رنگ کو بدلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، وہ اچھی طرح سے اس بات کو سمجھتا تھا کہ چونکہ وہ دین اور خلافت اسلامی کے نام پر لوگوں پر حکومت کر رہا ہے لہٰذا اسے کھلم کھلا ایسے کام نہیں کرنا چاہیے کہ جس کی بناء پر لوگ اسے دین سے برسر جنگ سمجھیں۔ وہی دین کہ جس کے نام سے وہ ان پر حکومت کر رہا ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے افعال کو دینی رنگ دیتا تھا تا کہ اس کے منصب سے سازگار رہ سکیں اور ایسے کام کہ جن کی توجیہ اور تفسیر دینی اصولوں کے مطابق نہیں کر سکتا تھا وہ انہیں چھپ کر انجام دیتا تھا۔ اس طریقہ سے اس نے عمومی افکار کو دھوکے میں رکھا تھا اور صرف جامعہ کے چنے ہوئے افراد اور اسلام کی بزرگ شخصیتیں ہی اس کی غیر اسلامی سیاست کی طرف متوجہ تھیں۔ اس کے علاوہ معاویہ مختلف امور کو حل کرنے اور مشکلات سے مقابلہ کرنے میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا اور مشکلات کو خاص طریقوں سے حل کرتا تھا جب کہ اس کے بیٹے یزید میں اس قسم کی مہارت نہیں تھی اور یہی دونوں امر معاویہ کے دور میں قیام کی کامیابی اور شہادت کے

[illegible] ہو سکے کیونکہ [illegible] تھے کیوں کہ ان حالات میں عام لوگوں کی فکریں بنی امیہ کے خلاف قیام اور انقلاب کے متعلق صحیح فیصلہ نہیں کر پاتی اور بنی امیہ کی حکومت کے خلاف لوگوں میں نفرت کی لہر نہیں پیدا ہوتی تھی کہ اس وقت تک لوگوں کی فکریں اس بات سے نا آشنا تھیں کہ معاویہ کس حد تک اسلام سے منحرف ہو چکا ہے اور اسی بنا پر ناواقف افراد امام حسنؑ کی معاویہ سے جنگ کو زیادہ تر ایک سیاسی اختلاف اور اقتدار و حکومت کے لئے مقابلہ شمار کرتے تھے نہ کہ باطل کے مقابلے میں حق کا قیام!

ایسے حالات میں تحریک کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی راہ میں شہادت مددگار ثابت نہ ہوتی بلکہ اس کے بارے میں عام لوگوں کی فکریں مشتبہ ہو جاتیں اور حقیقت گم ہو جاتی۔

اس کے علاوہ یہ بھی اس صورت میں ہوتا کہ جب امام شہید کر دیے جاتے جب کہ بہت سے تاریخی قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شکست کی صورت میں امام ایک فاتح کی شکل میں شہید نہیں کیے جاتے بلکہ ان کو اسیر کر کے معاویہ کے حوالے کیا جاتا اور اس وقت ان کو نامعلوم طریقہ سے درمیان سے اٹھا دیا جاتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

ہمارے تیسرے امام تیسری (یا چوتھی) شعبان ۴ھ کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے آپ پیغمبر اسلامؐ کی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ کے دوسرے فرزند تھے۔

امام حسینؑ اپنی پوری زندگی میں شجاعت، آزادی اور ظلم وستم کے مقابلے میں قیام کے لئے مشہور تھے۔

امام حسینؑ کی زندگی کے مراحل

امام حسینؑ نے اپنی زندگی کے چھ سال اپنے جد بزرگوار کے دور میں گزارے اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ۳۰ سال کی مدت اپنے والد بزرگوار امیر المومنینؑ کے زیر سایہ رہے اور آپ کی خلافت کے دور میں پیش آنے والے اہم واقعات میں امام حسینؑ کی سرگرم شرکت رہی۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کی شہادت (۴۰ھ) کے بعد دس سال تک اجتماعی اور سیاسی میدان میں اپنے بڑے بھائی امام حسن مجتبیٰ کے شانہ بہ شانہ رہے۔ امام حسنؑ کی شہادت (۵۰ھ) کے بعد دس سال معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کے دور عروج تک معاویہ اور اس کے غلط اقدام کی مخالفت کی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یزید کی

حکومت کے مقابلے میں قیام بھی کیا اور ماہ محرم (۶۱ھ) میں سرزمین کربلا پر شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ امام حسینؑ کی زندگی کا آخری حصہ یعنی آپ کی امامت کا دور آپ کی زندگی کے سب سے اہم حصوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کتاب میں ہم زیادہ تر اسی دور کے بارے میں بحث کریں گے۔

امامت سے قبل آپ کے ٹکراؤ

حسینؑ ابن علیؑ اپنی نوجوانی کے دور سے ہی جو حکومت اسلامی کے اصلی راستے سے انحراف کا شاہد تھا، اپنے والد ماجد کے سیاسی مواقف کی حمایت اور پیروی کرتے تھے۔ جیسا کہ عمر بن خطاب کی خلافت کے دور میں ایک دن آپ مسجد میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ عمر منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اس منظر کو دیکھتے ہی منبر کے اوپر تشریف لے گئے اور عمر سے کہا میرے باپ کے منبر سے نیچے اتریئے اور اپنے باپ کے منبر پر جایئے عمر نے، جن کا چہرہ بگڑ چکا تھا کہا: میرے باپ کے پاس منبر نہیں تھا پھر آپ کو اپنی گود میں بٹھالیا اور منبر سے اترنے کے بعد آپ کو اپنے گھر لے آئے اور پوچھا کہ یہ بات آپ کو کس نے سکھائی ہے؟ آپ نے جواب دیا: کسی نے بھی نہیں! (۱)

ناکثین اور قاسطین سے جنگ

حسینؑ بن علیؑ اپنے والد امیرالمومنینؑ کی خلافت کے دور میں فوجی اور سیاسی میدانوں میں آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور ان تینوں جنگوں میں جو اس دوران آپ کے والد ماجد کے درپیش ہوئیں سرگرمی کے ساتھ شرکت کی۔ (۲) جنگ جمل میں امیرالمومنین

---

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر العسقلانی، ج۔ا ص۔۳۳۳ / تاریخ دمشق: حافظ ابن عساکر، (امام حسینؑ کے حال سے متعلق جلد میں) تحقیق: شیخ محمد باقر محمودی، موسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر بیروت، ۱۳۹۸ھ ص۔۱۴۱

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر العسقلانی، ج،ا ص،۳۳۳

کی فوج کے بائیں بازو کی کمان آپ کے پاس تھی۔(۱)

اور جنگ صفین میں خواہ اپنی پر جوش تقریروں سے مولائے کائنات کے اصحاب کو اس جنگ میں شرکت کرنے کے لئے تشویق دلانے کے ذریعہ چاہے قاسطین کے ساتھ جنگ کر کے ایک سرگرم مقام رکھتے تھے۔(۲) تحکیم کے واقعہ میں بھی حضرت علیؑ کی طرف سے ایک گواہ تھے۔(۳)

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اپنے بڑے بھائی وقت کے پیشوا اور امام حضرت حسن بن علی علیہما السلام کے شانہ بہ شانہ رہے اور امامؑ کی فوج کے انتظام اور شام کی طرف کوچ کرنے کے وقت فوج کے ساتھ ساتھ تھے۔

اور جس وقت معاویہ نے امام حسنؑ کو صلح کی پیش کش کی امام حسنؑ نے آپ کو اور عبداللہ ابن جعفر کو بلایا اور اس تجویز کے متعلق آپ نے دونوں سے گفتگو کی(۴) اور آخر کار جنگ نہ کرنے اور صلح کے معاہدے کے بعد اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ مدینہ واپس آگئے اور وہیں مقیم رہے۔(۵)

آپ کی امامت کے دور میں اجتماعی وسیاسی حالات

اسلام کے اصول وقوانین سے انحراف جس کی ابتداء سقیفہ سے ہوئی تھی اور حضرت عثمان کے دور میں اور وسعت ملی امام حسینؑ کے دور میں عروج پر پہنچ گیا۔

---

(۱) تاریخ دمشق: حافظ ابن عساکر، ص۔۱۶۴

(۲) وقعۃ صفین: نصر بن مزاحم، صفحات ۱۱۴، ۲۴۹، ۵۳۰

(۳) وقعۃ صفین: نصر بن مزاحم، ص۔۵۰۷

(۴) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج۔۳ ص۔۴۰۵

(۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر العسقلانی، ج۔۱ ص۔[illegible]

اس زمانے میں معاویہ نے جو برسوں سے دوسرے اور تیسرے خلیفہ کی طرف سے شام کے گورنر کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا اور اس نے اپنی حالت پوری طرح سے مستحکم کر لی تھی۔ خلیفۃ المسلمین کے نام کے سہارے اسلامی مملکت کی تقدیر کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسلام مخالف جماعت بنی امیہ کو امت مسلمہ پر مسلط کر دیا اور زیاد بن ابیہ، عمرو عاص اور سمرۃ بن جندب جیسے ستم گر اور لٹیرے حکام کی مدد سے ایک جابرانہ حکومت تشکیل دے کر اسلام کے چہرے کو بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔ ایک طرف تو معاویہ آزاد اور سچے مسلمانوں پر سیاسی اور اقتصادی تنگی لادنے کی سیاست اپناتا تھا اور قتل، شکنجوں، آزار واذیت اور فقیری و بھکمری کو ان پر مسلط کر کے ہر قسم کے اعتراض، جنبش اور مخالفت کی روک تھام کر دی تھی۔ اور دوسری طرف مختلف قبیلوں کے درمیان نسلی امتیاز اور قبائلی رقابتوں میں جان ڈال کے ان کو ایک دوسرے سے لڑواتا تھا اور اس طرح ان کی طاقت کو کمزور کر دیتا تھا تاکہ ان کی جانب سے اس کی حکومت کے لئے کوئی خطرہ نمودار نہ ہو۔

اس کے علاوہ تیسری طرف وہ اپنے خریدے ہوئے عمال کی مدد سے، حدیثیں گڑھ کر اور آیات قرآنی کی اپنے فائدے کے لئے تفسیر و تاویل کر کے عام لوگوں کے افکار کو آلودہ کر کے اپنی حکومت کو مشروع اور مقبول چہرہ بخشتا تھا۔

یہ اسلام مخالف سیاست دوسرے عوامل کے اضافے سے جیسے فرقۂ باطل جبریہ، مرجۂ کی ترویج سے جو عقیدہ کے لحاظ سے معاویہ کی سیاست سے میل کھاتے تھے اس کے علاوہ دوسرے بہت سے منحوس آثار اور مرگ ماری کے ذریعہ تلخ اور ذلت آمیز سکوت کو جامعہ پر مسلط کر دیا۔

اس بری سیاست کے نتیجہ میں جامعۂ اسلامی کی شخصیت مسخ اور قدریں دگرگوں ہو گئیں۔ اس طریقہ سے کہ مسلمان اس بات کو جانتے ہوئے کہ اسلام کبھی بھی ان کو اس

بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ ایسے ظالم حکمرانوں کی اطاعت کریں جو یہاں سے نام پر ان کے اوپر حکومت کرتے ہیں اپنی کمزوری خوف اور نااہلیت کی بناء پر حکمرانوں کی حمایت کرتے ہیں۔ اس سیاست کے نتیجہ میں مسلمان قرآن مجید کی اخلاق اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے برخلاف، ڈرپوک، چالباز اور منافق افراد بن گئے تھے۔

معاویہ کے دور میں قیام کے موانع

معاویہ کے دوران حکومت ان بدترین اور دھماکہ خیز حالات کے باوجود مختلف اسباب کے باعث اس زمانے میں قیام کرنا اور مسلح انقلاب نہ مفید ہی تھا اور نہ ممکن ہی۔

معاویہ کے دور میں امام حسینؑ کے قیام اور انقلاب کے موانع میں سے سب سے اہم ذیل میں ذکر ہونے والے دو اسباب شمار کئے جاتے ہیں

ا۔ امام حسنؑ کے معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ

اگر حسینؑ بن علیؑ معاویہ کے دور میں قیام کرتے تو معاویہ اس صلح کے معاہدے سے فائدہ اٹھا کر جو امام حسنؑ کے ساتھ انجام پایا تھا اور امام حسینؑ نے بھی جس کی تائید کی تھی آپ کو متہم قرار دے سکتا تھا۔ کیونکہ یہ بات بھی لوگ جانتے تھے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے کہ جب تک معاویہ زندہ رہے گا وہ خاموش رہیں گے اور اس کی حکومت کو تسلیم کریں گے اب اگر امام حسینؑ معاویہ کے خلاف قیام کرتے تو اس بات کا امکان تھا کہ معاویہ آپ کو ایک فرصت طلب، اور عہد شکن شخص قرار دیتا۔

البتہ ہم جانتے ہیں کہ امام حسینؑ معاویہ کے ساتھ اپنے معاہدے اور پیمان کو لازم الوفا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ معاہدہ آزادی، رغبت اور اختیار کے ساتھ نہیں انجام پایا تھا بلکہ ایسا معاہدہ تھا کہ جو ایسے حالات میں کہ جب بحث وگفتگو کا کوئی فائدہ نہیں تھا دباؤ اور

مجبوری کی بناء پر انجام پایا تھا۔ اس کے علاوہ خود معاویہ نے بھی اس کو توڑا تھا اور اس کے
مطابق عمل نہیں کیا تھا، وہ اسے محترم نہیں سمجھتا تھا اور اس کی رعایت اپنے اوپر لازم
ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ اس بناء پر اگر ایسا عہد و پیمان اصل میں صحیح اور معتبر ہی کیوں نہ ہو پھر
بھی امام حسینؑ اس کے پابند نہ تھے کیونکہ خود معاویہ نے اسے روند ڈالا تھا اور اس کی خلاف
ورزی میں کسی قسم کی کوشش باقی نہیں رکھی تھی۔ لیکن بہر حال صلح کا معاہدہ امام حسینؑ ممکنہ قیام
کے مقابلہ میں معاویہ کا تبلیغی دستاویز بن سکتا تھا۔

دوسری طرف یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آپ کے ممکنہ قیام کے متعلق اجتماع اور معاشرہ کیا
فیصلہ کر رہا تھا۔ واضح ہے کہ امام حسینؑ کے زمانے کا اجتماع جیسا کہ امام حسنؑ کی صلح کے
اسباب میں بیان کیا گیا ایک ایسا اجتماع تھا کہ جو قیام اور انقلاب کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا اور
جہاد کی تلوار کو عافیت کے پانی سے دھو چکا تھا۔ فطری طور پر ایسا اجتماع اپنی عافیت طلبی کی یہ
کہہ کر توجیہ کرتا کہ امام حسینؑ نے معاویہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے لہٰذا اسے وفا کرنا چاہئے۔

لہٰذا اگر امام حسینؑ معاویہ کے دور میں مسلح قیام فرماتے تو معاویہ اس کو ایک بے دلیل
اور معاہدۂ صلح کے برخلاف شورش کے نام سے لوگوں کے درمیان پہچنواتا۔ اور جیسا کہ کہا
گیا کہ اس دور کا سماج ایسا سماج تھا کہ جو قیام اور انقلاب برپا کرنے کا حوصلہ رکھتا ہی نہ تھا
فطری طور پر معاویہ کی منطق کی حمایت کرتا۔

۲۔ معاویہ کی دکھاوے کی دینداری

یزید کے دور میں امام حسینؑ کا قیام اس قدر پر شور اور ہیجان انگیز تھا کہ ابھی تک اس کی
یادیں لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صدیاں گذر جانے کے بعد
بھی ابھی لوگ شہدائے کربلا کو اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیتے ہیں فداکار اور فاتح ظاہر کرنے
میں ان سے الہام حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اگر امام حسینؑ معاویہ کے زمانے میں قیام کرتے

تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ آپ کا قیام اتنا زیادہ پرشور اور انقلاب آور نہ ہوتا۔

اس مطلب کا بھید سمجھنا ہے تو ہمیں معاویہ کے نفوذ، شیطنت اور اس کی بازیگری نیز مشکلات حل کرنے میں اس کی خاص روش کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اگر چہ معاویہ نے عملاً اسلام میں تحریف کر کے اسلام کی سادی اور بے آرائش خلافت کی جگہ اشرافی اموی حکومت بناڈالا تھا اور اسلامی جامعہ کو ایک غیر اسلامی جامعہ میں تبدیل کر دیا تھا لیکن وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ چونکہ وہ دین اور اسلامی خلافت کے نام پر حکومت کرر ہا ہے لہٰذا اسے ایسے کاموں میں مرتکب نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ اس کو دین سے جس کے نام پر وہ حکومت کرر ہا ہے۔ جنگ کے نام سے تعبیر کریں بلکہ اس بات کو ضروری سمجھتا تھا کہ ہمیشہ اپنے اعمال کو دینی رنگ دے تا کہ اس کے اعمال اس کے منصب سے ہم آہنگ ہوسکیں۔ اور وہ ایسے کاموں کو کہ جن کو شرعی رنگ نہیں دے سکتا تھا ان کو خلوت میں انجام دے۔ اسی بناء پر امام حسینؑ اگر اس کے دور میں ہتھیار بند قیام کرتے تو آسانی کے ساتھ آپ کے اس قیام کو عام لوگوں کے سامنے ایک سیاسی اختلاف اور حکومت واقتدار حاصل کرنے کی کشمکش کے نام سے تعبیر کر سکتا تھا بجائے اس کے کہ باطل کے مقابلہ میں حق کا قیام سمجھا جاتا!

معاویہ کی حکومت کے خلاف جدوجہد

لیکن ان تمام موانع میں سے کوئی بھی اس بات کا سبب نہیں بنا کہ امام حسینؑ معاویہ کی ایجاد کی ہوئی بے شمار بدعتوں اور اس کے ظلم وستم کے مقابلہ میں خاموش رہیں۔ بلکہ آپ نے ایسے گھٹن سے بھرے حالات میں کہ جب کسی شخص میں بھی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں تھی جتنا ہوسکتا تھا معاویہ کے مظالم کے مقابلہ میں جدوجہد اور مخالفت کی آواز بلند کی یہاں پر معاویہ کی حکومت کے خلاف امام حسینؑ کے مبارزوں میں سے تین کو بطور نمونہ پیش

کرتے ہیں:

۱۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت

معاویہ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کیا اور بڑی سعی بلیغ کے ساتھ لوگوں سے اس کے لئے بیعت لی لیکن امام حسینؑ نے اس کی بیعت نہیں کی۔ معاویہ نے وسیع پیمانہ پر اپنی کاوشیں جاری رکھتے ہوئے یزید کی ولی عہدی کو مستحکم کرنے کی غرض سے مدینہ کا سفر کیا تا کہ مدینہ کے لوگوں سے بالخصوص اس شہر کی بزرگ شخصیتوں سے کہ جن میں امام حسینؑ سرِ فہرست تھے یزید کے لئے بیعت لے سکے۔ اس نے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد حسینؑ ابن علیؑ اور عبداللہ بن عباس سے ملاقات کی اور گفتگو کے درمیان یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے اس بارے میں آپ حضرات کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کی حسینؑ بن علیؑ نے اس کی باتوں کے جواب میں ایک تمہید کے بعد اس طرح فرمایا:

"جو کچھ تم نے یزید کے کمالات اور امّت اسلامی کے امور سرانجام کے لئے اس کی لیاقت کے بارے میں کہا میں سمجھ گیا۔ تم نے یزید کی اس طرح ثنا وصفت بیان کی جیسے ایسے شخص کو پہچنوا رہے ہو کہ جس کی زندگی لوگوں سے پوشیدہ ہے یا ایسے غائب کے متعلق خبر دے رہے ہو کہ لوگوں نے اسے نہ دیکھا ہو فقط تم ہی علم واطلاع رکھتے ہو۔ نہیں ایسا نہیں ہے یزید نے اپنے کو پہچنوا دیا ہے اور اپنے باطن کو ظاہر کر دیا ہے تم بھی اس کو اسی طرح پہچنواؤ جیسا وہ ہے! یزید ایک کبوتر باز اور بوالہوس ہے کہ جس کی زندگی عیش وعشرت میں گزر رہی ہے۔"

یزید کی تعریف اس طرح سے بیان کرو اور ان بے نتیجہ کوششوں کو الگ کر دو۔ ابھی تک اس امت کے متعلق جتنے گناہ تم نے اپنی گردن پر لئے ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہیں

لہذا ایسا کام نہ کرو کہ پروردگار سے ملاقات کے وقت تمہارے گناہوں کا بوجھ اس سے بھی زیادہ بھاری ہو جائے۔(۱)

حج کے اجتماع عظیم میں باطل کو بے نقاب کر دینے والی تقریر

معاویہ کی موت سے ایک سال (یا دو سال) پہلے جب اس کی حکومت کی جانب سے شیعوں پر شدت اور تنگی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ امام حسینؑ حج سے مشرف ہوئے جب کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر بھی آپ کے ہمراہ تھے تو آپ نے صحابہ اور تابعین اور مسلمانوں میں سے ان بزرگ شخصیتوں کو جو پاکیزگی اور نیکی میں مشہور تھے نیز بنی ہاشم کے تمام لوگوں سے درخواست کی کہ وہ میدان منیٰ میں واقع آپ کے خیمے میں جمع ہوں تابعین میں سے تقریباً سات سو افراد اور صحابہ میں سے دو سو افراد آپ کے خیمہ میں جمع ہوئے اس وقت امامؑ کھڑے ہوئے اور اپنی زبان پر یہ کلمات جاری کئے:

''آپ سب نے دیکھ لیا کہ اس ستمگر اور پرفریب باتیں کرنے والے شخص نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ کیا کیا؟ میں یہاں پر آپ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرتا ہوں اگر وہ صحیح ہوں تو آپ ان کی تصدیق کریں اور اگر صحیح نہ ہوں تو آپ ان کی تکذیب کر دیں میرے کلمات سن لیجئے اور میری باتیں قلم بند کر لیجئے جب اپنے شہر اور قبیلوں میں واپس جائیں تو ان باتوں کو محل اعتماد و قابل اطمینان لوگوں کے سامنے رکھئے اور ان کو ہماری رہبری کی طرف دعوت دیجئے کیونکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ یہ موضوع (اہل بیتؑ کے ذریعہ امت کی رہبری) بھلا دیا جائے اور حق معدوم اور مغلوب ہو جائے''۔

پھر امامؑ نے اپنے والد امیر المومنینؑ اور خاندان امامت کی فضیلتوں اور ان کے

(۱) الامامۃ والسیاسۃ: ابن قتیبہ دینوری، ج۱، ص۱۸۴۔

درخشاں ماضی کو بیان کیا۔ اور معاویہ کی بدعتوں اس کے گناہوں اور اسلام مخالف حرکتوں کی وضاحت کی۔(۱) اور اس طرح سے معاویہ کی گندی حکومت کے خلاف ایک عظیم تبلیغی تحریک وجود میں لائے اور قیام کے لئے راہ ہموار کی۔(۲)

سرکاری اموال کی ضبطی

ایک سال یمن سے آنے والا ایک قافلہ جو اپنے ساتھ بیت المال کی کچھ مقدار لئے ہوئے تھا مدینہ سے ہو کر دمشق کی طرف جا رہا تھا۔ جب امام حسینؑ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس مال کو ضبط کر لیا اور بنی ہاشم کے نیز دوسرے محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد معاویہ کو اس طرح سے ایک خط لکھا:

''یمن کا ایک قافلہ یہاں سے گذر رہا تھا جو اپنے ساتھ کچھ مال اور کپڑے اور عطر تمھارے لئے لے کر جا رہا تھا تاکہ تم اس کو دمشق کے خزانے میں انڈیل دو اور اپنے قریبی افراد کہ جنہوں نے اپنی جیبوں اور پیٹوں کو بیت المال سے بھر رکھا ہے کو بخش دو۔ مجھے ان اموال کی ضرورت تھی اور ان کو میں نے ضبط کر لیا ہے، والسلام''!

معاویہ امامؑ کے اس اقدام سے بہت ناراض ہوا اور ایک سخت خط لکھا۔(۳)

بے شک امامؑ کا یہ اقدام معاویہ کی حکومت کو غیر قانونی ظاہر کرنے اور اس کی کھلی ہوئی

---

(۱) کتاب سلیم بن قیس الکوفی، ص ۲۰۶/ الاحتجاج: طبرسی، ص ۱۶۱/ الغدیر: علامہ عبدالحسین امینی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۷ھ ج ۱، ص ۱۹۸

(۲) حسن بن علی بن شعبہ، کہ جو چوتھی صدی کے عظیم دانشوروں میں سے تھے اپنی کتاب تحف العقول میں امامؑ کا ایک مفصل خطبہ نقل کرتے ہیں کہ جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کب اور کہاں دیا گیا لیکن قرائن اور خطبہ کے مطالب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے کہ جو امامؑ نے میدان منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ مزید اطلاع کے لئے مذکورہ کتاب میں ۲۳۷۔۲۳۹ کی طرف رجوع کریں۔

(۳) شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۱۸ ص ۴۰۹

مخالفت میں ایک واضح قدم شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس زمانے میں آنحضرت کے علاوہ کسی میں بھی ایسا کرنے کا دم نہ تھا۔

بنی امیہ کی جماعت کا مرکز اقتدار میں اثر ونفوذ

معاویہ کی حکومت کے ساتھ امام حسینؑ کی مخالفت کی جڑ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کی طرف توجہ رکھیں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی تقدیریں اور حکومت اسلامی بنی امیہ کی جاہل اور اسلام مخالف جماعت کے ہاتھوں میں پڑ گئی تھیں یہ جماعت رسول اکرمؐ سے برسوں جنگ کرنے کے بعد فتح مکہ کے وقت بظاہر اسلام لے آئی تھی لیکن اپنے کفر ونفاق کو پوشیدہ کر رکھا تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد بظاہر اسلامی قیافے کے ساتھ یہ جماعت اندرونی کوششوں میں مشغول ہوگئی اور آہستہ آہستہ اسلامی حکومت میں نفوذ حاصل کرنے کے بعد کلیدی امور اپنے ہاتھوں میں لے لئے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے ہاتھوں حکومت پر قبضہ حاصل کر کے اس جماعت کا اقتدار اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

اگر چہ اس جماعت کے سردار اور اہم اور اصلی کردار ادا کرنے والے اسلام کو اندر سے چوٹ پہنچانے اور نظام جاہلیت کو زندہ کرنے کے گندے مقاصد کو پوشیدہ رکھتے تھے لیکن ان کے اقدامات اور ان کے افعال ان کے اس مقصد کو بخوبی واضح کر دیتے تھے اور کبھی کبھی ایسی نشستوں میں کہ جہاں وہ اس بات کا گمان کرتے تھے کہ ان کی باتیں باہر تک نہیں جائیں گی وہاں پردہ اپنے مقاصد سے پردہ بھی اُٹھا دیتے تھے۔ جیسا کی جس دن عثمان (بنی امیہ کی نسل سے پہلا خلیفہ) کو حکومت ملی بنی امیہ کے افراد ان کے گھر میں جمع ہوئے اور دروازہ بند کر دیا تو ابوسفیان نے (کہ جو اس جماعت کا سربراہ تھا) کہا: تم لوگوں کے علاوہ یہاں پر کوئی اور تو موجود نہیں ہے؟ (اس دور میں ابوسفیان نابینا ہو چکا تھا) تو

لوگوں نے جواب دیا،نہیں پھر اس نے کہا:

''اب جب کہ اقتدار و حکومت تمہارے ہاتھوں میں آگئی ہے اس کو گیند کی طرح ایک دوسرے کی طرف پھینکو اور کوشش کرو کہ بنی امیہ کی نسل سے باہر نہ جانے پائے۔ میں اپنے عقیدے کے متعلق قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کسی قسم کا عذاب ہونے والا ہے اور نہ حساب نہ بہشت ہے نہ جہنم اور نہ ہی قیامت!(۱)

ایک دن یہی ابوسفیان عثمان کے دور حکومت میں احد کے مقام سے گذر رہا تھا تو اس نے ''حمزہ بن عبدالمطلب'' کی قبر پر لات مارتے ہوئے کہا: ''جس چیز کے لئے کل ہم تلوار لے کر تم سے جنگ کر رہے تھے وہ آج ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہے اور وہ اس سے کھیل رہے ہیں''۔(۲)

معاویہ کی اسلام مخالف حرکتیں

معاویہ بن ابوسفیان نے اپنے دور حکومت میں ''مغیرہ بن شعبہ'' (اپنے گورنروں میں سے ایک) سے بزم شبانہ میں اسلام کی نابودی کے لئے اپنی خواہش اس کے سامنے رکھی اور یہ بات مغیرہ کے بیٹے ''مطرّف'' کے ذریعہ فاش ہوگئی۔ مطرّف کہتا ہے: اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ دمشق میں معاویہ کا مہمان تھا میرا باپ معاویہ کے محل میں زیادہ آمد

....

(۱) شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۵۳ (شرح خطبہ ۱۳۹ نیز ج ۲ ص ۴۴-۴۵) ابوسفیان کی اس گفتگو کو ''ابن عبدالبر'' نے کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۸ھ ج ص ۸۷ پر اور تقی الدین مقریزی نے کتاب ''النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم'' مکتبۃ الاہرام، قاہرہ، ص ۳۱ پر اس فرق کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ ابوسفیان نے اس کلام کو عثمان سے مخاطب ہو کر کہا۔

ورفت رکھتا تھا اور اس سے باتیں کرتا تھا اور اپنی قیام گاہ پر آنے کے بعد اس کی عقل وسوجھ بوجھ کا ذکر کرتا تھا اور اس کی تعریف کرتا تھا لیکن ایک دن جب معاویہ کے محل سے واپس آیا تو بہت غمگین اور بے چین تھا اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی ایسا حادثہ پیش آ گیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے جب اس نے اس کی علت دریافت کی تو اس نے کہا میرے بیٹے: میں آج زمانے کے سب سے زیادہ نجس شخص کے پاس سے آرہا ہوں! میں نے کہا کیوں ہوا کیا؟ تو اس نے جواب دیا آج معاویہ کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر رہا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ اب جب کہ تم نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا ہے اور حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے لہٰذا کیا برا ہوگا اگر تم اپنی زندگی کے آخری ایام میں لوگوں کے ساتھ عدالت اور نیکی کا برتاؤ کرتے اور بنی ہاشم کے ساتھ اتنا برا سلوک نہ کرتے چونکہ بہر حال وہ تمہارے قرابت داروں میں سے ہیں اس کے علاوہ وہ اس وقت ایسی حالت میں بھی نہیں ہیں کہ ان کی طرف سے تمہاری حکومت کے لئے کوئی خطرہ پیش آ سکے۔؟

معاویہ نے جواب دیا: ''افسوس، افسوس، ابوبکر نے خلافت کی اور عدالت کو رواج دیا اور اس کے مرنے کے بعد صرف اس کا نام ہی باقی رہ گیا، عمر نے بھی دس سال تک خلافت کی اور بہت سی زحمتیں اٹھائیں لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے نام کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا اس کے بعد میرے بھائی عثمان نے (کہ جس کی شرافت کا کوئی دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا) نے حکومت کی لیکن ان کے مرنے کے ساتھ ہی ان کا نام بھی دفن ہو گیا لیکن عالم اسلام میں روزانہ پانچ مرتبہ اس ہاشمی مرد کے نام سے لوگ آواز بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ'' اب ایسے حالات میں (جب کہ ان تینوں کا نام مٹ چکا ہے اور محمدؐ کا نام باقی ہے) اس کے علاوہ دوسرا کون سا راستہ ہے کہ ان کا نام بھی مر کے دفن ہو جائے؟

معاویہ کی یہ باتیں جو واضح طور پر اس کے کفر کی پردہ دری کرتی ہیں جب راویان حدیث کے ذریعہ سے عباسی خلیفہ "مامون" کے کانوں تک پہنچیں تو اس نے اپنے ایک گشتی نامہ کے ذریعے حکم دیا کہ پورے ملک میں تمام لوگ معاویہ پر لعنت کریں۔

یہ باتیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ بنی امیہ کی جماعت کس طریقہ سے اسلام کی نابودی کے درپے تھی اور ایک رجعت پسندانہ تحریک کی رہبری کر رہی تھی؟

یزید اسلامی سماج کا کریہ چہرہ

یزید نے ایسے خاندان میں تربیت پائی اور ایسی جماعت کے زیر سایہ پروان چڑھا جو ذرہ برابر بھی دین اسلام پر عقیدہ نہیں رکھتے تھے پھر بھی اسلام کے نام پر لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک خام کار، شہوت پرست، اور خودسر جوان تھا اور احتیاط اور دوراندیشی سے محروم تھا وہ ایک بے خرد، بے باک، عیاش، اور کوتاہ فکر شخص تھا۔

یزید جو حکومت میں پہنچنے سے پہلے اپنی ہوا و ہوس کا اسیر اور حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کا پابند تھا وہ حکومت میں پہنچنے کے بعد کم از کم اپنے باپ کی طرح اسلام کے ظواہر کی بھی حفاظت نہ کر سکا۔ بلکہ اپنی لاپرواہی اور ہوسناک روح کے نتیجہ میں کھلم کھلا مقدسات اسلامی کو پاؤں تلے روندتا تھا اور اپنے خواہشات کی تسکین کے لئے وہ کچھ بھی کرگزرنے سے باز نہیں رہتا تھا، یزید کھلم کھلا شراب پیتا تھا اور برائیوں اور گناہوں کا اظہار کرتا تھا وہ جب رات کو نشستوں اور تشریفاتی صحبتوں میں بیٹھتا تھا اور شراب پینے میں مشغول ہوتا تھا تو بے باکی کے ساتھ ایسے اشعار پڑھتا تھا کہ جنکا مطلب یہ ہے:

"میرے ہم پیالہ دوستو! اٹھ کھڑے ہو اور خوش آواز مغنیوں کو سنو اور شراب کے پیالے کو پے در پے لنڈھاتے رہو اور علمی اور ادبی بحث و مباحثہ کنارے کر دو، ساز و آواز کے (ہوس انگیز) نغمے مجھے اذان اور اللہ اکبر کی آواز کو سننے سے روک دیتے ہیں اور میں

اس بات کے لئے تیار ہوں کہ جنت کی حوروں کو (کہ جو ادھار ہیں) شراب کے خم سے (کہ جو نقد ہیں) بدل لوں۔ (نقد مال ہمارا اور ادھار ان افراد کے لئے ہے جو قیامت کا عقیدہ رکھتے ہیں)۔(۱)

وہ اس جرأت کے ساتھ مقدسات اسلام کے ساتھ بدزبانی کرتا تھا! وہ صراحت کے ساتھ موضوع رسالت اور حضرت محمد مصطفیٰؐ پر وحی کے نازل ہونے کا انکار کرتا تھا اور اپنے دادا ابوسفیان کی طرح ان تمام باتوں کو ایک وہم و خیال سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا جیسا کہ امام حسینؑ پر ظاہری کامیابی کے بعد اس نے چند اشعار کے ضمن میں کہا ''بنی ہاشم نے حکومت کے ساتھ کھیل کھیلے ورنہ غیب سے نہ کوئی خبر آئی ہے اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے''

اس وقت اس نے اسلام کے ان سرداروں سے اپنے دیرینہ کینہ کو یاد کیا کہ جنہوں نے جنگ بدر میں اسلام کے پرچم تلے اس کے جیالوں کو تہہ تیغ کیا تھا اور امام حسینؑ کے قتل کو اس واقعہ کی تلافی اور (انتقام) کے نام سے یاد کیا اور کہا: ''کاش کہ میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے وہ آج زندہ ہوتے اور کہتے شاباش! یزید!(۲)

یزید کا دربار جو گناہوں اور برے کاموں کا اکھاڑا بن گیا تھا اس کے دربار کی بے دینی اور برائیوں کے اثرات معاشرے میں اس طرح سے پھیل گئے تھے کہ اس کی حکومت کی مختصر سی مدت میں مکہ اور مدینہ جیسے مقدس شہروں کا ماحول بھی آلودہ ہو گیا تھا۔(۳)

آخر کار یزید نے ہوسرانی کی راہ میں اپنی جان دے دی اور شراب پینے میں زیادتی اس کی مسمومیت اور اس کی موت کا سبب بنی۔(۴)

---

(۱) تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، ص۲۹۱
(۲) تتمۃ المنتہیٰ فی وقایع ایام الخلفاء: شیخ عباس قمی، ج۲، ص۴۴
(۳) مروج الذہب: علی ابن الحسین مسعودی، ج۳، ص۶۷
(۴) مقتل الحسین: اخطب خوارزمی، تحقیق: شیخ محمد سماوی، ج۲، ص۱۸۳

اسلام کا ایک نامی مورّخ مسعودی لکھتا ہے: یزید نے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے معاملے میں فرعون کی روش اختیار کی تھی، بلکہ فرعون کی روش اس سے بہتر تھی۔(۱)

یزید کی گندی حکومت اور اس کی ذلت آمیز زندگی نیز اس کی برائیوں اور آلودگیوں کے متعلق دلائل اور شواہد اس قدر زیادہ ہیں کہ ان تمام کا ذکر کرنا اس مختصر سی بحث کی حد سے باہر ہے۔ اور ہمارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ بیان کیا وہی اس کے گندے چہرے کو روشناس کرانے کے لئے کافی ہوگا۔

اب جب کہ یزید کا گندا چہرہ اس کا کفر اور اس کی دین اسلام سے دشمنی واضح ہوگئی تو اس کی حکومت کے خلاف امام حسینؑ کے قیام کی علت کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اچھی طرح سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ یزید کی حکومت نہ صرف اسلام میں موروثی حکومت کی بدعت کی بنیاد تھی بلکہ اس کی شخصی نااہلی کے لحاظ سے بھی امام حسینؑ کی نظر میں خلاف شرع تھی۔

اسی بناء پر معاویہ کے مرنے کے بعد اس کے دور میں پائے جانے والے موانع بھی برطرف ہو گئے تھے لہٰذا وہ وقت آ چکا تھا کہ امام حسینؑ اپنی مخالفت کا اعلان کریں۔ اگر امام حسینؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو آپ کی یہ بیعت یزید کی حکومت کے شرعی ہونے کی سب سے بڑی حجت بن جاتی۔

امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اسباب خود امامؑ کی زبانی

امام حسینؑ کے قیام کی علتیں آپ کے بیانات اور خطوط میں اچھی طرح نظر آتی ہیں کہ جن میں سے بعض کو بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے امام کے شرائط

امام حسینؑ نے انہیں ابتدائی دنوں میں کہ جب مدینہ میں یزید کی بیعت لینے کے لئے

(۱) مروج الذہب مسعودی، ج ۳، ص ۶۸

آپ پر سخت دباؤ تھا، ولید کے جواب میں کہ جس نے یزید کی بیعت کا سوال اٹھایا تھا آپ نے فرمایا:

"اب جب کہ مسلمان یزید جیسے حاکم کے ساتھ مبتلا ہو جائیں تو پھر اسلام کا فاتحہ پڑھ دینا چاہئے۔(۱) اور کوفیوں کی طرف سے آنے والے دعوت کے خطوط کے جواب میں مسلمانوں کے حاکم کی خصوصیات کو اس طرح بیان کیا" مسلمانوں کا امام اور پیشوا وہ ہے کہ جو اللہ کی کتاب کے مطابق عمل کرے عدل وانصاف کو اپنے لئے مشعل راہ قرار دے اور حق کی اطاعت کرے اور اپنے تمام وجود کے ساتھ اللہ کے حکم کا تابع رہے۔"(۲)

۲۔ امام علیہ السلام کا اعتقادی اور سیاسی وصیت نامہ

امام حسینؑ نے مدینہ سے سفر کرنے سے پہلے اپنے بھائی محمد حنیفہ کے نام ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا اور اس میں اپنے قیام اور تحریک کی علت کو امت اسلامی کے امور کی اصلاح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اپنے جد پیغمبر اسلامؐ اور اپنے والد حضرت علیؑ کی سیرت کو زندہ کرنا بتایا۔ امامؑ نے اس وصیت نامہ میں توحید، نبوت، اور معاد کے متعلق اپنے عقیدے کو بیان کرنے کے بعد اس طرح لکھا: میں نے نہ تو خود غرضی اور سرکشی کی بنیاد پر قیام کیا ہے اور نہ ہی ظلم اور فساد پھیلانے کی غرض سے بلکہ اس قیام سے میرا مقصد اپنے جد کی امت کی اصلاح کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد (پیغمبرؐ اسلام) اور اپنے والد (علی بن ابی طالبؑ) کی راہ پر چلوں ہر شخص حق کا احترام کرتے ہوئے میری پیروی کرے۔ میں اپنی راہ پر چلتا رہوں گا۔

(۱) انا للّٰہ وانا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامۃ براع مثل یزید (اللھوف فی قتلی الطفوف: سید بن طاؤوس، ص۱۱)

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص۲۰۴، مقتل الحسین: ابو مخنف،، تحقیق، حسن غفاری، ص۱۷، تاریخ الامم والملوک: طبری، ج۶ ص۱۹۶

یہاں تک کہ خداوند میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کردے کیونکہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(۱)

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام نے اپنے اس وصیت نامہ میں اپنے قیام کے چار اسباب بیان فرمائے ہیں:

۱۔امت کے امور کی اصلاح

۲۔امر بالمعروف

۳۔ نہی عن المنکر

۴۔اپنے جد پیغمبر اسلام اور اپنے والد علی بن ابی طالب کی سیرت کی پیروی اور احیاء۔

۳۔ ناقابل معافی سکوت

امام حسینؑ نے عراق کی طرف سفر کرتے ہوئے پہلے "بیضہ" نامی منزل پر حُر کی فوج کو خطاب کرتے ہوئے ایک خطبہ پڑھا اور اس میں آپ نے اپنے قیام کے اسباب کو اس طرح بیان فرمایا:

"لوگو! پیغمبر خدا نے فرمایا ہے: ہر وہ مسلمان جو ایک ایسے ظالم بادشاہ سے روبرو ہو کہ جو حرام الٰہی کو حلال سمجھتا ہو اور پیمان الٰہی کو توڑ چکا ہو سنت اور قانون پیغمبر کی مخالفت کے در پے ہو، بندگان خدا کے درمیان گناہ و معصیت زور زیادتی اور دشمنی کی راہ اختیار کئے ہو اور وہ ایسے بادشاہ کے مقابلے میں اپنے قول یا فعل کے ذریعہ سے مخالفت نہ کرے تو خداوند متعال کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص پر بھی وہی حکم لگائے کہ جو اس ظالم بادشاہ کے لئے ہے (جہنم کی آگ)

(۱) بحار الانوار علامہ مجلسی، ج ۴۴ ص ۳۲۹

لوگو! ہوشیار رہو ان لوگوں نے (بنی امیہ) اطاعت خداوندی کو ترک کر دیا ہے اور شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے۔ برائیوں کو رواج دیا ہے اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔ فئی کو (کہ جو خاندان پیغمبرؐ سے مخصوص ہے) اپنی ذات سے مخصوص کر لیا ہے اور میں مسلمانوں کے معاشرے کی ہدایت اور رہبری کے لئے اور ان تمام برائیوں اور برائی پھیلانے والوں کے مقابلے میں قیام کرنے کے لئے کہ جنہوں نے میرے جد کے دین کو بدل دیا ہے دوسروں سے زیادہ موزوں اور سزاوار ہوں"۔(۱)

۴۔ سنتوں کا خاتمہ اور بدعتوں کا رواج

امام حسینؑ نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد بصرہ کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کے نام ایک خط بھیجا اور اس میں اس طرح لکھا:

"میں اپنے قاصد کو اس خط کے ساتھ آپ کی طرف بھیج رہا ہوں آپ کو کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ ہم ایسے حالات میں پہنچ گئے ہیں کہ جس میں پیغمبرؐ کی سنت پوری طرح سے مٹ چکی ہے اور بدعتیں زندہ ہوگئی ہیں اگر میری باتوں کو سنیے تو آپ کو سچے راستے کی طرف ہدایت کروں گا، آپ پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں"۔(۲)

۵۔ اب حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے

امام حسینؑ نے عراق کے راستے میں "ذی حسم" نامی مقام پر کھڑے ہو کر اپنے

(۱) تاریخ الامم والملوک: محمد بن جریر الطبری، ج ۶، ص ۲۲۹ / الکامل فی التاریخ: عز الدین بن اثیر، ج ۴، ص ۴۸ / احمد بن یحییٰ البلاذری نے بھی اس خطبہ کے بعض حصہ کو کتاب "انساب الاشراف" کی ج ۳، ص ۱۷۱ پر نقل کیا ہے۔

(۲) تاریخ الامم والملوک: طبری، ص ۲۰۰ / مقتل الحسینؑ: ابو مخنف، ص ۸۶

اصحاب کے درمیان خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے ساتھ یہی ہونا تھا جو آپ دیکھ رہے ہیں واقعاً زمانے کی حالت بدل گئی ہے برائیاں ظاہر ہوگئی ہیں اور نیکیوں اور فضائل نے ہمارے درمیان سے اپنا بستر سمیٹ لیا ہے اور فضیلتوں میں سے صرف اتنی مقدار باقی رہ گئی ہے جیسے پانی کے خالی برتن میں بچے ہوئے پانی کے چند قطرے۔ لوگ پست اور ذلت آمیز زندگی گذار رہے ہیں۔ زندگی کا میدان پتھریلی اور کم سبزہ چراگاہ کی طرح سخت اور دشوار جگہ میں تبدیل ہوگیا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اب حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے ایسے حالات میں ایک مؤمن کے لئے بجا ہے کہ موت کو سعادت اور زندگی اور ستمگروں کے ساتھ زندہ رہنے کو دکھ درد اور غم واندوہ کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا۔''

عاشور کے آثار ونتائج

امام حسینؑ کی تحریک اور آپ کے قیام کے بہت سے نتائج اور اثرات جامعہ اسلامی میں ظاہر ہوئے کہ جس میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ حاکم جماعت کی رسوائی

اس بات کے پیش نظر کہ بنی امیہ حکومت کو دینی رنگ دیتے تھے اور اسلام اور پیغمبرؐ کی جانشینی کے نام پر مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے۔ امام حسینؑ کی شہادت نے اس حکومت کے جسم کو بہت بڑی چوٹ پہنچائی اور حاکم جماعت کو رسوا کردیا اس طریقہ سے کہ ہر جگہ لوگ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کی بنا پر یزید پر لعن ونفرین کرتے تھے۔

۲۔ سنت شہادت کو زندہ کرنا

(۱) تحف العقول: حسن بن علی بن شعبہ، دفتر انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱۳۶۳ھ ص ۲۴۵ / تاریخ الامم و الملوک: طبری، ص ۲۲۹

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کی بہت سی کامیابیوں کا سبب یہ تھا کہ وہ حق کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہادت کا استقبال کرتے تھے لیکن پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت اسلامی کا اصل راستے سے منحرف ہونا، فتوحات میں اضافہ ہونا اور مال غنیمت کا مرکز خلافت میں جمع ہو جانا اور بعض دوسرے اسباب کی بناء پر آہستہ آہستہ مسلمانوں میں جہاد اور شہادت کا جذبہ ختم ہو گیا اور لوگ آرام و آسائش کے عادی ہو گئے اس طرح روز بروز شہادت کا جذبہ ختم ہوتا گیا۔ دوسری طرف ظالم اور ستمگر حکمرانوں کا تسلط لوگوں کے ڈرپوک اور بزدل ہونے کا سبب بنا لیکن امام حسینؑ کے قیام اور آپ کی شہادت نے اس صورت حال کو الٹ دیا اور لوگوں کو شہادت کا درس دیا اور مسلمانوں میں شہادت کی سنت کو بھی زندہ کر دیا۔

۳۔ امت اسلامی میں قیام اور بغاوت

امام حسینؑ کا قیام اسلامی سماج میں متعدد قیام اور تحریکوں کے وجود میں آنے کا سرچشمہ بن گیا کہ جن میں سے بطور نمونہ قیام توابین اور قیام مختار کا نام لیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

آپ شیعوں کے تیسرے امام، حسین بن علی کے بیٹے تھے آپ کی ماں کا نام ''شہر بانو'' (۱) تھا آپ کے سب سے زیادہ مشہور القاب ''زین العابدین'' اور ''سجاد'' ہیں۔

امام سجاد ۳۸ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے (۲) اور اپنے بچپنے کا دور شہر مدینہ میں گذارا اس کے بعد آپ نے اپنے چچا امام حسن مجتبیٰ کی امامت کے دس سال کے دور میں بہت سے حادثات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جس میں امام حسن مجتبیٰ صرف چھ ماہ کے لئے خلافت اسلامی کے منصب دار رہے۔ امام حسن مجتبیٰ کی شہادت (۵۰ھ) کے بعد دس سال تک اپنے والد امام حسین کی امامت کے دور میں آپ کے ساتھ ساتھ تھے کہ جب معاویہ کی قدرت عروج پر تھی۔

---

(۱) اصول کافی: محمد بن یعقوب کلینی، تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، ج ۱، ص ۴۶۷، الارشاد: شیخ مفید، ص ۲۵۳، تاریخ کی کتابوں میں چوتھے امام کی ماں کے نام کے متعلق شدید اختلاف ہے اور شہر بانو کے علاوہ ۱۲ دوسرے نام مثلاً جہاں شاہ، شہر ناز، جہان بانو، خولہ، سلافہ، وغیرہ ذکر ہوئے ہیں۔ مزید اطلاع کے لئے رجوع کریں کتاب زندگانی علی بن الحسین: ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی، ص ۲۷ ـ ۲۹، ری باستان: ڈاکٹر حسین کریمان، ج ۱، ص ۴۰۳-۴۱۶۔ جناب ڈاکٹر کریمان نے مقبرۂ بی بی شہر بانو کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہ جو عام لوگوں کے گمان کے مطابق امام حسین کی زوجہ جناب شہر بانو کی قبر ہے۔ اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں اور ساتھ ہی آپ کے نام کے متعلق مختلف اقوال کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص ۲۵۳، بعض مورخین نے امام زین العابدین کی ولادت کا سال ۳۶ یا ۳۷ھ بھی ذکر کیا ہے۔

اور امام حسینؑ کے ساتھ اس سے ٹکراؤ میں شریک تھے۔

محرم ۶۱ھ میں اپنے والد امام حسینؑ کے قیام اور آپ کی شہادت کے وقت سرزمین کربلا پر موجود تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ کو امامت ملی۔ امام حسینؑ کے قافلے کے دوسرے اسیروں کے ساتھ آپ بھی کوفہ اور شام لے جائے گئے اور اس سفر میں آپ مشکلات اور مصائب کے طوفان کو برداشت کرتے ہوئے تمام اسیروں کے سرپرست اور سب کی ڈھارس تھے۔

آپ نے اس سفر کے دوران اپنی شعلہ بار تقریروں کے ذریعہ سے یزید کی حکومت کو رسوا کیا اور شام سے واپسی کے بعد شہر مدینہ میں قیام کیا یہاں تک کہ ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں شہادت پر فائز ہوئے اور مشہور قبرستان 'بقیع' میں اپنے چچا امام حسنؑ کی قبر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

آپ کے دور کے خلفاء

امام زین العابدینؑ اپنی امامت کے دور میں درج ذیل خلفاء کے ہم عصر رہے:

۱۔ یزید بن معاویہ۔ (۶۱ھ سے ۶۴ھ تک)*

۲۔ عبداللہ بن زبیر۔ (۶۱ھ سے ۷۳ھ تک)(۱)

---

*بریکٹ میں مذکورہ سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

(۱) عبداللہ بن زبیر ان گنے چنے افراد میں سے تھے کہ جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس بناء پر وہ معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسینؑ کے مکہ کی طرف روانگی سے پہلے اس شہر کی طرف ہجرت کی اور وہاں پر سیاسی کوششوں میں مشغول ہوگئے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد چونکہ حجاز میں اس کا کوئی رقیب نہ تھا لہٰذا اس نے بہت سے طرف دار بھی جمع کر لئے اور خود کو خلیفہ کہنے لگا، یزید آخر دم تک اسے شکست نہ دے سکا وہ ۷۳ھ تک مکہ میں حکومت کا پرچم اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے، عبداللہ نے حجاز، عراق، مصر اور مشرق اسلامی کے کچھ حصہ کو اپنا مطیع بنا لیا اور یزید کے جانشینوں کی حکومت صرف شام اور بعض دوسرے علاقوں تک محدود ہوگئی اس بناء پر ۷۳ھ تک مملکت اسلامی……

۳۔ معاویہ بن یزید۔ (۶۴ ہجری کے چند ماہ)

۴۔ مروان بن حکم۔ (۶۵ ھ کے نو مہینے)

۵۔ عبدالملک بن مروان۔ (۶۵ ھ سے ۸۶ ھ)

۶۔ ولید بن عبدالملک۔ (۸۶ ھ سے ۹۶ ھ)

امامؑ کی بیماری۔ ایک الٰہی مصلحت

افسوس کہ بعض ناواقف افراد چوتھے امامؑ کو بیمار امام کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور اس لقب کو یاد کر کے ان کے ذہن میں ایک ایسے بیمار اور ناتواں شخص کا تصور آتا ہے کہ جس کا چہرہ زرد اور مرجھایا ہوا ہو اس کی روح افسردگی کا شکار ہو جب کہ حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ امام چہارمؑ کربلا میں ایک مختصر مدت کے لئے بیمار تھے اور اس کے بعد آپ کو شفا حاصل ہوگئی اور تقریباً ۳۵ رسال آپ دوسرے اماموں کی طرح صحیح و سالم جسم کے مالک تھے۔

بے شک اس حادثہ کے وقت آپ کا وقتی طور پر بیمار ہو جانا خدا کی طرف سے عنایت تھی تا کہ اس بیماری کی وجہ سے آپ جہاد کے فریضے سے معذور ہو جائیں (۱) اور آپ کا مقدس وجود یزید کے مزدوروں کے ہاتھوں قتل ہونے سے محفوظ رہے اور اس طرح سے امامت کا سلسلہ جاری رہے۔

سبط ابن الجوزی لکھتے ہیں: چونکہ علی ابن الحسینؑ بیمار تھے اس لئے قتل نہیں کئے گئے۔ (۲)

......میں دو افراد دو مختلف علاقوں میں حکومت کرتے تھے لیکن عبدالملک کی فوج کے ہاتھوں عبداللہ بن زبیر کی شکست اور قتل کے بعد تمام اسلامی منطقے مروانیوں کی حکومت میں آگئے اور شام کو از سر نو کامل مرکزیت حاصل ہوگئی۔

(۱) اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۱۶۷

(۲) تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی ص ۳۲۴ رشذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ابن العماد الحنبلی، ج ۱، ص ۱۰۵

محمد بن سعد لکھتے ہیں: اس دن (عاشورہ) کہ جب علیؑ بن الحسینؑ اپنے والد کے ساتھ تھے آپ کی عمر ۲۳ ریا ۲۴ رسال تھی اور جو شخص بھی یہ کہے کہ آپ اس وقت بہت چھوٹے تھے اس کا یہ کہنا بے بنیاد ہے بلکہ آپ اس دن بیمار تھے اور اسی وجہ سے آپ نے جنگ میں شرکت نہیں کی۔(۱)

قیام کربلا کے نقیب

جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ امام سجادؑ واقعہ کربلا کے وقت موجود تھے اور اپنے والد امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خانوادۂ حسینی کے پسماندگان کی سربراہی اور امام حسینؑ کے قیام وشہادت کے پیغام کی نشر واشاعت آپ نے اپنے ذمہ لیا اور اپنی تقریروں اور مناظروں کے ذریعہ سے بنی امیہ کی حکومت کے گندے چہرے کو عریاں کرنے اور عمومی افکار کو بیدار کرنے میں مشغول ہو گئے جیسا کہ دمشق کی جامع مسجد میں یزید کی موجودگی میں ہزاروں لوگوں کے درمیان ایک پرجوش چوٹ پہنچانے والا طولانی خطبہ دیا اور اس کے ذریعہ سے آپ نے یزید کو عام اور خاص سبھی میں رسوا کر دیا۔(۲)

گھٹن کا دور

پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد امامت کے چاروں مرحلوں کی تقسیم کی بنیاد پر (کہ جو حضرت علیؑ کی زندگی کے بیان میں ذکر کی گئی) امام سجادؑ کی زندگی چوتھے دور میں قرار پاتی ہے۔

☆ مسلح اقدام کی کامیابی سے مایوسی کا دور

(۱) الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص۲۲۱

(۲) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج۴۵، ص۱۳۷

☆ خاندان پیغمبرؐ کے ہاتھوں حکومت اسلامی کے قیام کی امید کی جانے والی طویل مدتی کوشش کا دور

☆ ثقافتی کاموں اور انسانوں کی مناسب تربیت کے ذریعہ سے اس نشانے تک پہنچنے کے لئے راہ ہموار کرنے کا دور

☆ حقیقی اسلامی فکر کو بیان کرنے اور بدعتوں اور تحریفوں کو پہچنوانے کا دور

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عاشورہ کے دل خراش حادثہ نے (مختصر مدت کے لئے) شیعی تحریک پر کمر توڑ چوٹ پہنچائی اور اس خبر کے پوری اسلامی مملکت، بالخصوص عراق اور حجاز میں پھیلتے ہی شیعوں کی محفلوں پر وحشت اور شدید رعب مسلّط ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہو گئی کہ یزید جو اپنی حکومت کو استحکام عطا کرنے کے لئے فرزند پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے اور ان کی مخدرات اور بچوں کو اسیر کرنے کی حد تک آمادہ ہے (کہ جن کی عظمت اعتبار اور پاکیزگی پوری دنیائے اسلام میں پہچانی ہوئی تھی) وہ اپنی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے کسی بھی جرم اور خیانت سے پرہیز نہیں کرے گا۔ *

یہ رعب و وحشت کہ جس کے آثار کوفے اور مدینہ میں نمایاں تھے اس کے بعد مدینہ کے لوگوں کی تحریک کو یزید کے فوجیوں کے ہاتھوں سختی اور بے رحمی سے کچل دینے کے بعد (ذی الحجہ ۶۳ ھ) کہ جسے "فاجعہ حرّہ" کہا جاتا ہے اس رعب و وحشت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

اور ان علاقوں میں کہ جن میں خاندان پیغمبرؐ کے افراد نفوذ رکھتے تھے بالخصوص مدینہ اور کوفے میں شدید گھٹن کا ماحول مسلط ہو گیا، اور ائمہ معصومینؑ کے شیعہ اور پیروی کرنے

* عورتوں اور بچوں کو اسیر کرنا اور شہدا کے سروں کو مختلف شہروں میں گھمانا غالباً مخالفین کے درمیان رعب و وحشت پھیلانے اور اذیت دینے کی غرض سے تھا۔

والے کہ جن کا شمار بنی امیہ کے دشمنوں میں ہوتا تھا کمزوری اور سستی کا شکار ہو گئے۔ اور ان کا اتحاد و اتفاق بکھر کر رہ گیا۔ امام سجادؑ اس ناگوار حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "پورے مکہ اور مدینہ میں بیس افراد بھی ہمارے چاہنے والے نہیں ہیں۔"(۱)

مشہور مورّخ مسعودی اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ "علیؑ بن الحسینؑ نے مخفی طور پر شدید تقیہ کے ساتھ ایک دشوار زمانے میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔"(۲)

امام صادقؑ اس تلخ اور غمناک حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لوگ حسین بن علیؑ (کی شہادت) کے بعد پلٹ گئے (خاندان پیغمبرؐ کے اطراف سے منتشر و منحرف ہو گئے) تین لوگوں کے علاوہ کہ جو ابو خالد کابلی، یحیٰ بن ام الطّویل، اور جبیر بن مطعم تھے اور بعد میں کچھ لوگ ان سے ملحق ہو گئے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔(۳)

عبد الملک کی حکومت کا سیاہ دور

حضرت امام سجادؑ کی امامت کا دور تاریخ اسلام کی ایک سب سے زیادہ سیاہ حکومت کے دور سے مصادف تھا۔ اگر چہ آنحضرت سے پہلے بھی اسلامی حکومت انحراف کا شکار ہو کر ایک ظالم اور خود غرض حکومت میں تبدیل ہو چکی تھی لیکن امام سجادؑ کا زمانہ دوسرے زمانوں سے اس بات میں مختلف تھا کہ اس زمانے میں حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار افراد کھلم کھلا اور

(۱) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۶، ص ۱۴۳، شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، تحقیق، محمد ابو الفضل ابراہیم قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیہ، ج ۴، ص ۱۰۴

(۲) اثبات الوصیہ: مسعودی، طبع نجف، المطبعہ الحیدریہ ۱۳۷۳ھ، ص ۱۶۷

(۳) الاختصاص: شیخ مفید، تصحیح و تعلیق، علی اکبر الغفاری، ص ۶۴، بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۶ ص ۱۴۴۔ محقق بزرگ شیخ محمد تقی شوستری مرحوم کے نزدیک "جبیر بن مطعم" کے بجائے "حکیم بن جبیر بن مطعم" صحیح ہے (قاموس الرجال، ج ۹، ص ۳۹۹)

بغیر کسی قسم کی پردہ پوشی کے مقدسات اسلامی کی توہین کرتے تھے۔ اور کھلے عام اسلامی قوانین کو روند دیتے تھے اور کسی شخص میں بھی معمولی سا اعتراض کرنے کی جرأت نہ تھی۔

حضرت امام سجادؑ کی امامت کا بیشتر حصہ عبدالملک بن مروان کی خلافت کے دور میں گذرا کہ جس کی مدت ۲۱ رسال تھی کہا جاتا تھا: عبدالملک ایک خردمند، ہوشیار، عالم، فاضل، ادیب، جابر، ظالم بہت زیادہ رعب دار، غیر معمولی سیاست باز اور خوش تدبیر شخص تھا۔(۱)

خلافت ملنے سے پہلے اس کا شمار مدینے کے فقہاء میں ہوتا تھا(۲) اور زہد و عبادت اور دینداری میں مشہور تھا اپنے اکثر اوقات کو مسجد میں عبادت کی حالت میں گذارتا تھا یہاں تک کہ لوگ اسے مسجد کا کبوتر کہنے لگے تھے۔(۳)

کہا جاتا ہے کہ اس کے باپ مروان کے مرنے کے بعد جب خلافت اس تک پہنچی تو وہ اس وقت قرآن پڑھنے میں مشغول تھا لیکن اس خبر کو سنتے ہی اس نے قرآن بند کر دیا اور کہا: ''یہاں سے میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہوگئی اور اب مجھے تم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے''۔(۴)

وہ حقیقتاً قرآن سے جدا ہوگیا اور طاقت وقدرت کے غرور میں اس کی شخصیت اس قدر مسخ ہو کر رہ گئی کہ مورخین اس کی حکومت کے سیاہ کارنامے کو تلخی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مورخین کے قول کے مطابق وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے خلیفہ کے سامنے لوگوں کو

(۱) الفخری: ابن طقطقا، دار صادر بیروت، ۱۳۸۶ھ، ص ۱۲۲ و ۱۲۴

(۲) الفخری: ابن طقطقا، ص ۱۲۲، تاریخ الخلفاء: سیوطی تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، ص ۲۱۶

(۳) تجارب السلف: ہندوشاہ، تصحیح: عباس اقبال، ص ۷۵

(۴) تاریخ الخلفاء: سیوطی، ص ۲۱۷، الفخری: ابن طقطقا، ص ۱۲۲، الکامل فی اللغۃ والادب: ابوالعباس المبرد، تحقیق، نعیم زرزور، وتغارید بیضون، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۱۹۲

بات کرنے سے منع اور امر بالمعروف کرنے سے لوگوں کو روک دیا۔(۱)

عبدالملک اپنی حکومت کی طولانی مدت کے دوران اس قدر ظلم وفساد کا عادی ہو گیا تھا کہ اس کے دل میں ایمان کا نور مکمل طریقہ سے بجھ گیا، خود اس نے بھی ایک دن اس بات کا اعتراف کیا اور سعید بن میتب سے اس طرح کہا: ''میں ایسا ہو گیا ہوں کہ مجھے اچھا کام انجام دینے سے خوشی نہیں ہوتی اور برا کام انجام دینے سے غمگین نہیں ہوتا ہوں۔ سعید بن میتب نے کہا: ''تمھارا دل پوری طرح سے مردہ ہو چکا ہے۔''(۲)

ستمگر حکام

مملکت اسلامی کے مختلف علاقوں میں عبدالملک کے نمائندے بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کے ساتھ زور وزبردستی کا برتاؤ کرتے تھے۔ مسعودی لکھتا ہے:
''عبدالملک ایک خونخوار شخص تھا اور اس کی طرف سے نصب کئے گئے حکمراں مثلاً حجاج حاکم عراق مہلب حاکم خراسان اور ہشام بن اسماعیل حاکم مدینہ بھی اسی کی طرح سفاک اور ظالم تھے۔(۳)

عبدالملک نے اپنے نمائندوں اور زرخرید کارندوں کی مدد سے اپنی ہوشیاری اور زیرکی کے ذریعہ سے اپنے مخالفوں کو کچل دیا اور وحشت وگھٹن سے بھری ایسی حکومت قائم کی کہ جس کا رعب ودبدبہ ہر طرف تھا اور معاویہ کے بعد وہ ایک طولانی مدت تک حکومت کرنے والا پہلا اموی خلیفہ تھا۔

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید خلافت تک پہنچا۔ اگر چہ ولید آبادی اور آبادکاری

(۱) تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۲۱۸۔ البتہ ان میں سے بعض کاموں کو معاویہ بھی پہلے سے انجام دے چکا تھا۔
(۲) الفخری، ابن طقطقا، ص ۱۲۲
(۳) مروج الذہب ومعادن الجوہر، ج ۳، ص ۹۱

سے دلچسپی رکھتا تھا لیکن اس نے بھی برے اور خیانت کار افراد کو حاکم اور امیر بنا کر مسلمانوں کی تقدیر پر مسلط کر دیا۔ اور ان افراد نے لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔

اس زمانے میں شام کا علاقہ براہ راست ولید کے زیر نظم تھا، عراق میں ''حجاج'' حجاز میں ''عثمان بن جبارہ'' اور مصر میں ''قرۃ بن شریک'' حکومت کرتے تھے اور یہ بھی بیدادگری میں مشہور تھے۔(۱)

گویا حکمرانوں کے اسی بیدادگری اور مسلمانوں کی مظلومیت اور بیچارگی کی طرف توجہ کرتے ہوئے امام سجادؑ نے اپنے ایک بیان میں اس زمانے کے لوگوں کو چھ گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ حکمرانوں کو شیر اور مسلمانوں کو ان بھیڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ جو شیر، بھیڑئے، لومڑی، کتوں اور سوروں کے درمیان پھنس گئی ہوں کہ جن کے گوشت پوست اور ہڈیاں شیر کے ذریعہ پھاڑی جا رہی ہوں۔(۲)

آپ نے کیوں قیام نہیں کیا؟

حضرت امام سجادؑ کے زمانے کی سیاسی فضا کو دیکھتے ہوئے کہ جس کو مختصراً بیان کیا گیا اچھی طرح سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ آنحضرت نے کیوں قیام نہیں کیا؟

کیونکہ اس شدید رعب اور خوف کے ہوتے ہوئے کہ جو سماج پر حکم فرما تھا اور اس شدید شکنجے کے ہوتے ہوئے کہ جو بنی امیہ کی ظالم حکومت نے قائم کر رکھا تھا ہر قسم کی تحریک اور مسلح اقدام کی شکست پہلے ہی سے معلوم تھی اور چھوٹی سی بھی حرکت اموی حکومت کے جاسوسوں سے پوشیدہ نہ تھی، جیسا کہ ایک دن مدینہ میں عبد الملک کے

(۱) الکامل فی التاریخ ابن اثیر، دار صادر بیروت، ج ۵، ص ۱۱
(۲) الخصال شیخ صدوق، تصحیح و تعلیق علی اکبر الغفاری، ص ۳۳۹ (باب الستہ)

جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی کہ "علیؑ بن الحسینؑ کے پاس ایک کنیز تھی آپ نے اس کو آزاد کیا پھر اس کے ساتھ عقد کر لیا۔ عبدالملک نے اپنے خط میں امامؑ کو لکھا اور اس کام کو امامؑ کے لئے نازیبا شمار کیا اور یہ اعتراض کیا کہ امامؑ نے قریش ہی سے اپنے برابر اور شایان شان افراد میں سے کسی سے رشتہ کیوں نہیں کیا؟

امامؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: پیغمبر اکرمؐ سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ کوئی نہیں تھا انہوں نے آزاد شدہ کنیز کو اپنی زوجیت میں لیا خداوند عالم نے ہر پستی کو اسلام سے بلندی عطا کی اور ہر لئیم کو اس کے ذریعہ سے کریم بنا دیا لہٰذا کوئی بھی مسلمان فرد پست نہیں ہے اور پستی (کا معیار) صرف جاہلیت ہے۔ (۱)

عبدالملک اپنے اس فعل کے ذریعہ سے امامؑ کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ آپ کے تمام کاموں پر یہاں تک کہ داخلی اور ذاتی امور پر بھی نظر رکھتا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی انقلابی تحریک کیسے ممکن تھی؟

امامؑ نے مدینہ کے باغیوں کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟

چوتھے امامؑ کے مدینہ میں بغاوت کرنے والوں کے ساتھ نہ دینے کو بھی اسی نظریہ سے حل کرنا چاہئے۔ مدینہ میں ۶۳ (یا ۶۲) ہی بغاوت ہوئی اور واقعہ حرہ ☆ کے نام سے مشہور ہوئی اس حادثہ کا سرچشمہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اسلامی علاقوں میں

---

(۱) فروع کافی: شیخ کلینی، ج ۵، ص ۳۴۴ (کتاب نکاح باب المؤمن کفو المؤمن)، الطبقات الکبریٰ: محمد بن سعد، ج ۵ ص ۲۱۴، بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۶، ص ۱۰۵۔ عیون الاخبار: ابن قتیبہ دینوری، الموسسۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والترجمۃ والطباعۃ والنشر قاہرۃ، ج ۴، ص ۸۔

☆ حرہ ایسی پتھریلی زمین کو کہا جاتا ہے کہ جس کا اوپری حصہ آتشفشاں پتھروں سے پوشیدہ ہو اور چونکہ شہر مدینہ کے اطراف کی زمین ایسی ہی تھی اور شام کی فوج مدینہ میں حرہ واقم کی طرف سے داخل ہوئی لہٰذا اس جنگ کا نام "حرہ" پڑ گیا۔

یزید کی حکومت کے خلاف نفرت اور غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ شہر مدینہ میں بھی کہ جو پیغمبر اکرمؐ کے قرابت داروں اور صحابہ وتابعین کا مرکز تھا لوگ غصہ میں آ گئے۔ حاکم مدینہ (عثمان بن محمد بن ابی سفیان) کہ جو نا تجربہ کاری، جوانی اور غرور میں یزید سے کم نہیں تھا اس نے یزید کے اشارے پر(۱) شہر کے بعض بزرگ افراد کو مدینہ کے لوگوں کی طرف سے نمائندہ بنا کر دمشق بھیجا تا کہ نزدیک سے وہ خلیفہ کو دیکھیں اور اس کی مرحمتوں سے فائدہ اٹھائیں پھر مدینہ واپس آ کر لوگوں کو اس کی حکومت کی حمایت کی رغبت دلائیں۔

اسی پروگرام کے تحت عثمان نے شہر مدینہ کے بزرگوں کی ایک جماعت کو یزید سے ملاقات کے لئے دمشق بھیجا یزید نے ان کے سامنے شراب نوشی، سگبازی اور گانے وغیرہ کی محفلیں منعقد کرنے اور دوسرے فسق و فجور انجام دینے سے پرہیز نہیں کیا۔ لیکن اس نے اپنے محل میں ان کا شاندار استقبال کیا اور انہیں قیمتی خلعتیں پچاس ہزار یا لاکھ سے بھی زیادہ بخشیں۔

نمائندے اپنے شہر مدینہ واپس آئے اور اس شہر کے لوگوں کے مجمع میں یزید سے بیزاری کا اعلان کیا اور اسی وجہ سے مدینہ کے لوگوں نے حنظلہ کے بیٹے عبداللہ، غسیل الملائکہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مدینہ کے حاکم نیز تمام بنی امیہ کو شہر سے نکال باہر کر دیا۔ جب یہ خبر یزید تک پہنچی تو اس نے ''مسلم بن عقبہ'' کو جو بنی امیہ کے دربار کے فدائیوں میں سے تھا ایک بڑی فوج کے ساتھ تحریک کو کچلنے کی غرض سے مدینہ بھیجا اور ان کے قتل و غارت کا حکم صادر کر دیا۔ شام کی فوج نے مدینہ پر حملہ کیا اور دونوں گروہوں کے درمیان ایک خونی جنگ واقع ہوئی اور نتیجہ میں بغاوت کرنے والوں کو شکست ہوئی اور تحریک کے بزرگ افراد مارے گئے مسلم نے تین دن تک کے لئے لوگوں کے قتل و غارت کا حکم صادر کر دیا۔

(۱) انساب الاشراف: محمد بن یحییٰ البلاذری، مکتبۃ المثنی بغداد، ج۴، ص۳۱

قتل و غارت اور مسلمانوں کے ناموس پر دست درازی کے خاتمہ پر مسلم نے لوگوں سے یزید کی غلامی کے عنوان سے بیعت لی۔(۱) مدینہ کی بغاوت کے متعلق آشنا ہو جانے کے بعد اب ہم امام سجادؑ کے بغاوت کرنے والوں کا ساتھ نہ دینے کے اسباب کی جستجو کرتے ہیں۔ امامؑ کے ساتھ نہ دینے کے اسباب کا اس طریقہ سے خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس شدید گھٹن کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پیدا ہوئی امامؑ مدینہ کی تحریک کی شکست کے بارے میں پیشینگوئی کرتے تھے اور وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر اس میں شرکت کریں تو نہ صرف یہ کہ کامیابی نہیں ملے گی بلکہ وہ خود اور ان کے چاہنے والے سبھی مار دئے جائیں گے اور تشیع کی بچی ہوئی طاقت بھی بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو جائے گی۔

۲۔ عبداللہ بن زبیر بظاہر مرد صالح لیکن جاہ و منصب کے طلبگار تھے جنگ جمل کے برپا ہونے میں ان کا اہم کردار تھا اور امیر المومنینؑ کے خاندان سے مخالفت رکھتے تھے اور اسی جذبہ کے تحت وہ اپنے خطبوں میں پیغمبرؐ اسلام پر درود نہیں بھیجتے تھے۔(۲)

جیسا کہ ص ۵۸/ پر عرض کیا کہ اس دور میں عبداللہ ابن زبیر نے یزید کی مخالفت کا اعلان کیا تھا اور خود کو خلیفہ کہنے لگے تھے اور مکہ کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا تھا مدینہ کے بغاوت کرنے والوں میں انھوں نے نفوذ پا لیا تھا اور بنی امیہ اور حاکم مدینہ کو شہر سے باہر کرنے میں بھی ان کی رضامندی شامل تھی۔(۳)

لہٰذا ایسی تحریک خالص شیعی تحریک نہیں ہو سکتی تھی اور امامؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عبداللہ

---

(۱) انساب الاشراف: بلاذری، ص ۳۰-۴۶، الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۰۲-۱۰۳، ۱۱۱ و ۱۲۱۔ مروج الذہب: مسعودی، ج ۳، ص ۶۸-۷۱

(۲) تاریخ یعقوبی: ابن واضح، ج ۳، ص ۸

(۳) مروج الذہب: مسعودی، ج ۳، ص ۶۹

بن زبیر جیسے اقتدار جو افراد آپ کو کامیابی کا پل قرار دیں۔

۲۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا کہ بغاوت کرنے والوں نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنی رہبری کرنے کے لئے انتخاب کیا تھا اور امامؑ سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا تھا اگر چہ بغاوت کی رہبری کرنے والے نیک اور پاکیزہ افراد تھے اور یزید کی حکومت کے خلاف ان کے اعتراضات مکمل طور سے بجا اور صحیح تھے لیکن یہ بات روشن تھی کہ یہ تحریک خالص شیعی تحریک نہیں تھی اور یہ بات بھی نہیں معلوم تھی کہ کامیابی کی صورت میں شیعوں کے فائدے اور ان کے حق میں تمام ہو۔

آپ کی اجتماعی خدمات اور ثقافتی کاوشیں

چوتھے امامؑ کی ثقافتی کاوشوں اور اجتماعی خدمات نے زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہدایت، ثقافت وتمدن، اور تربیت کے پروگراموں اور بالواسطہ طریقہ سے جنگ کا ایک سلسلہ شروع کیا اور حکومت کی حساسیت کو بھڑکائے بغیر بہت سے کارنامے انجام دیئے کہ جن میں سے بعض اہم کارناموں کو درج ذیل چند حصوں میں بطور خلاصہ بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ عاشور کی یاد اور مقصد کو زندہ رکھنا

اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت سے عام لوگوں کے افکار میں بنی امیہ کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی تھی اور حکومت بنی امیہ پر بہت بھاری پڑی تھی اور ان کی حکومت کا شرعی وقانونی ہونا زیر سوال واقع ہوگیا تھا لہٰذا اس مقصد کے تحت کہ یہ دردناک واقعہ فراموش نہ ہو سکے امامؑ نے شہیدوں پر گریہ کرنے اور ان کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے مخالف مبارزے کو گریہ کی صورت میں جاری رکھا۔ بے شک آپ کے جلتے ہوئے اشک اور پُرسوز گریے عاطفہ کی بنیاد پر تھے چونکہ واقعہ کربلا کی عظمت

اور مصیبت اتنی بڑی اور دل خراش تھی کہ اس حادثہ کے جو بھی عینی شاہد تھے وہ جب تک زندہ تھے اس کو نہیں بھول سکتے تھے لیکن یقیناً اس موضوع سے امام سجادؑ کے نمٹنے کا جو خاص انداز تھا اس کا سیاسی اثر بھی تھا۔ واقعۂ کربلا کو بار بار یاد کرنا اس بات کا سبب تھا کہ لوگ بنی امیہ کی حکومت کے مظالم اور خیانتوں کو نہ بھولنے پائیں۔

امامؑ جب بھی پانی پینا چاہتے تھے اور جیسے ہی آپ کی نظر پانی پر پڑتی تھی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور جب اس امر کا سبب دریافت کیا جاتا تھا تو آپ فرماتے تھے۔ میں کیسے گریہ نہ کروں جب کہ (یزیدیوں نے) بیابان کے وحشی جانوروں اور درندوں کے لئے پانی کو آزاد رکھا لیکن میرے باپ پر پانی کو بند کر دیا (اور ان کو پیاسا شہید کر دیا)

امامؑ فرماتے تھے جب بھی فرزندان فاطمہؑ کے مارے جانے کو یاد کرتا ہوں تو گریہ سے میرا گلا بیٹھ جاتا ہے۔(۱)

امامؑ اس موضوع کو مختلف مناسبتوں میں یاد کیا کرتے تھے۔(۲)

۲۔ امت کی نصیحت اور ہدایت

چونکہ چوتھے امامؑ ایک ایسے گھٹن کے دور میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ جس میں وہ اپنے پسندیدہ مطالب کو کھل کر بیان نہیں کر سکتے تھے لہٰذا آپ موعظہ کی روش کو استعمال کرتے تھے اور موعظہ کی راہ سے لوگوں کو صحیح اسلامی فکر سے متعارف کراتے تھے وہ صحیح فکر کہ جو ستمگر حکمرانوں کی حکومت کے دوران ان کی تبلیغات کے نتیجہ میں بھلا دی گئی تھی یا اس

---

(۱) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۶ ص ۱۰۸، البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر، ط ۲، مکتبۃ العارف بیروت، ۱۹۷۷ء، ج ۹ ص ۱۰۷

(۲) الطبقات الکبریٰ: ابن سعد، ۵، ص ۲۲۰

میں تحریف واقع ہوگئی تھی امام اسے اصلی اور پہلی شکل میں لوگوں کو یاد دلاتے تھے اور اکثر لوگوں اور اسلامی سماج کو جتنا ممکن تھا اسلامی تعلیمات اور حقائق سے باخبر کرتے تھے۔

ان موعظوں کی تحقیق و جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ نے ایک حکیمانہ روش کے ساتھ بہت ہی ہوشیاری سے لوگوں کو نصیحت اور موعظہ کے ضمن میں ان مطالب کو جو آپ ان کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے ان کے لئے بیان کرتے تھے اور ان حالات میں صحیح اسلامی فکر کو منتقل کرنے کی یہ ایک بہترین روش تھی۔ کیونکہ یہ بحثیں اگرچہ سیاسی اثر اور نتیجہ رکھتی تھیں اور حکومت کے خلاف تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی حساسیت کو بھی نہیں بھڑکاتی تھیں۔

امام سجادؑ کے تبلیغات و مواعظ کا ایک نمونہ وہ مفصل بیانات ہیں کہ جنہیں محدثین کی وضاحت کے مطابق امامؑ مسجد نبویؐ میں ہر جمعہ کے دن اپنے اصحاب اور دوسرے لوگوں کے لئے بیان کرتے تھے۔(۱)

۳-دعا اور مناجات کے پیرائے میں اسلامی معارف کو بیان کرنا

امام سجادؑ کے جہاد اور تبلیغ کی ایک روش یہ بھی تھی کہ آپ اسلامی معارف کو دعا کی شکل میں بیان کرتے تھے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دعا انسان اور پروردگار کے درمیان معنوی رابطہ کا نام ہے کہ جس کا ہماری تربیت پر گہرا اثر ہے۔ اس بناء پر دعا کو دین اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور اگر ان دعاؤں کو جو پیغمبر اسلامؐ یا ائمہ معصومینؑ کی جانب سے ہم تک پہنچی ہیں جمع کیا جائے تو ایک عظیم مجموعہ تیار ہو جائے گا۔ یہ دعائیں عظیم تربیتی درسگاہ ہیں کہ جو انسانوں کی معنوی تربیت اور روح کی ترقی و تکامل کی راہ میں خاص کردار ادا کرتی ہیں۔

---

(۱) الروضۃ من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، ص ۷۲ / الامالی: شیخ صدوق، مطبعۃ الحکمۃ قم ص ۳۰۱ (المجلس الثانی)

صحیفۂ سجادیہ

چونکہ چوتھے امام کے دور میں گھٹن کے حالات عام تھے لہٰذا امام نے اپنے بہت سے بلند اہداف و مقاصد کو دعا اور مناجات کے سانچے میں بیان کیا ہے امام سجادؑ کی دعاؤں کا مجموعہ "صحیفۂ سجادیہ" کے نام سے مشہور ہے کہ جو قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے بعد حقائق و معارف الٰہی کا سب سے گراں قدر خزانہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ گذشتہ زمانوں سے ہمارے جید علماء کی جانب سے اسے "اخت القرآن" (۱) انجیل اہل بیت اور "زبور آل محمدؐ" کا لقب حاصل ہوا ہے۔ (۲)

صحیفہ صرف پروردگار سے راز و نیاز اور اس کی بارگاہ میں حاجت بیان کرنے پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اسلامی علوم و معارف کا ایک بحر بیکراں ہے کہ جس میں عقائد، تمدن، اجتماع، سیاست سے مربوط مسائل اور مختصر طور پر احکام شرعی اور قوانین طبیعت بھی دعا کے قالب میں ڈھالے گئے ہیں۔

صحیفۂ سجادیہ کی اہمیت اور اس کے نہایت درجہ معتبر ہونے کے پیش نظر تاریخ اسلام میں اس کتاب کی بہت سی شرحیں فارسی اور عربی میں لکھی گئی ہیں۔ (۳) ان شرحوں کے علاوہ گذشتہ اور موجودہ دور کے بہت سے علماء نے صحیفہ سجادیہ کے متعدد ترجمے بھی کئے ہیں کہ جن میں سے بعض گذشتہ چند برسوں میں طبع ہو کر نشر ہوئے ہیں۔ صحیفہ سجادیہ ۵۴ دعاؤں پر مشتمل ہے۔

---

(۱) الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ: شیخ آغا بزرگ، دار الاضواء، بیروت، ج ۱۵، ص ۱۸

(۲) ریاض السالکین فی شرح صحیفۃ سید الساجدین: سید علی خان مدنی، موسسۃ آل البیت مقدمہ، ص ۴، ۵۔ معالم العلماء: ابن شہر آشوب، المطبعۃ الحیدریۃ نجف، ص ۱۲۵ (شرح حال متوکل راوی صحیفہ) و ص ۱۳۱ (شرح حال یحییٰ بن علی بن محمد الحسین رقی)

(۳) الذریعۃ: شیخ آغا بزرگ، ج ۳، ص ۳۴۵۔۳۵۹

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ صحیفہ سجادیہ میں پروردگار سے راز و نیاز اور مناجات کے علاوہ سیاسی، اجتماعی، ثقافتی اور عقیدتی مسائل کے پہلو بھی موجود ہیں امام سجادؑ نے متعدد مقامات پر اپنی دعاؤں کے ضمن میں سیاسی بحثوں کو بالخصوص اور امامت اور اسلامی سماج کی رہبری کے مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ جن میں بطور نمونہ دعاء مکارم الاخلاق (بیسویں دعا) روز عرفہ کی دعا (ستائیسویں دعا) عید قربان اور جمعہ کے دن کی دعا (اڑتالیسویں دعا) کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ درباری علماء کے خلاف جہاد

ائمہ معصومینؑ کی زندگی کے سب سے زیادہ ولولہ انگیز حصوں میں سے ایک حصہ اسلامی سماج میں ان غلط افکار اور تمدن کے مالک افراد سے مناظرہ کرنا تھا جو کہ ان کے دور میں ہوتے تھے یعنی درباری فقہاء محدثین، مفسرین اور قضات۔ یہ وہ افراد تھے کہ جو لوگوں کے ذہن اور ان کی فکر کو ظالم قدرتوں کے مفاد میں موڑ دیتے تھے اور ان کو ایسی حالت کا عادی بنا دیتے تھے کہ جو خلفاء (بنی امیہ اور بنی عباس چاہتے تھے۔ اور ان کو اس حالت کے بہ نسبت مطیع اور پابند بنا دیتے تھے اور ان خلفاء کی حکومت کو قبول کرنے کے لئے فکری اور ذہنی اعتبار سے راہ ہموار کرتے تھے۔

چوتھے امامؑ کی سیاسی زندگی میں اس قسم کے مناظروں کا ایک نمونہ دربار میں محدث "محمد بن مسلم زہری" (۵۸۔۱۲۴ھ) کے ساتھ شدید مناظرہ ہے۔

زُہری کون ہے؟

زُہری تابعین میں سے تھا اور اس کا شمار اس دور کے فقہاء اور مدینہ کے بزرگ محدثین میں ہوتا تھا اس نے اس دور میں رائج عالم تسنن کے ساتوں علوم کو حاصل کیا تھا اور دس صحابیوں کے زمانے کو درک کیا تھا اس طریقہ سے کہ فقہ و حدیث کے بعض بزرگوں نے

اس سے روایات نقل کی ہیں۔ (۱)

اس نے اپنے ان سوابق کی روشنی میں علمی اور فقہی محفلوں میں بہت زیادہ شہرت اور مقام حاصل کرلیا تھا اس نے جوانی کے کچھ دن چوتھے امام کی شاگردی میں گذارے تھے اور آنحضرت سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ (۲)

لیکن بعد میں بنی امیہ کے خلفاء نے اس کی شہرت اور قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکومت کو مشروع اور قانونی بنانے کی غرض سے اسے اپنے دربار میں سمولیا اور وہ بنی امیہ کے دربار سے مال و دولت، آرام و آسائش حاصل کرنے کے قصد سے عبدالملک بن مروان کے نزدیکی اور ہمنشین افراد میں اور اس کے بعد اس کے بیٹوں یعنی ولید، سلیمان، یزید اور ہشام کے دربار کے مقرّب افراد میں سے ہوگیا۔

ہشام بن عبدالملک نے اسے اپنے بیٹوں کے لئے معلم کا عہدہ دیا اور وہ آخر عمر تک اسی عہدے پر رہا۔ (۳) چونکہ وہ پوری طرح سے بنی امیہ کے دربار سے وابستہ ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ان کے فائدے کے لئے اور ان کی کفر آمیز حکومت کی توجیہ کے لئے یا خاندان بنی ہاشم کی مخالفت میں بہت سی حدیثیں گڑھی ہیں یا تحریف کی ہیں۔ (۴)

زُہری کو امامؑ کا خط

زُہری کے ان سیاہ کارناموں کو دیکھتے ہوئے امامؑ نے اسے سخت اور واضح الفاظ میں

(۱) سفینۃ البحار: شیخ عباس قمی، ج ۱، ص ۵۷۳ (مادہ زہر) تتمۃ المنتھی فی وقایع ایام الخلفاء، تصحیح: علی محدث زادہ، ص ۸۷، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ابن العماد الحنبلی، ج ۱، ص ۱۶۲

(۲) سیرۂ پیشوایان: مہدی پیشوائی، ص ۲۷۸

(۳) البدایۃ والنھایہ: ابن کثیر، ج ۹، ص ۳۴۳

(۴) سیرہ پیشوایان: مہدی پیشوائی، ص ۲۸۴ـ۲۸۹

نصیحت آمیز اور خیر خواہانہ طریقہ سے ایک خط لکھا کہ جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

"خدا ہمیں اور تمہیں فتنوں سے محفوظ رکھے اور تم کو آتش (جہنم میں گرفتار ہونے) سے بچائے تم ایسی حالت میں ہو کہ جو شخص بھی تمہاری اس حالت کو پہچانے گا اس کے لئے مناسب ہے کہ تمہاری حالت پر ترس کھائے۔

اس بات کا گمان مت کرو کہ خدا تمہارا عذر قبول کرلے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ہرگز نہیں، خدا نے اپنی کتاب میں علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حقائق کو لوگوں کے سامنے بیان کریں...... مجھے اس بات کا کتنا زیادہ خوف ہے کہ کہیں کل تمہارا اور خیانت کرنے والے افراد کا مقام تمہارے گناہوں کی وجہ سے ایک ہو اور اس چیز کی وجہ سے کہ جو تم نے ستمگروں کا ساتھ دینے کے عوض میں حاصل کی ہے۔ تمہارا حساب و کتاب کیا جائے....

اب تم اپنے عہدوں اور مظالم سے کنارہ کشی اختیار کرو تا کہ گذرے ہوئے پاک اور صالح افراد سے ملحق ہو جاؤ۔

خداوند عالم نے تمہیں (علوم) قرآن کا حامل بنایا اور علوم دین کو تمہارے پاس امانت قرار دیا لیکن تو نے انہیں ضائع کر دیا۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں تمہاری گمراہی سے محفوظ رکھا۔ والسلام(۱)

۵۔ احکام شرعی اور اخلاقی و تربیتی مطالب کی نشر و اشاعت

چوتھے امامؑ کی ثقافتی کاوشوں میں سے ایک اسلامی احکام کی نشر و اشاعت اور تربیتی

---

(۱) تحف العقول: حسین بن علی بن شعبہ،، تصحیح و تعلیق، علی اکبر الغفاری، موسسۃ النشر الاسلامی قم ۱۴۱۴ھ، ص، ۲۷۴-۲۷۷

اخلاقی بحثوں کو بیان کرنا بھی تھا۔ امامؑ نے اس میدان میں بہت سے بلند اور [illegible] قدم اٹھائے ہیں کہ جنہوں نے دانشوروں کو حیرت و تعجب میں ڈال دیا ہے

اور انہیں داد و تحسین دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ جیسا کہ شیعوں کے عظیم عالم شیخ مفید اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: ''فقہاء اہل سنت نے آپ سے اتنے زیادہ علوم نقل کئے ہیں کہ جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے (اس کے علاوہ) مواعظ، دعائیں، قرآن مجید کے فضائل اور حلال و حرام (مسائل) اتنے زیادہ آنحضرت سے نقل ہوئے ہیں جو علماء کے درمیان مشہور ہیں اگر ہم ان کی شرح کرنا چاہیں تو بات بہت طولانی ہو جائے گی............''(۱)

چوتھے امامؑ کی تربیتی اور اخلاقی تعلیمات کا ایک نمونہ جو یادگار کے طور پر باقی رہ گیا ہے ''رسالۃ الحقوق'' نامی مجموعہ ہے جس میں امامؑ نے انسان کے مختلف وظائف کو خواہ وہ اللہ کی بارگاہ میں، خواہ اپنے نفس کی بہ نسبت ہوں یا دوسروں سے متعلق ہوں بیان کئے ہیں۔ امامؑ نے ان وظائف کو جن کی تعداد پچاس حقوق ہے پہلے بطور اجمال اور پھر ان کو بطور تفصیل بیان کیا ہے۔(۲)

رسالۃ الحقوق جو محدثین کے ذریعہ سے نقل ہو کر ہماری احادیث کی کتابوں میں محفوظ کی گئی ہے متعدد بار علاحدہ طور پر طبع ہوا ہے اور اس کے متعدد ترجمے اور شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔

....

(۱) الارشاد، ص ۲۶۰۔

(۲) اس رسالہ کو شیخ صدوق نے کتاب ''الخصال'' میں سند کے ساتھ اور کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ'' میں (ج ۲ ص ۶۱۸ پر) بغیر سند کے روایت کیا ہے۔ حسن بن علی بن شعبہ نے بھی کتاب تحف العقول میں بغیر سند کے البتہ واضح تر نقل کیا ہے۔ شیخ صدوق کے نقل کی بنیاد پر حقوق کی تعداد ۵۱ ر ہے اور ابن شعبہ کی روایت کی بنیاد پر ۵۰ ر ہے۔ زندگانی علی بن الحسینؑ: ڈاکٹر سید جعفر شہیدی، ص ۱۶۹۔۱۸۸

محتاج افراد کی کفالت

چوتھے امام کی زندگی کا ایک درخشاں پہلو آپ کا اس تاریک دور میں اجتماعی خدمات انجام دینا ہے یہ خدمات آنحضرت کی زندگی کے آخری ایام تک بغیر کسی فرق کے جاری رہیں خواہ واقعہ حرّہ جیسے بحرانی اور پُر آشوب دور میں ہوں یا امن وسکون کے دور میں کہ جب محتاج اور فقیر افراد آپ کے دست نوازش کے انتظار میں رہتے تھے جوان کی طرف مہربانی اور کرم کے ساتھ بڑھایا جاتا تھا۔

آپ کی اس قسم کی خدمات کے برجستہ نمونوں کو تاریخ بیان کرتی ہے:

چوتھے امامؑ شہر مدینہ کے سو فقیر گھرانوں کی زندگی کے اخراجات کے ذمہ دار تھے۔(۱)

مدینہ کے بعض افراد ان غذاؤں سے کہ جو راتوں کو ان تک پہنچتی تھی اپنی زندگی گذارتے تھے لیکن اس غذا کے لانے والے کو نہیں پہچانتے تھے۔ امام سجادؑ کی رحلت کے بعد وہ لوگ اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ جو شخص راتوں میں ان کے لئے کھانے کی چیزیں لاتا تھا وہ علی بن الحسینؑ تھے۔(۲)

آپ راتوں کو اس طریقہ سے کہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکیں روٹیوں کے گٹھروں اور کھانے کی چیزوں کو کاندھے پر رکھ کر فقراء کے گھروں تک لے جاتے تھے اور فرماتے تھا:

"مخفی طور پر دیا جانے والا صدقہ خدا کے غصہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔(۳)

(۱) حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اصفہانی، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ، ج ۳، ص ۱۳۶، کشف الغمۃ: علی بن عیسی الاربلی، مکتبۃ بنی ہاشم تبریز ۱۳۸۱ھ، ج ۲، ص ۲۸۹، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: شبلنجی، مکتبۃ المشہد الحسینی قاہرہ، ص ۱۴۰۔
(۲) کشف الغمۃ: علی بن عیسی الاربلی، ص ۲۸۹۔ نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: شبلنجی، ص ۱۴۰
(۳) کشف الغمۃ: علی بن عیسی الاربلی، ص ۲۸۹۔ حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اصفہانی، ۱۳۶۔

مدینہ کے لوگ کہتے تھے: ہم اس وقت مخفی طریقے سے دیے جانے والے صدقہ سے محروم ہو گئے کہ جب علی بن الحسینؑ کی رحلت ہوئی۔ (۱)

حضرت امام سجادؑ نے اپنی پوری زندگی میں اس قدر روٹیوں اور کھانے کے گٹھروں کو اپنے کاندھے پر رکھ کر فقراء کے گھروں تک پہنچایا تھا کہ آپ کے شانے زخمی ہو گئے تھے جس پر آپ نے روئی باندھ رکھی تھی۔ جیسا کہ آپ کی شہادت کے بعد جب آپ کے جنازے کو غسل دیا جا رہا تھا تو لوگ آپ کے ان زخموں کی طرف متوجہ ہوئے اور جب انہوں نے اس کی علت دریافت کی تو جواب ملا کہ یہ زخم راتوں کو کھانے کی چیزوں سے بھرے گٹھروں اور بوریوں کو کاندھے پر لاد کے فقراء کے گھروں تک پہنچانے کی وجہ سے آئے تھے۔ (۲)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اصفہانی، ج ۳، ص ۱۳۶۔ نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: شبلنجی ص ۱۴۰۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ص ۳۱۳ و ۲۹۰۔

(۲) حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اصفہانی، ج ۳، ص ۱۳۶۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ۲۸۹۔ الخصال: شیخ صدوق، ص ۵۱۷ و ۵۱۸

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

حضرت امام محمد باقرؑ ۵۷ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امام زین العابدینؑ کی وفات (۹۴ھ) کے وقت آپ کی عمر ۳۹ سال تھی آپ کا نام ''محمد'' اور کنیت ابو جعفر ہے باقر اور باقر العلوم آپ کے القاب ہیں۔

آپ کی ماں ''امّ عبداللہ'' امام حسنؑ کی بیٹی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ پہلے شخص تھے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے فاطمی اور علوی تھے۔ آپ کی امامت کی مدت ۱۸ سال تھی آپ نے ۱۱۴ھ میں شہر مدینہ میں وفات پائی اور بقیع کے مشہور قبرستان میں اپنے والد ماجد اور جد کے پاس دفن کئے گئے۔

آپ کے دور کے خلفاء

ہمارے پانچویں امام اپنی امامت کے دور میں درج ذیل خلفاء اور حکمرانوں کے ہم عصر تھے:

۱۔ ولید بن عبدالملک (۸۶۔۹۶ ہجری)☆

۲۔ سلیمان بن عبدالملک (۹۶۔۹۹ ہجری)

☆ بریکٹ میں مذکور سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

۳۔ عمر بن عبدالعزیز (۹۹۔۱۰۱ ہجری)

۴۔ یزید بن عبدالملک (۱۰۱۔۱۰۵ ہجری)

۵۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵۔۱۲۵ ہجری)

عظیم علمی تحریک کے بانی

پانچویں امامؑ اپنی امامت کے دوران انہیں ناسازگار حالات میں حقائق و معارف الہی کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے اور علمی مشکلات کی تشریح فرماتے رہے اور ایسی وسیع علمی جنبش کو وجود بخشا کہ جس نے ایک عظیم اسلامی دانشگاہ کی تاسیس کے مقدمات فراہم کئے اور بعد میں یہی دانشگاہ آپ کے فرزند امام جعفر صادقؑ کی امامت کے دور میں عظمت کے اوج پر پہنچ گئی۔ پانچویں امامؑ علم زہد اور عظمت وفضیلت کے اعتبار سے بنی ہاشم کے تمام بزرگوں میں سرفہرست تھے۔ علم اور اخلاق کے اعتبار سے آپ کے بلند مرتبے کی تصدیق دوست اور دشمن سبھی کرتے تھے۔ اتنی زیادہ روایات اور احادیث آپ نے اسلامی احکام، تفسیر تاریخ اور دوسرے مختلف علوم اور مسائل کے متعلق نقل ہو کر باقی رہ گئی کہ جتنی اس زمانے تک امام حسنؑ یا امام حسینؑ کے کسی بھی فرزند سے یادگار نہیں۔ (۱)

اس دور کی اہم علمی شخصیتیں پیغمبر اکرمؐ کے بعض اصحاب جو اس وقت تک زندہ تھے وہ آپ کے حضور سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔

جابر بن یزید جعفی، کیسان سجستانی (جو تابعین میں سے تھے اور ابن مبارک، زہری اوزاعی، ابوحنیفہ، مالک، شافعی، زیاد بن منذر مہدی جیسے فقہاء نے کہ جو آپ کے علم سے مستفیض ہوئے تھے آپ کے اقوال کو بغیر واسطے کے یا بعض موارد میں واسطہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

....

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۲۶۱۔

اہل تسنن کے علماء و مورخین مثلاً طبری، بلاذری، سلامی، خطیب بغدادی، ابونعیم اصفہانی کی تالیفات اور موطا مالک، سنن ابی داؤد، مسند ابی حنیفہ، مسند مروزی، تفسیر نقاش، تفسیر زمخشری، اور ایسی ہی بہت سی دوسری کتابیں کہ جن کا شمار عالم تسنن کی سب سے زیادہ اہم کتابوں میں ہوتا ہے، پانچویں امام کے پر مغز اقوال سے بھری ہوئی ہیں اور ہر جگہ ہمیں "قال محمد بن علی" یا "قال محمد الباقر" دیکھنے کو ملتا ہے۔(۱)

شیعوں کی کتابیں بھی مختلف علوم وفنون میں امام محمد باقر کے اقوال و احادیث سے مملو ہیں اور جس شخص کو بھی ان کتابوں کے متعلق مختصر سی واقفیت ہوگی وہ اس بات کی تصدیق کرے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام دانشوروں کی نظر میں

امام محمد باقرؑ کے علم و دانش کی شہرت مملکت اسلامی کے مختلف گوشوں میں اس قدر تھی کہ آپ کو "باقر العلوم" (علم و دانش کے دریچے اور علمی مشکلات کی گرہیں کھولنے والا) کا لقب حاصل ہوگیا۔

اہل سنت کے ایک جید عالم ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں "محمد باقرؑ نے اتنے زیادہ علم و معارف کے مخفی خزانوں کو آشکار کیا تھا احکام کے حقائق اور حکمتوں اور لطائف کو اس قدر بیان کیا تھا کہ جو بدسیرت بے بصیرت افراد کے علاوہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔(۲) اسی لئے آپ کو علم کا شگافہ کرنے والا اور جامع اور علم کا پرچم بلند کرنے والا کہا گیا ہے۔

عبداللہ بن عطاء جو امامؑ کے دور کی چیدہ شخصیتوں اور عظیم دانشوروں میں سے تھا کہتا ہے کہ مجھے علماء اسلام محمد بن علیؑ کی محفل میں علمی لحاظ سے جتنا حقیر نظر آئے اتنا کسی دوسری محفل میں نہیں۔

---

(۱) مناقب آل ابی طالبؑ: ابن شہر آشوب، ج۴، ص۱۹۵۔

(۲) الصواعق المحرقہ: ابن حجر مکی، مکتبۃ القاہرۃ، قاہرہ، ص۲۰۱۔

میں نے حکم بن عتبہ کو کہ جس کے علم اور فقہ کی شہرت ہر طرف تھی۔ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں اس حالت میں دیکھا جس طرح سے ایک بچہ اپنے استاد عالی مقام کے سامنے زانوے ادب تہہ کئے ہوئے تھا۔ اور وہ آپ کی باتوں اور آپ کی شخصیت کا شیفتہ اور گرویدہ ہو گیا تھا۔ (۱)

امام محمد باقرؑ اپنی باتوں میں اکثر قرآن مجید کی آیات سے استفادہ فرماتے تھے اور کلام الٰہی سے مشاہد پیش کرتے تھے اور فرماتے تھے ''میں جو بھی بات بیان کروں اس کے متعلق سوال کیا کرو کہ قرآن مجید میں کس جگہ پر ہے تاکہ اس موضوع سے متعلق آیت کی نشاندہی کرسکوں۔ (۲)

آپ کے شاگرد

حضرت امام محمد باقرؑ نے فقہ، حدیث تفسیر اور دوسرے اسلامی علوم میں بہت سے جید شاگردوں کی تربیت فرمائی کہ جن میں سے ہر ایک عظیم علمی شخصیت شمار کیا جاتا تھا۔

محمد بن مسلم، زرارہ بن اعین، ابوبصیر، بُرید بن معاویہ عجلی، جابر بن یزید، حمران بن اعین اور ہشام بن سالم جیسی بزرگ ہستیوں نے آپ کے در سے ہی تربیت پائی تھی۔

چھٹے امامؑ فرماتے ہیں کہ ''ہمارے مذہب اور میرے والد کی احادیث کو چار لوگوں نے زندہ کیا اور وہ چار لوگ یہ ہیں:

۱۔ زرارہ۔ ۲۔ ابوبصیر (لیث مرادی)

---

(۱) تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، ص ۳۳۷۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج ۲، ص ۳۲۹۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ: فضل بن الحسین الطبرسی، ص ۲۶۹۔

(۲) احتجاج: طبرسی، ص ۱۷۶۔

۳۔ محمد بن مسلم ۴۔ برید بن معاویہ عجلی

اگر یہ افراد نہ ہوتے تو کوئی بھی شخص دین کی تعلیمات اور پیغمبر اکرمؐ کے مکتب سے مستفیض نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ لوگ حفاظت دین میں مصروف تھے۔ یہ لوگ ہمارے دور کے شیعوں میں سب سے پہلے افراد تھے کہ جو ہمارے مکتب سے آشنا ہوئے اور قیامت کے دن بھی دوسروں سے پہلے ہم سے ملحق ہونگے"۔(۱)

امام محمد باقرؑ کے شاگرد اپنے دور کے فقہاء اور محدثین میں شمار ہوتے تھے اور علمی میدان میں فقہاء اور غیر شیعی قاضیوں پر برتری اور سبقت رکھتے تھے۔

سیاسی اور اجتماعی حالات اور شرائط

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ امام محمد باقرؑ پانچ اموی خلفاء کے ہم عصر تھے اب ہم امام محمد باقرؑ کے زمانے کے سیاسی اور اجتماعی حالات کا جائزہ لینے کے لئے حکومت اور سماج کو چلانے میں ان خلفاء کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اگر چہ یہ خلفاء بھی ظلم وستم، استبداد اور زبردستی میں اپنے بزرگوں سے کم نہیں تھے لیکن ملک کی دیکھ بھال اور امور جامعہ کو چلانے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفاوت تھے جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ولید آبادی اور آباد سازی سے دلچسپی رکھتا تھا اس نے عمومی اور رفاہی کام کئے مثلاً اسپتال اور دار الاتیام (تیموں کی پرورش کا گھر) تاسیس کیا۔ اس کے دور میں بنی امیہ کی حکومت کے حدود کو مشرق ومغرب میں وسعت ملی اور فتوحات کا سرا اندلس (اسپین) تک پہنچ گیا۔

---

(۱) اختیار معرفۃ الرجال (مشہور بہ رجال کشی)، شیخ طوسی، تصحیح وتعلیق، حسن المصطفوی ص ۱۳۶۔۱۳۷ (حدیث شمارہ ۲۱۹)

ان تمام باتوں کے باوجود وہ ایک علم سے محروم ستمگر اور خونخوار شخص تھا۔ سلیمان تجمل پرست، شہوت پسند، اور بسیار خوری سے دلچسپی رکھتا تھا اور اپنے کارندوں کے متعلق خاص نظریوں کو عمل میں لاتا تھا اس طرح سے کہ بعض کو مورد توجہ قرار دیتا تھا اور بعض کا خاتمہ کرنے کے لئے نقشہ تیار کرتا تھا۔ وہ قبائلی تعصبات کے جذبے کے تحت مصری قبیلوں پر دباؤ ڈالتا تھا اور ساتھ ہی یمنی رقیبوں کی حمایت کرتا تھا اس نے ''موسیٰ بن نُصیر'' اور ''طارق بن زیاد'' جیسے دو شجاع اور فاتحین اندلس کی طرف سے بے توجہی برتی اور انہیں نکال باہر کیا۔

یزید بن عبدالملک ایک عیاش اور بے پرواہ شخص تھا اور کسی بھی اخلاقی اور دینی اصول کا پابند نہیں تھا اسی بناء پر اس کی حکومت کا زمانہ بنی امیہ کی حکومت کے سب سے سیاہ اور تاریک زمانوں میں سے تھا اس کی حکومت کے دور میں کوئی بھی کامیابی اور فتح یا اسلامی سماج میں کوئی درخشاں واقعہ نہیں ہوا اس کی ظالمانہ سیاست نے مسلمانوں میں نفرت کی لہر دوڑا دی یہاں تک کہ بنی امیہ کے بزرگوں کے ایک گروہ نے بھی اس کے اعمال وافعال پر اعتراض کیا۔

ہشام ایک بخیل، سخت، گستاخ، ستمگر، بے رحم اور سخنور شخص تھا وہ مال ودولت جمع کرنے اور آبادکاری کے لئے کوشش کرتا تھا اس کے دور میں بعض ہاتھ کی صنعتوں کو رونق ملی لیکن اس کے بے اُنس اور سخت مزاج ہونے کی وجہ سے لوگوں کی زندگی دشوار ہوگئی معاشرے سے انسانی محبتیں اور ہمدردی کے جذبات زوال کی طرف مائل ہو گئے ایک دوسرے کی مدد اور نیکی کرنے کی رسم اٹھ گئی اس طرح سے کہ کوئی بھی شخص دوسرے سے ہمدردی اور ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتا تھا ہشام دوسرے خلفاء سے زیادہ پانچویں امامؑ سے سختی سے پیش آتا تھا۔

ان تمام خلفاء کے درمیان عمر بن عبدالعزیز کو مستثنیٰ کرنا چاہئے کیونکہ وہ نسبتاً عدالت برتنے والا اور پیغمبر اکرمؐ کے خاندان سے محبت آمیز برتاؤ کرتا تھا اس نے بہت سے بڑے

بڑے قدم اٹھائے خواہ وہ بنی ہاشم اور فاطمیوں کے پامال شدہ حقوق میں سے بعض کو واپس دلانے کی راہ میں ہوں یا معاشرہ میں عدالت کو رواج دینے کی راہ میں ہوں اس نے امیر المومنین پر دشنام طرازی کی بدعت کو جو معاویہ کے دور سے رائج تھی ممنوع قرار دیا۔ اور باغ فدک کو حضرت فاطمہ زہرا کے صاحبزادوں کو واپس کر دیا اس نے غیر عرب مسلمانوں کی حمایت کی جو عرب مسلمانوں کے برابر حقوق سے محروم تھے چنانچہ آگے بیان کریں گے کہ وہ پہلا خلیفہ تھا کہ جسے قانونی طور پر حدیث کو جمع کرنے اور لکھنے کی طرف رغبت دلائی۔ گویا اس کی انہیں خدمات کو دیکھتے ہوئے امام محمد باقرؑ فرماتے تھے ''عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ کی نسل کا نجیب فرد تھا۔'' (۱)

حدیث لکھنے پر پابندی

ان گہرے انحرافات کے اثر سے کہ جو پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد اسلامی معاشرہ میں رونما ہوئے ایک اور افسوس ناک حادثہ بھی پیش آیا کہ جس کے برے اور مضر اثرات مدتوں تک عالم اسلام پر بھاری پڑے اور وہ حدیث کو لکھنے نقل کرنے اور جمع کرنے پر پابندی عائد کرنا تھا۔

اس کے باوجود کہ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث اور گفتار قرآن مجید کے بعد دوسرے نمبر پر اہمیت کی حامل ہے اور آسمانی کتاب کے بعد اسلامی تہذیب کے لئے سب سے بڑا منبع شمار کی جاتی ہے اور اصولاً یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں ہو سکتے۔

خلیفہ اوّل اور دوم حدیث کے نقل اور تدوین کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بے بنیاد بہانوں کو لے کر مگر درحقیقت سیاسی مقاصد کے تحت حدیث کو نقل کرنے اور لکھنے

(۱) تاریخ الخلفاء: سیوطی، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، مطبعۃ المدنی قاہرہ، ص ۲۳۰۔

کے متعلق مسلمانوں کی تمام کوششوں کی سختی سے ممانعت کردی۔

ابوبکر کہتے تھے: ''رسولؐ خدا سے کوئی بھی چیز نقل نہ کرو اور اگر کوئی تم سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہمارے اور تمہارے درمیان موجود ہے اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔(۱)

خلیفہ دوم نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث لکھنے پر پابندی عائد کرنے کے لئے ایک خط میں جو تمام اسلامی علاقوں کے لئے تھا اس طرح لکھا: جس نے بھی رسول اکرمؐ سے کوئی بھی حدیث لکھی ہو وہ اس کو ضائع کردے۔(۲)

انھوں نے صرف اس حکم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پیغمبر اکرمؐ کے تمام اصحاب اور حافظان حدیث کو تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا کہ حدیث کو نقل کرنے اور لکھنے سے پرہیز کریں۔(۳)

اس سلسلہ میں خلیفہ صرف تاکید اور درخواست کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ جو شخص بھی حدیث کو لکھتا تھا اسے سخت سزا دیتے تھے جیسا کہ ایک دن ''ابن مسعود'' ''ابو درداء'' اور ''ابوذر'' سے کہ جو تینوں صدر اسلام کی عظیم ہستیاں تھیں کہا: ''یہ حدیث کیا ہیں کہ جن کو تم پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتے ہو؟ اس کے بعد ان کو زندان میں بھیج دیا اور یہ تینوں افراد عمر کے مرنے تک زندان میں تھے۔(۴)

اس قسم کی سختیاں اور سزائیں اس بات کا سبب بنیں کہ دوسرے تمام مسلمانوں نے

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین ذہبی، دار التراث العربی بیروت، ج۱، ص۳

(۲) اضواء علی السنۃ المحمدیہ: محمود ابوریہ، ص۴۳۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین ذہبی، ص۷۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۲۔

(۴) المستدرک علی الصحیحین: الحاکم النیشاپوری، دار المعرفہ، بیروت [illegible] ۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ میں (ج۲، ص۷) پر ابوذر کی جگہ ابومسعود انصاری لکھا ہے۔

بھی حدیث کو لکھنے اور نقل کرنے کی جرأت نہ کی۔

ناقابل تلافی نقصان

ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولؐ کی حدیثیں بس حافظانِ حدیث کے سینوں میں رہ جائیں اور مسلمان اسلامی تہذیب کے اس عظیم منبع سے مدتوں کے لئے محروم ہو جائیں۔ شعبی کہتا ہے ''ایک سال تک عمر کے بیٹے کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا تھا لیکن میں نے اس دوران اس کی زبان سے بطور نمونہ ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ (۱)

سائب بن یزید کہتا ہے: مدینہ سے مکہ تک سعد بن مالک کے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن اس نے پورے راستے میں ایک حدیث بھی پیغمبر اکرمؐ سے نقل نہ کی۔ (۲)

دوسری طرف بعض بکے ہوئے اور جھوٹے افراد نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جھوٹے اور بے بنیاد مطالب کو وقت کی حکومتوں کے حکمرانوں کے فائدے اور ان کے حق میں حدیث کی صورت میں گڑھ کر پیش کیا چونکہ جب مدرک حافظوں اور ایک دوسرے کے سننے پر محدود ہو گیا تو طبعاً ہر شخص ہر قسم کے دعوے کر سکتا تھا چونکہ نہ کوئی کتاب موجود تھی اور نہ کوئی کاپی اور نہ ہی کوئی حساب! لہٰذا ظاہری بات ہے کہ ایسے حالات میں دسیوں ابوھریرہ پیدا ہو گئے تھے کہ جو ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لئے اپنے کو واقعی محدث قرار دیتے تھے یہ حالت پہلی صدی ہجری کے آخر تک یعنی عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کے دور (۹۹۔۱۰۱) تک جاری رہی عمر بن عبدالعزیز نے ایک شجاعانہ قدم اُٹھاتے ہوئے اس بری بدعت کا خاتمہ کر دیا اور لوگوں کو حدیث لکھنے اور جمع کرنے کی تشویق دلائی اس نے اس کام کی طرف تشویق اور ترغیب دلانے کی غرض سے اپنے ایک خط میں علماء اور

(۱) سنن ابن ماجہ، ص ۱۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ، ص ۱۲۔

راویوں کو اس طرح لکھا! پیغمبرؐ اکرم کی حدیثوں کو جمع کر کے انہیں لکھو کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ علماء اور اہل حدیث اس دنیا سے چلے جائیں اور ان کے جانے کے ساتھ ساتھ علم کا چراغ بجھ جائے۔(۱)

لیکن کام ابھی اپنے ابتدائی مرحلوں میں تھا اور ایک صدی کی پسماندگی کی تلافی کرنے کے لئے مدتوں کام کرنے کی ضرورت تھی۔ تا کہ پیغمبرؐ اکرم کی حدیثوں کو زندہ کیا جا سکے اور جو بھی لوگوں کے حافظوں میں محفوظ تھا وہ عمداً یا سہواً ہونے والی تحریفوں اور ملاوٹوں کے ساتھ کہ جو ایک فطری بات تھی کاغذ پر لایا جا سکے۔

چونکہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی مدت کم تھی لہٰذا یہ پروگرام تیزی سے ترقی نہیں کر سکا کیونکہ اس کے بعد یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک نے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی اور تنہا وہ چیز کہ ان کی حکومت میں جس کی طرف توجہ نہیں تھی وہ اسلام و مسلمین کی حالت پر رحم کرنا تھا

البتہ اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اگر چہ عمر بن عبدالعزیز کے دور سے حدیث کی نقل و کتابت آزاد ہوگئی لیکن ایک طرف پابندی کے دور میں گڑھی جانے والی حدیثیں حدیثی مجموعوں میں شامل ہوگئیں تو دوسری طرف سرکاری اور حکومت کے طرف دار محدثین نے ان حدیثوں کو نقل کرنے سے پرہیز کیا کہ جو کسی بھی طریقہ سے اہلِ بیتؑ اور شیعوں کے فائدے میں تھیں اور انہیں مخفی رکھا۔

بے بنیاد دلائل

یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے اور وہ یہ کہ حدیث کو نقل کرنے اور محفوظ کرنے پر پابندی

(۱) السنۃ قبل التدوین: محمد عجاج الخطیب، ص ۳۲۹

حدیث لکھنے کی ممانعت کیا تھی اور خلیفہ دوم نے کس قانون کے تحت ایسا حکم صادر کیا جب کہ ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ احادیث پیغمبر قرآن مجید کی طرح ہمارے لئے حجت ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور قرآن مجید ان تمام باتوں کے متعلق کہ جو رسول اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں (خواہ وہ قرآن ہو جو خدا کا کلام ہے یا حدیث ہو جس کے الفاظ خود رسول کے ہوں لیکن مطالب عالم وحی سے تعلق رکھتے ہوں) فرماتا ہے: ''پیغمبر ہرگز ہوا وہوس کی بنیاد پر کلام نہیں کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔(۱)

عبداللہ بن عمر پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے دونوں ہونٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عمر کے بیٹے! اُس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان دونوں (ہونٹوں) کے درمیان سے حق کے علاوہ کوئی چیز باہر نہیں آتی ہے میں جو کچھ بھی کہتا ہوں لکھو''۔(۲)

اس سوال کا جواب دینے کے لئے بعض افراد نے ہاتھ پیر مارے ہیں اور خلیفہ کے اس اقدام کے متعلق اپنی طرف سے فلسفہ تلاش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا: ''پیغمبرؐ کی حدیث کو نقل کرنے پر پابندی کا سبب یہ ہے کہ حدیثیں آیات قرآنی کے ساتھ مخلوط نہ ہونے پائیں!(۳)

یہ عذر اس قدر بے بنیاد ہے کہ جس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس دن رسول اکرمؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے قرآن مجید کی تمام آیات اور سورے معین

....

(۱) سورۂ نجم، آیہ ۳۔۴
(۲) المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج۱، ص۱۰۴۔ تدریب الراوی: سیوطی، دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۹ھ ج۲، ص۶۲
(۳) اضواء علی السنۃ المحمدیہ: محمود ابوریہ، ص۴۳

اور محفوظ کئے جا چکے تھے اور کاتبان وحی اور قاریان قرآن نے اپنے قوی حافظوں کے ذریعہ سے پورے قرآن کو حفظ کر لیا تھا اور قرآن مجید کی آیتیں اور سورے معین اور مشخص حالت میں مسلمانوں کی دسترس میں تھے اس طرح سے کہ کوئی بھی شخص ان میں سے ایک حرف بھی کم یا زیادہ نہیں کر سکتا تھا ایسی صورت حال میں کیا حدیثوں کا لکھا جانا قرآن مجید کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا؟"

اس کے علاوہ قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت، روانی اور سلاست، کشش، ترکیب اور جملہ بندی کے لحاظ سے ایسا ہے کہ جس سے مشابہ کوئی بھی کلام اور تحریر نہیں ہے اور کوئی بھی کلام اگر چہ وہ فصاحت کے لحاظ سے سب سے بلند درجہ پر ہو قرآن مجید کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا۔

سیاسی مقاصد کی کارفرمائی

قرائن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ حکم سیاسی مقاصد کے تحت تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس حکم کے زیر سایہ اس عظیم امتیاز کو ختم کیا جا سکے کہ جو امیر المومنینؑ کے حصہ میں تھا۔ کیونکہ امیر المومنینؑ نے پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں ہی ایسی کتابیں تالیف فرمائی تھیں کہ جن میں پیغمبر اکرمؐ کی حدیثوں اور ان حقائق کو جمع کیا تھا کہ جن کو مختلف ابواب میں آنحضرت سے سیکھا تھا۔

شیعہ، تدوین حدیث کے بانی

خوش قسمتی سے شیعوں نے پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے دور سے ہی اس میدان میں بہت سی کوششیں کیں اور امیر المومنینؑ کی پیروی کرتے ہوئے حدیث کو نقل کرنے، جمع کرنے اور محفوظ کرنے کی راہ میں قدم آگے بڑھائے جنہوں نے حدیثوں اور روایتوں کے بہت

ے گراں قیمت آثار اور مجموعے بطور یادگار چھوڑے۔ حضرت علیؑ رسولؐ خدا کی حدیثوں
کو جمع کرنے والے پہلے شخص تھے پیغمبر اسلامؐ نے حدیثوں کو املا کیا اور علیؑ نے انہیں لکھا
اور ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا حضرت علیؑ کے بعد یہ کتاب ائمہ معصومینؑ کے اختیار
میں تھی یہاں تک کہ امام محمد باقرؑ تک منتقل ہوئی۔ ایک دن حکم بن عتبہ نے اس کتاب کو
امام محمد باقرؑ کے پاس دیکھا حکم بن عتبہ ایک مسئلہ میں امامؑ سے نظریاتی اختلاف رکھتا تھا۔
امامؑ نے اسے وہ کتاب دکھائی اور مختلف فیہ مسئلہ کے بارے میں جو حدیث لکھی تھی وہ اس
کے سامنے پیش کی اور فرمایا: ''یہ رسول خدا کا املا اور حضرت علیؑ کی تحریر ہے۔ (۱)

اس سے قطع نظر امیر المومنینؑ نے دیات سے متعلق بھی ایک کتاب تالیف فرمائی تھی
کہ جسے صحیفہ کہا جاتا تھا اور آپ اسے طومار کی طرح اپنی تلوار میں باندھتے تھے آنحضرت
سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہمارے پاس ایسی کوئی کتاب نہیں ہے کہ جسے
پڑھیں مگر کتاب خدا اور یہ صحیفہ، صحیفہ کے مطالب زخموں اور جراحتوں کے شرعی احکام پر
مشتمل تھے۔ صحیفہ کے متعلق حضرت علیؑ کے ارشاد سے واضح طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ اس
دور میں قرآن مجید کے علاوہ دوسری کوئی بھی کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور حضرت علیؑ پہلے شخص
ہیں جنھوں نے فقہ وحدیث کے متعلق کتابیں تدوین فرمائیں۔ (۲)

عالم تسنن کے نامور عالم سیوطی، حضرت علیؑ اور آپ کے فرزند امام حسنؑ کو کتابت
حدیث کے طرف داروں میں شمار کرتے ہیں۔ (۳)

---

(۱) فہرست اسماء مصنفی الشیعہ: نجاشی، ص ۲۵۵ (شرح حال محمد بن عذافر)۔ الشیعہ وفنون الاسلام: سید حسن الصدر، ص ۶۵۔

(۲) مؤلفو الشیعہ فی صدر الاسلام: السید عبد الحسین شرف الدین، ص ۱۴۔۱۵۔ مرحوم سید حسن صدر لکھتے ہیں اس کتاب کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے اور بخاری نے باب کتابۃ العلم میں اس صحیفہ سے روایت نقل کی ہے۔ تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، ص ۲۷۹۔

(۳) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ج ۲، ص ۶۱۱۔

اگر جائعہ تسنن نے حدیث کو لکھنے پر پابندی کی بدعت کے نتیجہ میں ۹۰ سال یا اس سے
زیادہ مدت تک حدیثوں کو محفوظ نہیں کیا تو خوش قسمتی سے جامعہ تشیع اس راہ میں آگے آگے رہی
کیونکہ خود پیغمبر اکرمؐ کے دور میں بھی حضرت علیؑ کے علاوہ ابورافع نے بھی کہ جو آنحضرت
کے اصحاب اور حضرت علیؑ کے چاہنے والوں میں سے تھے ایک کتاب "السنن والاحکام
والقضایا" کے نام سے لکھی۔(۱) اور اس میں اسلام کے مختلف ابواب سے متعلق خصوصی
احکام اور سنن کو مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قضایا کے متعلق کے احکام کو جمع کیا۔ اگر ہم
اس کتاب کو صحابہ کے ذریعہ جمع کی جانے والی پہلی حدیث کی کتاب شمار کریں تو اس
نوعیت کی پہلی فقہی کتاب بھی شمار کر سکتے ہیں۔

ابورافع نے ایسے وقت میں اس کتاب کو لکھا کہ جب حدیث کو لکھنا خلیفۂ وقت کی نظر
میں بہت بڑا جرم شمار کیا جاتا تھا۔ ابورافع کے بعد دوسرے شیعہ مؤلفین بھی اسی پابندی کے
دور میں اسلامی حدیثوں کو لکھنے اور ان کو محفوظ کرنے میں مشغول ہو گئے اور اس طریقہ سے
انہوں نے اپنے اماموں کے اقوال کو تحریف اور دوسری آفات زمانہ کے ہاتھوں سے محفوظ
رکھا۔ یہ پروگرام امیر المؤمنینؑ کے دور سے امام محمد باقرؑ کے دور تک جاری رہا اور امام محمد
باقرؑ کے دور میں اسے درخشاں ترقی حاصل ہوئی اس طریقہ سے کہ جب عمر بن عبدالعزیز
نے حدیث کو جمع کرنے کا حکم صادر کیا تو پانچویں امام کے ہر جید صحابی اور شاگرد کو ہزاروں
حدیثیں یاد تھیں۔

محمد بن مسلم جو شیعوں کی عظیم شخصیتوں اور بلند درجہ کے بافضیلت راویوں میں سے
تھے فقہ و حدیث میں پانچویں امامؑ کے شاگردوں کے درمیان نمونہ کے مثل تھے وہ کوفے
کے رہنے والے تھے اور شہر مدینہ میں چار سال تک قیام کے دوران برابر امام محمد باقرؑ کی

(۱) فہرست اسماء مصنفی الشیعہ نجاشی ص۴۔

خدمت میں اور آپ کے بعد امام صادقؑ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے اور ان دو بزرگ اماموں کے حضور سے مستفیض ہوتے تھے آپ کا کہنا ہے کہ: ''جس موضوع کے متعلق بھی میرے ذہن میں خیال آتا تھا میں اس کے متعلق امام محمد باقرؑ سے پوچھتا تھا اس طریقہ سے کہ میں نے پانچویں امامؑ سے ۳۰/ ہزار حدیثیں اور امام صادقؑ سے ۱۶/ ہزار حدیثیں یاد کرلیں۔(۱)

امام محمد باقرؑ کے شاگردوں میں اگر اختلاف نظر پیدا ہوتا تھا تو وہ محمد بن مسلم کے پاس جاتے تھے اور انہوں نے جو کچھ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے سنا ہوتا تھا وہ ان کے جواب میں نقل کرتے تھے۔(۲) محمد بن مسلم نے ایک کتاب تالیف کی تھی کہ جس کا نام ''اربعمائۃ مسالۃ'' تھا (یعنی چارسو مسائل) گویا اس میں ان چارسو مسائل کا جواب تھا کہ جنہیں پانچویں اور چھٹے امامؑ کی زبان سے انہوں نے سنا تھا۔(۳) مکتب امام محمد باقرؑ سے تربیت پانے والوں میں سے ایک اور شخصیت جابر بن یزید جعفی کی ہے وہ بھی کوفہ کے رہنے والے تھے اور امام محمد باقرؑ کے حضور سے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے شہر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور پانچویں امامؑ کے پرفیض مکتب سے مستفیض ہونے کے سبب سے بلند علمی درجات پر فائز ہوئے۔

جابر ستر ہزار حدیثوں کے حافظ تھے جو انہوں نے امام محمد باقرؑ سے سنی تھیں۔(۴) انہوں نے پانچویں امامؑ کے علوم و دانش سے فائدہ حاصل کرکے بہت سی کتابیں اور آثار بطور یادگار چھوڑے ہیں کہ جو شیعوں کی حدیث لکھنے اور معارف اسلامی کو جمع کرنے پر توجہ کی

(۱) شیخ مفید، الاختصاص، ص ۲۰۱۔ اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۱۶۳، (نمبر ۲۷۶)
(۲) الاختصاص: شیخ مفید، ص ۲۰۱۔
(۳) مؤلفو الشیعہ فی صدر الاسلام: السید عبدالحسین شرف الدین، ص ۶۴۔
(۴) اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۱۹۴۔ الاختصاص: شیخ مفید، ص ۶۶۔

دوسری دلیل ہے۔علماء نے جابر کے علمی آثار میں آٹھ کتابیں ذکر کی ہیں۔(۱)

''زرارہ بن اعین'' نے بھی کہ جو امام محمد باقرؑ کے جید شاگردوں میں سے تھے آنحضرت سے ایک ہزار دو سو چھتیس حدیثیں نقل کی ہیں۔(۲)

امام محمد باقر علیہ السلام شام میں

پانچویں امامؑ کی مایۂ افتخار زندگی کے اہم واقعات میں سے آپ کا شام سفر کرنا بھی ہے۔

ہشام بن عبدالملک جو آپ کے دور میں خلیفہ تھا ہمیشہ آپ کی غیر معمولی محبوبیت اور مقام و منزلت سے خوف زدہ رہتا تھا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ پانچویں امامؑ کی پیروی کرنے والے آپ کو اپنا امام سمجھتے ہیں لہذا وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتا تھا کہ آپ کے معنوی نفوذ کے بڑھنے اور آپ کی پیروی کرنے والوں میں اضافہ کو روک سکے۔

ایک سال جب امام محمد باقرؑ اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے تو ہشام بھی حج کے لئے روانہ ہوا حج کے دنوں میں امام صادقؑ نے مسلمانوں کے ایک مجمع میں اہل بیتؑ کی فضیلتوں اور امامت کے متعلق گفتگو کی جس کی خبر فوراً ہشام کی طرف سے مامور افراد کے ذریعہ سے اس کے کانوں تک پہنچی۔

ہشام جو ہمیشہ امام محمد باقرؑ کے وجود کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا اس بات سے اسے شدید جھٹکا لگا لیکن مراسم حج کے درمیان شاید کسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے۔امامؑ اور آپ کے فرزند سے کچھ نہیں کہا لیکن اس نے اپنے دارالحکومت (دمشق) پہنچتے ہی حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ امام محمد باقرؑ اور آپ کے فرزند امام جعفر بن محمدؑ کو شام بھیج دے۔

امامؑ نے مجبور ہو کر اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ مدینہ کو الوداع کہا اور دمشق پہنچے

---

(۱) مؤلفو الشیعہ فی صدر الاسلام: السید عبدالحسین شرف الدین، ص ۳۶۔

(۲) معجم رجال الحدیث: السید ابوالقاسم الموسوی الخوئی، [illegible] ص ۲۴۷۔

ہشام نے اپنی ظاہری عظمت کو امامؑ کے سامنے ظاہر کرنے کی غرض سے اور اپنے اس خیال سے کہ آنحضرت کے مقام ومنزلت میں کمی واقع کرے آپ کو تین دن تک ملاقات کا وقت نہیں دیا، شاید وہ ان تین دن کے دوران اس فکر میں رہا ہو کہ کس طرح سے امامؑ سے ملاقات کرے اور کون سا نقشہ تیار کرے کہ جس کے ذریعہ سے لوگوں کی نظر میں امامؑ کا مقام ومنزلت ہلکا ہو جائے؟

تیر اندازی کا مقابلہ

اگر ہشام کا دربار حکومت دانشور کی تربیت کا مرکز اور ادباء کے جمع ہونے کی جگہ ہوتی تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ جید علماء کو دعوت دیتا اور بحث ومناظرہ کی محفل منعقد کرواتا لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ اکثر اموی حکمرانوں کا دربار منجملہ ہشام کا دربار بھی ایسے دانشوروں کے وجود سے خالی تھا بلکہ شعراء مدح خواں اور داستان گویوں نے اہل علم کی جگہ لے رکھی تھی لہٰذا ہشام نے اس قسم کی محفل منعقد کرنے کی فکر نہیں کی چونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر علمی مناظرہ کی راہ اپنائی تو اس کے درباریوں میں سے کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ امام محمد باقرؑ سے مناظرہ کی ذمہ داری نبھا سکے لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ ایسی راہ اختیار کرے کہ جس میں اسے اپنی کامیابی یقینی نظر آئے۔

ہاں! ہشام نے ایک تیر اندازی کا مقابلہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ امامؑ کو بھی اس میں شرکت کا حکم دے بلکہ مقابلے میں امامؑ کی شکست کے ذریعہ آپ کو لوگوں کی نظر میں حقیر دکھلا سکے اسی بناء پر اس نے امامؑ کے قصر حکومت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے بعض درباریوں کو حکم دیا کہ وہ ایک نشانہ نصب کریں اور تیر اندازی میں مشغول ہو جائیں امام محمد باقرؑ مجلس میں وارد ہوئے اور کچھ دیر بیٹھے کہ اچانک ہشام نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا: کیا آپ بھی اس تیر اندازی کے مقابلہ میں شرکت کرنا پسند کریں گے حضرت نے فرمایا:

میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا تیر اندازی کا وقت گذر چکا ہے لہٰذا مجھے معذور جانیں
ہشام جو خیال کر رہا تھا کہ اسے بہت اچھا موقع ملا ہے اور امام محمد باقرؑ کو شکست سے صرف
دو قدم کی دوری پر کھڑا کر دیا ہے لہٰذا اس نے بہت زیادہ اصرار کیا اور آپ کو قسم دی کہ اس
مقابلے میں شرکت کریں ساتھ ہی اس نے بنی امیہ کے ایک بزرگ شخص کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی کمان اور تیر آنحضرت کے حوالے کرے امامؑ نے ہاتھ بڑھا کر
کمان کو لیا اور چلّہ کمان میں ایک تیر لگایا اور نشانہ لگا کر تیر چلایا تیر جا کر ٹھیک نشانہ پر لگا پھر
آپ نے دوسرا تیر کمان میں لگایا اور نشانہ لگا کر تیر کو چھوڑا یہ تیر پہلے والے تیر کی پشت پر
جا لگا اور اس کو پھاڑ دیا اور تیسرا تیر بھی دوسرے تیر پر لگا اور اسی طرح سے امامؑ نے نو تیر
چلائے کہ جن میں سے ہر ایک پہلے والے تیر کی پشت پر لگا!

امامؑ کے تعجب خیز عمل نے حاضرین کو شدت سے متاثر کیا اور لوگ حیران رہ گئے اور
تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ہشام جس کا حساب برعکس ہو گیا تھا اور اس کے سارے نقشہ پر پانی پھر گیا تھا بے حد
متاثر ہوا اور اس نے بے اختیار کہا: آفرین! اے ابو جعفر تم تو عرب و عجم کے تیر اندازوں
میں سرِ فہرست ہو پھر کیوں کہہ رہے تھے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں پھر اس نے سر کو نیچے جھکا
لیا اور ایک لحظہ کے لئے فکر میں ڈوب گیا پھر امام محمد باقرؑ اور آپ کے فرزند امام صادقؑ کو
اپنے قریب ایک خاص مقام پر جگہ دی اور غیر معمولی احترام سے نوازا اور امامؑ سے کہا:
قریش آپ کے وجود کے پرتو سے عرب و عجم پر سروری کے اہل ہیں آپ کو کس نے تیر
اندازی کی تعلیم دی ہے اور کتنی مدت میں اسے سیکھا ہے؟

حضرت نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ مدینہ کے لوگ تیر اندازی کے عادی ہیں میں بھی
جوانی کے دنوں میں ایک مدت تک اسی کام میں مشغول تھا لیکن بعد میں اس کو چھوڑ دیا اور

آج چونکہ تم نے اصرار کیا لہٰذا میں نے قبول کرلیا۔

ہشام نے کہا کیا جعفر (امام جعفر صادقؑ) بھی آپ کی ہی طرح تیر اندازی میں مہارت رکھتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہم خاندان ''اکمال دین'' اور ''اتمام نعمت'' کے افراد (امامت اور ولایت کو) کہ جو آیۃ ''الیوم اکملت لکم دینکم'' (۱) میں موجود ہے ایک دوسرے سے وراثت میں لیتے ہیں اور ہرگز زمین ایسے افراد (حجت خدا) سے خالی نہیں رہتی ہے۔(۲)

مسیحیوں کے پادری سے مناظرہ

اگرچہ ہشام کے دربار کا ماحول پانچویں امامؑ کی علمی عظمت کے اظہار کے لئے سازگار نہیں تھا لیکن حسن اتفاق تھا کہ قبل اس کے کہ امامؑ شہر دمشق کو چھوڑتے ایک ایسا مناسب موقع پیش آگیا کہ امامؑ نے لوگوں کی افکار کو بیدار کرنے اور اپنے علمی مقام اور عظمت کو پہچوانے کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور شام کے لوگوں کی فکر کو الٹ پلٹ دیا پورا ماجرا اس طرح ہے کہ: ہشام جس کے پاس امامؑ کی خدمت میں مزید جسارت کرنے کے لئے کوئی ہتھکنڈا نہیں تھا لہٰذا مجبوراً اس نے امامؑ کے مدینے واپس جانے کے لئے رضامندی ظاہر کی جس وقت امامؑ اپنے فرزند گرامی کے ساتھ قصر خلافت سے باہر نکلے تو آپ کو محل کے سامنے ایک میدان کے آخر میں لوگوں کے ایک عظیم اجتماع کا سامنا ہوا جو سب کے سب بیٹھے ہوئے تھے امامؑ نے ان کے حالات اور ان کے جمع ہونے کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے جواب دیا یہ مسیحی راہب اور کشیش لوگ ہیں جو اپنے سالانہ

---

(۱) ''واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا'' یہ آیت غدیر خم میں حضرت علیؑ کی ولایت وامامت کے اعلان کے بعد نازل ہوئی۔

(۲) دلائل الامامۃ: محمد بن جریر بن رستم الطبری، ص ۱۰۵

اجتماع کی مناسبت سے یہاں پر جمع ہوئے ہیں اور اپنے ہر سال کے پروگرام کے مطابق سب سے بڑے پادری کے منتظر ہیں تا کہ اس سے اپنی علمی مشکلات کے بارے میں جواب دریافت کریں امام مجمع کے درمیان میں تشریف لے گئے اور اس طریقہ سے کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے آپ نے شرکت فرمائی یہ خبر فوراً ہشام تک پہنچ گئی ہشام نے بعض افراد کو مامور کیا کہ جا کر اس انجمن میں شرکت کریں اور نزدیک سے واقعہ کو دیکھیں۔

ابھی تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بڑا پادری جو بہت زیادہ بوڑھا اور سن رسیدہ تھا پہنچ گیا اور بہت زیادہ احترام اور شان وشوکت کے ساتھ صدر مجلس میں جا کر بیٹھ گیا پھر اس نے مجمع پر ایک نظر دوڑائی اور چونکہ امام محمد باقرؑ کے چہرے نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا لہٰذا اس نے امامؑ سے مخاطب ہو کر سوال کیا ہم مسیحیوں میں سے ہو یا مسلمانوں میں سے؟

مسلمانوں میں سے۔

علماء میں سے ہو یا جاہلوں میں سے؟

جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

پہلے میں سوال کروں یا آپ سوال کریں گے؟

اگر آپ چاہتے ہیں تو پہلے آپ سوال کریں۔

آپ کس دلیل کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل بہشت کھاتے اور پیتے ہیں لیکن ان کا مدفوع نہیں ہے؟ کیا اس مسئلے کے لئے اس دنیا میں کوئی نمونہ اور روشن مثال موجود ہے؟

جی ہاں! اس دنیا میں اس کا واضح نمونہ یہ ہے کہ بچہ رحم مادر میں غذا کھاتا ہے لیکن اس کا مدفوع نہیں ہوتا۔

عجب! پس آپ نے کہا کہ علماء میں سے نہیں ہیں؟

میں نے ایسا نہیں کہا بلکہ میں نے کہا کہ جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

دوسرا سوال ہے۔

فرمایئے۔

آپ کس دلیل کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں اور پھلوں میں کمی واقع نہیں ہوتی چاہے جتنا انہیں استعمال کیا جائے پھر بھی وہ اپنی حالت پر باقی رہتی ہیں کیا اس دنیا کے موجودات میں کوئی روشن نمونہ اس موضوع کے متعلق بیان کر سکتے ہیں؟

ہاں! عالم محسوسات میں اس کی واضح مثال آگ کی ہے اگر آپ ایک چراغ کی لو سے ہزاروں چراغ روشن کر لیں پھر بھی پہلے چراغ کی لو میں کمی نہیں ہوگی اور وہ اپنی حالت پر باقی رہے گا......

اس کی نظر میں جو سوال بھی مشکل نظر آیا اس نے امامؑ سے پوچھا اور اطمینان بخش جواب سنا اور چونکہ اس نے خود کو عاجز محسوس کیا لہٰذا وہ سخت ناراض ہوا اور غصہ میں آکر بولا: اے لوگو! تم ایک ایسے بلند مرتبہ عالم کو کہ جس کی اطلاعات اور مذہبی معلومات کا درجہ مجھ سے بلند ہے یہاں پر لے کر آئے ہو تاکہ مجھے ذلیل کرو۔ اور مسلمان یہ بات جان لیں کہ ان کے ائمہؑ ہم سے برتر اور ہم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

خدا کی قسم اب دوبارہ تم لوگوں سے گفتگو نہیں کروں گا اور اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو تم مجھے اپنے درمیان نہیں دیکھو گے۔ یہ بات کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔ (۱)

---

(۱) امامؑ کے شام کے سفر کی تفصیل کو "محمد بن جریر بن رستم الطبری" نے کتاب دلائل الامامہ، ص ۱۰۵۔۱۰۷ پر ذکر کیا ہے۔ پھر مرحوم سید بن طاؤس نے کتاب امان الاخطار اور علامہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار اور اپنی دوسری کتابوں میں اس واقعہ کو جریر سے نقل کیا ہے لیکن واقعہ کے جزئیات میں ہلکا سا اختلاف نظر آتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

چھٹے امام کا نام ''جعفر'' کنیت ''ابوعبداللہ'' اور لقب ''صادق'' تھا آپ کے والد امام محمد باقرؑ اور ماں جناب ''ام فروہ'' تھیں۔

آپ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں شہر مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اور مشہور قبرستان ''بقیع'' میں اپنے والد ماجد کی قبر کے بغل میں دفن کیے گئے۔

آپ کے دور کے خلفاء

امام جعفر صادقؑ کی امامت کا آغاز ۱۱۴ھ میں ہوا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اموی حکومت زوال پذیر تھی جس کا ۱۳۲ھ میں خاتمہ ہو گیا اور عباسی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

امام صادقؑ کے دور کے خلفاء مندرجۂ ذیل افراد تھے:

۱۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵۔۱۲۵ھ)☆

۲۔ ولید بن یزید بن عبدالملک (۱۲۵۔۱۲۶ھ)

☆ بریکٹ میں مذکور سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

۳۔ یزید بن ولید بن عبدالملک (۱۲۶ھ)

۴۔ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک (۱۲۶ھ کے ستر ۷۰ دن)

۵۔ مروان بن محمد مشہور بہ مروان حمار (۱۲۶ھ۔۱۳۲ھ)

اور عباسی خلفاء میں سے بھی دو خلفاء کے ہم عصر تھے:

۱۔ عبداللہ بن محمد مشہور بہ سفاح (۱۳۲ھ۔۱۳۷ھ)

۲۔ ابوجعفر مشہور بہ منصور دوانیقی (۱۳۷۔۱۵۸ھ)

آپ کی علمی عظمت

امام صادقؑ کی علمی عظمت کے باب میں بہت زیادہ شواہد و دلائل موجود ہیں اور اس امر کو شیعہ اور سنی علماء تسلیم کرتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور فقہاء آپ کی علمی عظمت کے سامنے سر تعظیم خم کرتے تھے اور آپ کی علمی برتری کا کلمہ پڑھتے تھے۔ فرقۂ حنفی کے مشہور پیشوا ابوحنیفہ کا کہنا تھا: میں نے جعفر بن محمدؑ سے بڑا عالم و دانشمند کسی کو نہیں دیکھا۔(۱)

فرقۂ مالکی کے پیشوا "مالک" کہتے تھے۔ "میں ایک مدت تک جعفر بن محمدؑ کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا میں نے ہمیشہ انہیں تین حالتوں میں پایا: یا نماز میں مشغول ہوتے تھے یا روزہ سے ہوتے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہوتے تھے۔

اور میں نے انہیں کبھی بغیر وضو حدیث نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔(۲) علم و عبادت اور پرہیزگاری میں جعفر بن محمدؑ سے برتر شخص نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی شخص کے دل میں ایسی بات آئی ہے۔(۳)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ذہبی شمس الدین، ج ۱، ص ۱۶۶۔
(۲) تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی، ج ۱، ص ۸۸۔
(۳) الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج ۱، ص ۵۳۔

شیخ مفیدؒ تحریر فرماتے ہیں" آپ سے اتنے زیادہ علوم نقل ہوئے ہیں کہ جو لوگوں کے زبان زد ہو گئے ہیں اور اس کا آوازہ ہر جگہ پھیل گیا ہے آپ کے خاندان کے لوگوں میں سے کسی سے بھی اتنے زیادہ علوم نقل نہیں ہوئے کہ جتنے آپ سے نقل ہوئے ہیں۔(۱)

اہل سنت کے جید عالم "ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں" آپ سے اتنے زیادہ علوم نقل ہوئے ہیں کہ جو تمام لوگوں کے زبان زد ہو گئے اور اس کا آوازہ ہر جگہ پھیل گیا ہے۔ اور فقہ و حدیث کے سب سے بڑے پیشواؤں مثلاً یحیٰی بن سعید، ابن جریح، مالک سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابو حنیفہ، شعبہ اور ایوب بجستانی نے آپ سے روایت نقل کی ہیں۔(۲)

اہل سنت کے مشہور عالم "ابو بحر جاحظ" جو تیسری صدی میں تھے کہتے ہیں: جعفر بن محمد ایسی شخصیت ہیں کہ جن کے علم و دانش نے دنیا کو بھر دیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ اور اسی طرح سے سفیان ثوری ان کے شاگردوں میں سے تھے لہٰذا ان دو افراد کی شاگردی ان کے علمی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔(۳)

سید امیر علی، دورِ حاضر کے ایک مشہور دانشمند:۔ خلافت بنی امیہ کے دور میں موجود مذہبی فرقوں اور فلسفی مکاتب فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دینی فتووں اور نظریوں کو صرف سادات اور فاطمی شخصیتوں کے نزدیک فلسفی رنگ حاصل تھا اس دور میں علم کے رواج نے بحث و جستجو اور تحقیق کی روح کو بھڑکا دیا تھا اور فلسفی بحثیں اور گفتگو تمام اجتماعات میں رائج ہو گئی تھیں۔ قابل ذکر ہے کہ اس فکری تحریک کی قیادت اس حوزہ علمیہ کے کاندھوں پر تھی کہ جو شہر مدینہ میں پروان چڑھا تھا۔ اس حوزہ کی بنیاد علی ابن ابی طالبؑ

---

(۱) الارشاد، ص ۲۷۰

(۲) الصواعق المحرقہ، ص ۲۰۱

(۳) الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج ۱، ص ۵۵، (جاحظ کے رسالوں سے نقل کرتے ہوئے)

کے فرزند امام جعفرؑ نے (جن کا لقب صادقؑ تھا) رکھی تھی۔ وہ ایک عظیم مفکر اور فعال محقق تھے۔ اور اس دور کے علوم سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ اور اسلام میں اصلی فلسفی مدارس کی بنیاد رکھنے والے آپ پہلے شخص تھے۔

آپ کے درس کی مجلس میں صرف وہی افراد کہ جنہوں نے بعد کو فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی، شرکت نہیں کرتے تھے بلکہ فلاسفہ، اور طلاب فلسفہ دور افتادہ علاقوں سے آکر آپ کے درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ''حسن بصری'' ''تبصرہ'' کے فلسفی مکتب کی بنیاد رکھنے والا اور ''واصل بن عطا'' مذہب معتزلہ کے بانی، آپ کے شاگردوں میں تھے جو آپ کے علم و دانش کے چشمہ کے آبِ زلال سے سیراب ہوتے تھے۔ (۱)

مشہور مورخ ''ابن خلکان'' لکھتا ہے: ''وہ مذہب امامیہ کے بارہ اماموں میں سے ایک اور خاندان پیغمبرؐ کے بزرگ افراد میں سے تھے کہ جنہیں ان کی سچائی اور صداقت کی بناء پر لوگ ''صادق'' کہتے تھے آپ کا فضل اور بزرگی اتنا زیادہ مشہور ہے کہ جسے توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو موسیٰ جابر بن حیان طرطوسی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ جابر نے ایک ہزار صفحہ کی ایک کتاب تالیف کی جو امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات اور پانچ سو رسالوں پر مشتمل تھی''۔ (۲)

امامؑ کے دور کے اجتماعی، ثقافتی اور سیاسی حالات

ائمہ معصومینؑ کے درمیان صرف امام جعفر صادقؑ کا دور ایسا تھا کہ جب اجتماعی و ثقافتی حالات دوسرے تمام ائمہؑ کے دور سے مختلف تھے۔ کیونکہ وہ دور سیاسی لحاظ سے بنی امیہ کی

---

(۱) مختصر تاریخ العرب: عفیف البعلبکی، ص ۱۹۳۔
(۲) وفیات الاعیان، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، ج ۱، ص ۳۲۷

حکومت کے زوال اور ضعف و تزلزل نیز بنی عباس کے اقتدار میں اضافہ کا دور تھا یہ دونوں گروہ ایک مدت سے ایک دوسرے سے جنگ اور کشمکش کی حالت میں تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے دور سے عباسیوں کی تبلیغات اور سیاسی مبارزے شروع ہوئے اور ۱۲۹ھ میں مسلح جنگ اور فوجی کاروائی شروع کردی جس کے نتیجہ میں ۱۳۲ھ میں انہیں کامیابی ملی۔

چونکہ اس دور میں بنی امیہ بہت سی سیاسی مشکلات سے دوچار تھے لہٰذا ان کے پاس امامؑ اور شیعوں پر دباؤ (امام سجادؑ کے دور کی طرح) وارد کرنے کا موقع نہیں تھا۔

اور عباسیوں کی طرف سے بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں تھا چونکہ اقتدار حاصل کرنے سے پہلے وہ خاندان پیغمبر اکرمؐ کی حمایت اور ان کے خون کے انتقام کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ دور امام جعفر صادقؑ اور شیعوں کے لئے نسبتاً آزادی اور سکون کا دور تھا اور ان کی علمی اور ثقافتی کاوشوں کے لئے بہترین موقع سمجھا جاتا تھا۔

مخصوص ثقافتی حالات

فکری اور فرہنگی لحاظ سے بھی امام جعفر صادقؑ کا دور ایک فکری اور ثقافتی حرکت کا دور تھا اس دور میں بے مثال طریقہ سے جامعۂ اسلامی میں علم کا زور و شور اور لوگوں میں شوق پیدا ہو گیا تھا اور بہت سے اسلامی اور غیر اسلامی علوم مثلاً علم قرأت، قرآن، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام یا علوم انسانی مثلاً طب، فلسفہ، نجوم، ریاضیات وغیرہ نمایاں ہو گئے تھے۔ اس طریقہ سے کہ جس کے پاس بھی کوئی فکری سرمایہ تھا وہ اسے علم و دانش کے بازار میں پیش کرتا تھا۔ اس بناء پر لوگوں میں ایک عجیب علمی تشنگی پیدا ہو گئی تھی جس کا جواب دینا امامؑ پر ضروری ہو گیا تھا۔

اس علمی تحریک اور بیداری کے اسباب کو درج ذیل امور میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

۱۔اسلام میں فکر وعقیدہ کی آزادی، اگر چہ اس فکری آزادی میں عباسی بھی کورے نہ تھے لیکن اس کی بنیاد اسلامی تعلیمات میں تھی اس طریقہ سے کہ عباسیوں کے لئے چاہتے ہوئے بھی اس سے دامن کش ہونا ممکن نہیں تھا۔

۲۔ان دنوں اسلامی جامعہ کا ماحول مکمل مذہبی ماحول تھا اور لوگ مذہب سے متاثر تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کا حصول علم کے لئے تشویق دلانا اور قرآن مجید کا علم تعلم، تفکر اور عقل کو بروئے کار لانے کی طرف دعوت دینا اس تحریک اور شوق کے پیدا ہونے کا بنیادی عامل تھا۔

۳۔وہ قومیں اور ملتیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا وہ عموماً ایک فکری اور علمی سابقہ رکھتی تھیں اور ان میں سے بعض مثلاً ایرانی نسل کے لوگ (جو سب سے زیادہ درخشاں سابقہ کے حامل تھے) اور مصر وشام کے لوگ جو ایسی جگہوں کے رہنے والے تھے کہ جو اس دور کے تہذیب کا مرکز تھیں۔ یہ افراد گہری اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی غرض سے تحقیق وجستجو اور تبادلہ فکر میں مشغول ہوتے تھے۔

۴۔دینی تسامح یا غیر مسلمانوں کے ساتھ (بالخصوص اہل کتاب کے ساتھ) صلح آمیز زندگی گذارنا۔ مسلمان اہل کتاب کا تحمل کرتے تھے اور اس کو اپنے دینی قوانین واصول کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ اس دور میں اہل کتاب عالم اور باخبر تھے۔ مسلمان ان کے ساتھ علمی تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ خود بحث ومناظرہ کا سبب ہوتی تھی۔(۱)

افکار ونظریات کا ٹکراؤ

امام جعفر صادقؑ کا دور فکروں کے ٹکراؤ اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے وجود میں

---

(۱) سیری در سیرۂ ائمۂ اطہار علیہم السلام: شہید مرتضیٰ مطہری، ج۱، ص۱۴۲۔۱۶۰ (اقتباس اور خلاصہ کے ساتھ)

آنے کا دور تھا مسلمانوں کے اہل کتاب نظریوں اور عقائد سے نیز یونان کے دانشمندوں سے ٹکرانے کی بناء پر بہت سے مختلف قسم کے شبہے اور اشکالات ظاہر ہو گئے تھے۔

اس دور میں، معتزلہ، جبریہ، مرجئہ، غلات، (۱) زنادقہ☆ ،مشبہہ، متصوفہ، مجسمہ، تناسخیہ وغیرہ جیسے بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے کہ جن میں سے ہر ایک اپنے عقاید کی ترویج میں لگا ہوا تھا۔

اس سے قطع نظر ہر اسلامی علم میں اس علم کے علماء کے درمیان نظریاتی اخلاف پیدا ہو جاتا تھا مثلاً علم قرأت قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام☆ میں بہت سی گرم بحثیں اور اعتراضات واقع ہوتے تھے۔ اور ہر شخص اپنا نظریہ پیش کرتا تھا اور اپنے عقیدہ کی حمایت کرتا تھا۔

عظیم جعفری یونیورسٹی

امام جعفر صادقؑ نے اس مناسب سیاسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور جامعہ کی شدید ضرورت اور اجتماعی زمین فراہم ہونے کو ملاحظہ کرتے ہوئے اپنے والد امام محمد باقرؑ کی علمی اور فرہنگی تحریک کو آگے بڑھایا اور ایک وسیع علمی حوزہ اور عظیم یونیورسٹی قائم کی۔ نیز اس دور کے معقولات اور منقولات میں مختلف موضوعات پر ہشام بن حکم، محمد بن مسلم، ابان بن تغلب، ہشام بن سالم، مؤمن طاق، مفضل بن عمر اور جابر بن حیان جیسے بہت سے

---

(۱) الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج ۲، ص ۱۱۳۔۱۲۲۔

☆ خدا اور ادیان کے منکر تھے لیکن اس دور کے زندہ علوم اور زبانوں سے باخبر تھے۔

☆ علم کلام سے مراد اصول عقاید کا علم ہے یہ علم اس دور میں بہت زیادہ رائج تھا اور اس کے طرف دار بھی بہت زیادہ تھے اور اس دور کے بڑے بڑے متکلمین عقائد کے مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ اور گفتگو کرتے تھے۔

بزرگ اور جید شاگردوں کی تربیت فرمائی کہ جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔(۱)

یہ تمام شاگرد علمی اعتبار سے عظیم شخصیت اور درخشاں چہرے کہ جنہوں نے بہت سی عظیم خدمات انجام دیں۔ ان میں سے بعض نے کتابیں بھی لکھیں اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔ نمونہ کے طور پر ہشام بن حکم نے ۳۱ رجلد کتاب لکھی۔(۲) اور ''جابر بن حیان'' نے ۲۰۰ رجلد سے (۳) زیادہ مختلف علوم میں بالخصوص عقلی، طبعی اور شمسی موضوعات پر (کہ جسے اس دور میں کیمیا کہا جاتا تھا) کتابیں لکھیں اور اسی وجہ سے آپ کو ''پدر علم شمسی'' کہا جاتا ہے۔ جابر بن حیان کی کتابوں کا درمیانی صدیوں میں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے اور علوم کی تاریخ لکھنے والے سبھی افراد آپ کو عظمت سے یاد کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کی دانشگاہ کی وسعت

امام جعفر صادقؑ نے اس دور میں پیش آنے والے تمام فکری اور عقیدتی واقعات کا مقابلہ کیا اور ان کے مقابلے میں اسلام اور شیعیت کے موقف کو روشن کیا نیز اسلامی فکر کی برتری کو ثابت کیا۔

امام جعفر صادقؑ کی یونیورسٹی کے شاگرد صرف شیعہ ہی نہیں تھے بلکہ اہل سنت والجماعت افراد بھی آنخضرت کے مکتب سے مستفیض ہوتے تھے۔ اہل سنت کے مشہور پیشوا

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۲۷۱۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج ۱، ص ۶۹۔
(۲) روضۃ الواعظین: فتال نیشاپوری، ص ۲۲۹۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ: طبرسی، ص ۲۸۴۔
(۳) ابن ندیم نے کتاب ''الفہرست'' میں دوسو سے زائد کتابوں کو جابر کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الفہرست، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ، ص ۵۱۲۔ ۵۱۷۔

بطور مستقیم یا بطور غیر مستقیم امامؑ کے شاگرد تھے۔ کہ جن میں سر فہرست ''ابو حنیفہ'' ہیں کہ جو دو سال تک امامؑ کے شاگرد تھے۔ اور ان دو برسوں کو اپنے علم و دانش کی بنیاد سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''لولا السّنتانِ لَهَلَکَ نعمانُ'' اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔(۱)

امام جعفر صادقؑ کے شاگرد مختلف علاقوں مثلاً کوفہ، بصرہ، واسط، حجاز وغیرہ اور مختلف قبیلوں مثلاً بنی اسد، مخارق، طیّ، سلیم، غطفان، اَزُد، خُزاعہ، خثعم، مخزوم، بنی ضبّہ، قریش، بالخصوص بنی حارث بن عبد المطلب اور بنی الحسن سے تھے۔ کہ جو آپ کے مکتب سے ملحق ہوتے تھے۔(۲)

امام جعفر صادقؑ کی یونیورسٹی کی وسعت کو بیان کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ''حسین بن علی بن زیاد وشا'' کہ جو امام رضاؑ کے شاگردوں اور بزرگ محدثین میں سے تھے (اور طبعی طور پر وہ امام جعفر صادقؑ کے دور سے برسوں بعد تھے) کہتے تھے ''میں نے مسجد کوفہ میں ۹۰۰ رحدیث کے استادوں کا مشاہدہ کیا کہ جو سب کے سب جعفر بن محمدؑ سے حدیث نقل کر رہے تھے۔(۳)

''ابن حجر عسقلانی'' کے قول کے مطابق شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ مالک، ابن جریح، ابو حنیفہ، پسر وی موسیٰ، وھیب بن خالد، قطان، ابو عاصم جیسے بہت سے دوسرے فقہاء اور محدثین نے آنحضرت سے حدیث نقل کی ہیں۔(۴)

---

(۱) الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج۱، ص۷۰، ابو حنیفہ کا نام نعمان بن ثابت تھا۔

(۲) الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ: اسد حیدر، ج۱، ص۳۸

(۳) فہرست مصنفی الشیعہ: نجاشی، تحقیق سید موسیٰ شبیری زنجانی، ص۳۹ و ۴۰

(۴) تہذیب التہذیب، ج۱، ص۸۸

امام جعفر صادقؑ اپنے ہر شاگرد کو اس کے ذوق اور پسند کے مطابق موضوع کو سیکھنے کی تشویق کرتے تھے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اور نتیجتاً ان میں سے ہر ایک یا دو موضوع میں مثلاً حدیث، تفسیر اور علم کلام وغیرہ میں متخصص اور ماہر ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات امامؑ ان علماء کو جو آپ کے پاس بحث و مناظرہ کی غرض سے آتے تھے انہیں اپنے شاگردوں کی طرف راہنمائی کرتے تھے تا کہ وہ اس موضوع میں ماہر شاگرد کے ساتھ مناظرہ کریں۔

''ہشام بن سالم'' کہتے ہیں: ایک دن میں امام جعفر صادقؑ کے بعض اصحاب کے ساتھ آپ کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شامی نے داخل ہونے کی اجازت چاہی اجازت ملنے کے بعد مجلس میں داخل ہوا، امامؑ نے فرمایا: بیٹھو پھر سوال کیا، کیا چاہتے ہو؟

اس شامی مرد نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ، لوگوں کے تمام مشکل سوالوں کا جواب دیتے ہیں لہٰذا میں آپ کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کی غرض سے آیا ہوں امامؑ نے فرمایا: کس موضوع میں؟ شامی نے کہا کیفیت قرأت قرآن کے بارے میں۔ امام نے ''حمران'' کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: حمران اس شخص کا جواب تمہیں دینا ہے۔ مرد شامی نے کہا: میں آپ کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں نہ کہ حمران کے ساتھ! امامؑ نے فرمایا: اگر تم نے حمران کو لاجواب کر دیا تو گویا مجھے لاجواب کر دیا۔ مرد شامی نے مجبور ہو کر حمران کے ساتھ بحث شروع کی۔ جو کچھ بھی شامی نے پوچھا حمران نے اس کا محکم اور مدلل جواب دیا اس طریقہ سے کہ نتیجۃً وہ بحث کو جاری رکھنے سے قاصر رہا اور سخت غمگین ہوا اور تھک گیا۔

امامؑ نے سوال کیا: (حمران کو) کیسا پایا؟

مرد شامی نے جواب دیا: یقیناً حمران بہت زبردست ہے میں نے اس سے جو بھی سوال کیا اس نے اس کا مناسب طریقہ سے جواب دیا۔

شامی نے کہا: میں تم سے لغت اور ادبیات عرب کے سلسلہ میں بحث کرنا چاہتا ہوں

امامؑ نے ''ابان بن تغلب'' کی طرف رخ کر کے فرمایا: اس کے ساتھ مناظرہ کرو ابان نے بھی اس کے لئے تمام راستوں کو بند کر دیا اور اسے لاجواب کر دیا۔

شامی نے کہا: میں آپ سے فقہ کے بارے میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔

امامؑ نے زرارہ سے فرمایا: اس کے ساتھ مناظرہ کرو، زرارہ اس کے ساتھ بحث کرنے میں مشغول ہو گئے اور بہت جلد ہی اسے لاجواب کر دیا۔

شامی نے کہا: میں آپ سے کلام کے متعلق مناظرہ کرنا چاہتا ہوں، امامؑ نے مؤمن طارق کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ مناظرہ کریں، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ وہ شامی شخص مؤمن طارق سے بھی ہار گیا!

اسی ترتیب سے جب مرد شامی نے استطاعت (یعنی خیر اور شر کے انجام دینے یا ترک کرنے پر انسان کی قدرت وتوانائی) توحید، اور امامت کے موضوع پر امامؑ سے مناظرہ کرنے کی درخواست کی تو امامؑ نے ''حمزۂ طیّار'' ''ہشام بن سالم'' اور ''ہشام بن حکم'' کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ مناظرہ کریں ان تینوں شاگردوں نے بھی قاطع دلیلوں اور محکم منطق کے ذریعہ مرد شامی کو لاجواب کر دیا۔ اس ہیجان انگیز منظر کو دیکھ کر امامؑ کے لبوں پر خوشی سے شیریں مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ (۱)

امامؑ کی سیاسی کاوشیں

یہاں پر اس مطلب کی وضاحت ضروری ہے کہ عام لوگوں کے تصور کے برخلاف کہ امامؑ کی تحریک صرف علمی میدانوں تک (اپنی پوری وسعت کے ساتھ) محدود نہیں تھی بلکہ

---

(۱) اختیار معرفۃ الرجال (معروف بہ رجال کشی): شیخ طوسی، تحقیق: حسن مصطفوی، ص ۲۷۵۔۲۷۸

امامؑ سیاسی کوششیں بھی کرتے ہیں۔ لیکن امامؑ کی تحریک کا یہ پہلو بہت سے کہنے والوں اور لکھنے والوں پر پوشیدہ رہ گیا ہے۔ یہاں پر اس تصور کے بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے کہ امامؑ اس دور کے حالات کو ملاحظہ کرتے ہوئے سیاسی امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے تھے اور کسی قسم کی سیاسی جدّیت کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے، آپ کی سیاسی کوششوں کا ایک نمونہ ذکر کرتے ہیں:

تبلیغ امامت کی غرض سے نمائندوں کو بھیجنا

امامؑ امامت کی تبلیغ کی غرض سے، نمائندوں کو مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے انہیں میں سے ایک مرتبہ کوفہ کا رہنے والا ایک شخص امامؑ کی نمائندگی میں خراسان گیا اور لوگوں کو آپ کی ولایت کی طرف دعوت دی، بعض لوگوں نے مثبت جواب دیا اور اطاعت کی اور بعض نے قبول نہیں کیا اور منکر ہوئے، ایک گروہ نے احتیاط اور (فتنہ سے) پرہیز کے عنوان سے کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر ان تینوں گروہوں میں سے ایک ایک شخص امام جعفر صادقؑ سے ملاقات کے لئے گیا، اس سفر کے درمیان تیسرے گروہ کے نمائندے نے اپنے ایک ہم سفر کی کنیز کے ساتھ بدکاری کی۔ (اور کسی کو اس بات کا علم نہ ہوا)

جب یہ چند افراد امامؑ کی خدمت میں پہنچے تو اس شخص نے کلام کا آغاز کیا اور کہا: اہل کوفہ میں سے ایک شخص ہمارے علاقہ میں آیا اور لوگوں کو تمہاری اطاعت اور ولایت کی طرف دعوت دی، بعض لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا، اور بعض لوگوں نے مخالفت کی اور بعض دوسرے لوگوں نے پرہیز اور احتیاط کے طور پر کچھ کہنے سے پرہیز کیا۔

امامؑ نے فرمایا: تم کس گروہ سے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں احتیاط کرنے والے گروہ میں سے ہوں۔

امام نے فرمایا: تم جو کہ پرہیز گاری اور احتیاط کرنے والے شخص تھے، پھر کیوں تم نے فلاں رات کو احتیاط نہیں کی اور اس خیانت آمیز عمل کو انجام دیا؟!(۱)

جیسا کہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ میں امام کی طرف سے بھیجا جانے والا شخص کوفہ کا رہنے والا تھا اور اس کا محل تبلیغ خراسان تھا جب کہ امام مدینہ میں رہتے تھے، لہذا اس سے امام کی سیاسی کوششوں کے میدان کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

امامؑ کے نام عباسی تحریک کے سربراہوں کے خطوط

خلفاء بنی امیہ کے سلسلہ کا خاتمہ اور عباسیوں کا برسر اقتدار آنا امام جعفر صادقؑ کے دور میں ہوا۔ امویوں کے خاتمہ کی علت لوگوں پر ان کا ظلم وستم کرنا، بدعتوں کو رواج دینا نیز حکومت اور ملک کے امور میں اسلامی تعلیمات سے بطور آشکار منحرف ہونا کہ ان تمام باتوں نے مل کر لوگوں کی نفرت اور غصہ کو بھڑکا دیا اور یہی مسلمانوں کے قیام اور انقلاب کا سبب بنا۔ بنی عباس کے بزرگوں نے لوگوں کے اس غصہ اور نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس انقلاب کی قیادت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

بنی امیہ کے خلاف لوگوں کے قیام اور بغاوت کے اسباب میں سے دو اسباب بہت زیادہ اثر رکھتے تھے: پہلا سبب یہ کہ بنی امیہ کے ہاتھوں پیغمبر اکرمؐ کے خاندان کی مظلومی۔ دوسرا سبب بنی امیہ کے ہاتھوں غیر عرب (ایرانی مسلمانوں) کی تحقیر کرنا اور ان کو اجتماعی حقوق سے محروم رکھنا تھا۔ اسی بناء پر بنی عباس ایک طرف سے خاندان پیغمبرؐ کی طرف داری اور حمایت کا نعرہ لگاتے تھے تو دوسری طرف ایرانیوں کی حمایت حاصل کرنے میں لگ گئے اسی غرض سے انہوں نے ابو مسلم کو خراسان کے لئے روانہ کیا تا کہ اس علاقہ

---

(۱) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۷، ص ۲۷

کے لوگوں کو جو ایک مدت سے انقلاب اور قیام کے لئے آمادگی رکھتے تھے۔ مسلح قیام کرنے کے لئے جمع کرے۔

بنی عباس کے رہبر ''ابراہیم امام'' کے مرنے کے بعد ابو مسلم نے امام جعفر صادقؑ کو بیعت قبول کرنے کی تجویز پیش کی اور ایک خط میں اس طرح لکھا: ''میں لوگوں کو اہل بیتؑ سے دوستی کی طرف دعوت دیتا ہوں، اگر آپ پسند کرتے ہیں تو خلافت کے لئے آپ سے بہتر کوئی نہیں ہے''

امامؑ نے اس کے جواب میں لکھا: ''ماانت من رجالی ولا الزمان زمانی'' نہ تم میرے دوستوں میں سے ہو اور نہ زمانہ میرا زمانہ ہے''۔(۱)

اسی طریقہ سے ''فضل کاتب'' کہتا ہے: میں ایک دن امام جعفر صادقؑ کے پاس تھا کہ آپ کے پاس ابو مسلم کا ایک خط پہنچا، امامؑ نے قاصد سے فرمایا: ''تمہارے خط کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس سے دور ہو جاؤ''۔(۲)

اس کے علاوہ ''ابوسلمہ خلال ☆ نے'' جو بعد میں ''وزیر آل محمدؐ'' کے عنوان سے مشہور ہوا۔ جب ''ابراہیم امام'' کے مرنے کے بعد اپنے حالات کو نقصان رسا سمجھا تو اس نے فیصلہ کیا کہ ان سے منہ موڑ کر فرزندان علیؑ سے ملحق ہو جائے لہٰذا اس نے علویوں میں سے تین بزرگ افراد جعفر بن محمد الصادقؑ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ

---

(۱) الملل والنحل: شہرستانی، تحقیق محمد، سید گیلانی، ج۱، ص۱۵۴

(۲) الروضۃ الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ص۲۷۴۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج۴۷، ص۲۹۷۔

☆ ابوسلمہ کو ''خلال'' کہنے کی تین وجہیں ذکر کی گئی ہیں۔ الفخری: ابن طقطقا، ص۱۵۳۔۱۵۴

(عبداللہ محض) اور عمر اشرف بن زین العابدین کو خط لکھا اور انہیں آپ کے چاہنے والوں میں سے ایک شخص کے حوالے کیا اور کہا: سب سے پہلے جعفر بن محمد الصادقؑ کے پاس جاؤ اگر وہ قبول کرلیں تو دوسرے دونوں خطوں کو پھاڑ دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو عبداللہ محض سے ملاقات کرنا اور اگر وہ بھی قبول نہ کریں تب عمر کے پاس جانا۔

ابوسلمہ کا فرستادہ امام جعفر صادقؑ کے پاس گیا اور ابوسلمہ کے خط کو آپ کے حوالے کیا حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: مجھے ابوسلمہ سے کیا تعلق؟ جو دوسروں کا شیعہ اور پیروی کرنے والا ہے۔ ابوسلمہ کے قاصد نے کہا: خط کو پڑھئے، امامؑ کے حکم سے خادم چراغ نزدیک لایا اس وقت امامؑ نے خط کو چراغ کی لَو کے حوالے کیا! قاصد نے سوال کیا: اس کا جواب نہیں دیجئے گا؟ امامؑ نے فرمایا: اس کا جواب یہی تھا جو تم نے دیکھا!

پھر ابوسلمہ کا قاصد "عبداللہ محض" کے پاس گیا اور اس کے خط کو عبداللہ کو دیا جیسے ہی عبداللہ نے خط کو پڑھا اسے چوما اور فوراً سوار ہو کر امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے اور کہا: یہ خط جو خراسان میں رہنے والے ہمارے شیعوں میں سے ایک شیعہ لے کر آیا ہے ابوسلمہ کا ہے اس نے مجھے خلافت کی دعوت دی ہے امامؑ نے عبداللہ سے کہا، خراسان کے لوگ کب سے تمہارے شیعہ ہو گئے ہیں؟ کیا ابومسلم کو تم نے ان کے پاس بھیجا ہے؟ کیا تم ان میں سے کسی ایک کو پہچانتے ہو؟ ایسی صورت میں کہ جب نہ تم ان کو پہچانتے ہو اور نہ وہ تم کو پہچانتے ہیں۔

پھر وہ کس طرح تمہارے شیعہ ہیں؟ عبداللہ نے کہا: آپ کی باتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نظر خود اس کام پر ہے؟ امامؑ نے فرمایا: خدا جانتا ہے کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں تو کیونکر میں تمہارے لئے خیر خواہی نہیں کروں گا؟ اے عبداللہ، ان جھوٹی اور باطل آرزوؤں کو اپنے پاس سے دور کرو اور جان لو کہ یہ حکومت بنی

عباس کی ہوگی، اسی قسم کا خط میرے پاس بھی آیا ہے۔

عبداللہ غمگین ہوکر امامؑ کے پاس سے باہر چلے گئے۔

''عمر بن زین العابدین'' بھی ابوسلمہ کے خط کے متعلق منفی نظریہ رکھتے تھے انہوں نے بھی خط کو پلٹا دیا اور کہا: ''میں خط بھیجنے والے کو جانتا ہی نہیں کہ اس کا جواب دوں۔(۱)

جب کامیابی کے پرچم لہرانے لگے اور فتح کی علامتیں ظاہر ہوگئیں تو ابوسلمہ نے دوبارہ امام جعفر صادقؑ کے پاس خط بھیجا کہ: ''ستر ہزار جنگ جو ہمارے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہیں، اب اپنے موقف واضح کیجئے'' امامؑ نے پھر وہی پہلا والا جواب دیا۔(۲)

ابوبکر حضرمی روایت کرتے ہیں کہ میں اور ابان بن تغلب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچے یہ وہ وقت تھا کہ جب خراسان میں سیاہ پرچم لہرا رہے تھے۔ ہم نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا: آپ کی نظر میں حالات کیسے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں بیٹھو، اور جب تم یہ دیکھنا کہ ہم کسی شخص کے اطراف میں جمع ہو گئے ہیں تو اسلحہ لے کر ہماری طرف دوڑ پڑنا۔'' (۳)

امامؑ نے اپنے دوسرے بیان میں اپنے اصحاب سے فرمایا ''اپنی زبانوں کو روک کر رکھو، اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو، چونکہ جو چیز تم سے مخصوص ہے (حقیقی اسلامی حکومت) وہ اتنی جلدی تم تک پہنچنے والی نہیں ہے......'' (۴)

قیامِ بنی عباس کے رہبروں کی تجویز کو امامؑ نے کیوں مسترد کر دیا؟

---

(۱) الفخری: ابن طقطقا، ص ۱۵۴۔ مروج الذہب: مسعودی، ج ۳، ص ۲۵۳۔۲۵۴، مسعودی عمر بن زین العابدین کے نام خط کو بیان نہیں کرتا ہے۔

(۲) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۷، ص ۱۳۳۔

(۳،۴) بحار الانوار، ج ۵۲ ص ۱۳۹

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے، پہلی نظر میں ابوسلمہ اور ابو مسلم کی تجویزوں کے مقابلہ میں امامؑ کے موقف کا تجزیہ کرنا ذرا مشکل نظر آتا ہے، کیوں کہ بظاہر اس تحریک میں مذہبی عوامل کا قوی اثر تھا چونکہ انھوں نے جو نعرے اپنے لئے منتخب کئے تھے وہ سب کے سب اسلامی تھے، جو اقوال ان کے پرچموں پر لکھے ہوئے تھے وہ سب قرآن کی آیتیں تھیں اور وہ ایسا ظاہر کرتے تھے کہ گویا وہ اہل بیتؑ کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اہلبیتؑ پیغمبرؐ کے خون ناحق کا انتقام بنی امیہ اور بنی مروان سے لیں۔ وہ اپنے انقلاب کو اہل بیتؑ سے مرتبط کرنے کی کوشش کرتے تھے اگرچہ انھوں نے ابتداء میں اس خلیفہ کا نام مشخص نہیں کیا تھا جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ لیکن ان کا نعرہ یہ تھا ''الرضا من آل محمدؐ''، یعنی خاندان محمدؐ میں سے منتخب شخص کے لئے بیعت حاصل کرنے کی غرض سے قیام کیا ہے۔ ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عباسیوں کا قیام اسلامی اہداف کے لئے تھا۔ لیکن اگر واقعات میں تھوڑی سی دقیق نظر کریں، تو امامؑ کے موقف کی اصل علت کو سمجھ جائیں گے: امام جعفر صادقؑ جانتے تھے کہ قیام کے رہبروں کا مقصد صرف اقتدار حاصل کرنا ہے۔ اور اگر وہ اہل بیتؑ کی طرف داری کا نعرہ لگاتے ہیں تو صرف محبان اہل بیتؑ کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے۔

''تاریخی روایات واضح طور پر اس بات کی گواہ ہیں کہ ابوسلمہ خلال نے خراسان کی فوج کے کوفہ پہنچنے پر سیاسی امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر سیاسی اور فوجی عہدوں کو اپنے طرف داروں میں بانٹنا شروع کر دیا تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ ایک علوی خلیفہ کو منتخب کر کے حکومت کا اصلی اقتدار اپنے ہاتھوں میں رکھے اور خلیفہ بس صرف ظاہری اور نمائشی ہو''۔ (۱)

امامؑ جانتے تھے کہ ابو مسلم اور ابوسلمہ اہل بیتؑ میں سے ایک روشن چہرے کی تلاش

---

(۱) طبیعۃ الدعوۃ العباسیۃ: ڈاکٹر عمر فاروق، ص ۲۲۶

میں ہیں تا کہ اس کے چہرے اور محبوبیت کو اپنے اہداف تک پہنچنے کی راہ میں استعمال کریں، اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ آپ کی امامت پر عقیدہ نہیں رکھتے ورنہ اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ ایک ہی مضمون کے تین خط خاندان پیغمبر کی تین شخصیتوں کے نام لکھے جائیں۔

امامؑ نہایت دانائی کے ساتھ یہ بات جانتے تھے کہ قیام کے اصلی نقشہ نویس بنی عباس ہیں اور ان کا مطمع نظر حکمرانی اور اقتدار کی اپنی تمنائیں برلانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے ابو مسلم اور ابو سلمہ جیسے دوسرے افراد کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے امامؑ جانتے تھے کہ وہ عنقریب اس شخص کو جو ان کے کام نہ آئے یا ان کی راہ میں رکاوٹ بنے وہ اسے نابود کر دیں گے جیسا کہ ابو مسلم، ابو سلمہ، سلیمان بن کثیر اور دوسرے افراد کے ساتھ ہوا۔ امامؑ اچھی طرح سے یہ بات جانتے تھے کہ ابو سلمہ اور ابو مسلم جیسے افراد فریب کا شکار ہو چکے ہیں اور اسلام و اہل بیت اور صراط مستقیم پر نہیں ہیں۔ لہٰذا آپؑ کسی بھی عنوان سے ان کی مدد کرنے اور ان کے اقدامات کو مشروع اور جائز بنانے کے لئے راضی نہیں تھے کیونکہ انقلاب کے سردار آپ کے مکتب کے افراد نہیں تھے وہ لوگ انتقام لینے کی قدرت حاصل کرنے اور سختی برتنے کی راہ میں زیادتی سے کام لیتے تھے اور ایسے کام انجام دیتے تھے کہ جن کو کوئی بھی دیندار مسلمان گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ میں ابو مسلم خراسانی کی خباثتوں کے خوفناک نمونے موجود ہیں کہ جو حجاج بن یوسف کی خباثتوں کو ذہنوں میں زندہ کر دیتے ہیں۔(۱)

امام جعفر صادقؑ کی اپنے ایک صحابی کے ساتھ ہونے والی گفتگو اس موضوع کو واضح کر دیتی ہے۔ "سدیر صیرفی" سے روایت ہے کہ: میں امامؑ کے پاس پہنچا اور آپ سے کہا: کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: اے سدیر کیا واقعہ پیش آگیا ہے؟ سدیر نے کہا: آپ کے

(۱) مزید اطلاع کے لئے کتاب سیرۂ پیشوایان کی طرف مراجعہ کریں۔ ص ۳۸۷۔۳۹۰

دوستوں اور شیعوں کی کثرت کے بارے میں بات کر رہا ہوں امامؑ نے پوچھا: بھلا کتنے افراد ہونگے؟

سدیر نے جواب دیا: ایک لاکھ افراد، امامؑ نے فرمایا: ایک لاکھ افراد؟ سدیر نے جواب دیا: ہاں شاید دو لاکھ افراد۔ امامؑ نے فرمایا: دو لاکھ افراد؟ سدیر نے جواب دیا: ہاں اور شاید آدھی دنیا (آپ کے ساتھ ہے)۔

اس گفتگو کے بعد امام سدیر کے ساتھ "ینبع" گئے وہاں پر بکریوں کے ایک گلہ کو دیکھا اور فرمایا اے سدیر، اگر ہمارے دوستوں اور پیروی کرنے والوں کی تعداد ان بکریوں کے برابر بھی ہوتی تو ہم گھر میں نہ بیٹھتے۔(۱)

آپ کی ان باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امامؑ کا واقعی نظریہ یہ تھا کہ صرف حکومت کو ہاتھ میں لے لینا کافی نہیں ہے اور جب تک حکومت کو مختلف طاقتوں اور لوگوں میں آگاہ افراد کی حمایت حاصل نہ ہو انقلاب اور اسلامی اصلاح کا پروگرام عمل میں نہیں آسکتا۔ ایسی طاقتیں اور ایسے باخبر افراد حکومت کے ساتھ ہوں کہ جو حکومت کے مقاصد سے باخبر ہوں اور اس کے نظریوں پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کی حمایت کی راہ میں قدم آگے بڑھائیں۔ عام لوگوں کے لئے حکومت کے موقفوں کی وضاحت کریں اور حادثات کی ہواؤں کے مقابلہ میں پائداری اور مقاومت کا مظاہرہ کریں۔

امامؑ کی گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر امامؑ کے لئے اپنے دوستوں اور اپنی طاقتوں پر بھروسہ کرنا ممکن ہوتا کہ جو کامیابی کے بعد اسلام کے مقاصد کو عمل میں لاتے تو آپ ہمیشہ مسلح قیام کے لئے آمادہ تھے۔ لیکن حالات اور زمانے کے شرائط اس کام کی اجازت نہیں

....

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۲، ص ۲۴۲

دیتے تھے کیونکہ یہ ایسا کام تھا کہ اگر قطعی طور پر شکست کا سامنا نہ بھی کرنا پڑتا پھر بھی اس کے نتائج کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں، اگر ان موجودہ حالات میں قیام کو شکست نہ بھی ہوتی پھر بھی اس کی کامیابی حتمی نہیں تھی۔ (۱)

(۱) زندگانی تحلیلی پیشوایان ما: عادل ادیب، ترجمہ: ڈاکٹر اسد اللہ مبشری، ص ۱۸۳۔۱۸۵ (تلخیص اور عبارت میں مختصر تبدیلی کے ساتھ)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپ کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ کا اسم گرامی ''موسیٰ'' اور لقب ''کاظم'' ہے۔ آپ کی مادر گرامی کا نام ''حمیدہ'' تھا اور آپ کے والد چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؑ ہیں۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ۱۲۸ھ میں ''ابواء'' (مدینہ کے اطراف میں ایک گاؤں) میں پیدا ہوئے۔ ۱۴۸ھ میں امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے بعد سے آپ کی امامت کا دور شروع ہوا اور ۱۸۳ھ (یا ۱۸۶ھ) میں شہید کردیئے گئے۔

امام جعفر صادقؑ کی رحلت کے وقت مشہور اور ستمگر عباسی خلیفہ منصور دوانقی کا اقتدار

آپ کے دور کے خلفاء

۱۔ منصور دوانقی (۱۳۶ھ۔۱۵۸ھ)☆

۲۔ محمد معروف بہ مہدی (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ)

۳۔ ہادی (۱۶۹ھ۔۱۷۰ھ)

۴۔ ہارون (۱۷۰ھ۔۱۹۳ھ)

☆ بریکٹ میں مذکور سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

اپنے اوج پر تھا۔ منصور وہی شخص تھا کہ جس نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کے لئے بہت سے انسانوں کو قتل کیا تھا۔ وہ اس راہ میں صرف شیعوں ہی کو نہیں بلکہ عالم تسنن کے ان فقہاء اور بزرگ شخصیتوں کو بھی سخت موردِ آزار و اذیت قرار دیتا تھا جو اس کی مخالفت کرتے تھے۔

جیسا کہ ایک مرتبہ "ابوحنیفہ" کو اسی جرم میں کوڑے لگائے اور زندان میں ڈال دیا کہ انھوں نے اس کے خلاف اور ابراہیم (عبداللہ محض کا بیٹا، اور عراق میں عباسیوں کے خلاف قیام کا قائد) کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا۔ امام موسیٰ کاظمؑ بیس سال کی عمر میں ایسے ظالم اور ستمگر حکمراں سے دوچار ہوئے کہ جو مملکت اسلامی کا بلا اختلاف حاکم شمار کیا جاتا تھا۔

جب منصور کو "محمد بن سلیمان" (مدینہ کے گورنر) کے ذریعہ سے امام جعفر صادقؑ کی رحلت کی خبر ملی تو اس نے اسے اس طرح خط لکھا:

اگر جعفر بن محمد نے کسی شخص کو اپنا جانشین معین کیا ہو تو اسے حاضر کرو اور اس کی گردن کاٹ دو، زیادہ دیر نہیں لگی کہ مدینہ کے گورنر کی رپورٹ منصور کے پاس بغداد پہنچی جس کا مضمون یہ تھا:

جعفر بن محمد نے اپنے قانونی وصیت نامہ کے ضمن میں پانچ لوگوں کو اپنا وصی بنایا ہے جو اس طرح ہیں:

۱۔ خلیفۂ وقت، منصور دوانیقی

۲۔ محمد بن سلیمان (مدینہ کا گورنر اور خود اطلاع دینے والا)

۳۔ عبداللہ بن جعفر بن محمد (امام موسیٰ کاظمؑ کے بڑے بھائی)

۴۔ موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

۵۔ حمیدہ (آنحضرت کی زوجہ)

خط کے آخر میں مدینہ کے گورنر نے یہ بھی پوچھا تھا کہ ان میں سے وہ کس کو قتل کرے؟ منصور جو ہرگز یہ تصور بھی نہیں کر رہا تھا کہ اسے ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا وہ بہت زیادہ غصہ میں آ گیا اور چلا کر بولا: انہیں قتل نہیں کیا جا سکتا!

البتہ امامؑ کا یہ وصیت نامہ صرف ایک سیاسی قدم تھا، کیونکہ امامؑ نے پہلے ہی اپنے بعد کے امام اور حقیقی جانشین یعنی امام موسیٰ کاظمؑ کو اپنے خاص شیعوں اور مخصوص خاندان والوں کے نزدیک پہنچوا دیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ منصور کے برے اور خطرناک منصوبوں سے باخبر تھے اس بناء پر آپ نے ساتویں امامؑ کی جان کی حفاظت کے لئے اس قسم کی وصیت کی تھی۔(۱)

جعفری یونیورسٹی کا نگہبان

حالات و شرائط کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم تھا کہ ایسا کوئی بھی گرم قدم اٹھانا اور ایسا کوئی بھی پروگرام کہ جس پر ابتداء ہی سے منصور کی حکومت حساس ہو جائے مناسب نہیں تھا۔ اسی بناء پر امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے والد بزرگوار کے علمی کارنامہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک حوزہ کی (اگر چہ دانشگاہ جعفری کے برابر اس کی وسعت نہیں تھی۔) تشکیل دیا اور بزرگ شاگردوں اور اہل علم اور صاحب فضیلت افراد کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔

''سید بن طاؤس'' لکھتے ہیں: امام کاظمؑ کے بہت سے اصحاب آپ کے خاص شیعہ اور ہاشمی خاندان کے افراد آپ کی خدمت میں جمع ہوتے تھے کہ جو آپ کے قیمتی کلمات اور حاضرین کے سوالوں کے جوابات کو لکھتے تھے اور ہر پیش آنے والے واقعہ سے متعلق جو حکم آپ صادر فرماتے تھے اسے بھی محفوظ کر لیتے تھے۔(۲)

---

(۱) تاریخ الخلفاء: عبدالرحمن سیوطی، ص ۲۵۹

(۲) الانوار البہیہ۔ شیخ عباس قمی، ص ۱۷۰۔

دورِ حاضر کے مشہور دانشمند "سید امیر علی" لکھتے ہیں:

۱۴۸ھ میں امام جعفر صادقؑ شہر مدینہ میں اس دنیا سے گذر گئے، لیکن خوش قسمتی سے آپ کی علمی درسگاہ معطل نہیں ہوئی بلکہ آپ کے فرزند اور جانشین امام موسیٰ کاظمؑ کی رہبری میں اپنی بہار کو بچائے رکھا۔ (۱)

امام موسیٰ کاظمؑ نے صرف علمی لحاظ سے ہی نہیں اس دور کے دانشمندوں اور مردانِ علم کو تحت الشعاع میں ڈال دیا تھا بلکہ اخلاقی فضائل اور ممتاز انسانی صفات کے لحاظ سے بھی زبانِ خاص و عام کی زبان پر تھے۔ اس طریقہ سے کہ تمام وہ علماء جو آپ کی پر افتخار زندگی کی واقفیت رکھتے ہیں وہ آپ کی اخلاقی شخصیت کی عظمت و بزرگی کے سامنے سرِ تعظیم خم کرتے ہیں۔

عالم تسنن کے مشہور عالم و محدث "ابن حجر ھیثمی" لکھتے ہیں:

"موسیٰ کاظمؑ اپنے والد کے علم و دانش کے اور فضل و کمال کے وصی تھے۔ آپ کی عفو، بخشش اور اس غیر معمولی صبر و تحمل کے پرتو میں (کہ جو نادان افراد کے ساتھ سلوک کی صورت میں) جس کا آپ مظاہرہ کرتے تھے آپ کو "کاظم" کا لقب حاصل ہوا۔ آپ کے دور میں کوئی بھی شخص علم و بخشش اور معارف الٰہی کے میدان میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ (۲)

آپ کے دور میں خلافت کا سیاہ کارنامہ

۱۔ مہدی عباسی

منصور کی خلافت کا سیاہ دور کہ جو اپنی منحوسیت کے زیر سایہ تمام اسلامی ممالک پر گراں گذر رہا تھا، اس کے مرنے کے ساتھ اختتام کو پہنچا اور لوگوں نے ۲۲ رسال تک فشار اور

(۱) مختصر تاریخ العرب: عفیف البعلبکی، ص ۲۰۹۔
(۲) الصواعق المحرقۃ: ابن حجر مکی، ص ۲۰۳

تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد راحت کی سانس لی۔

اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد جو ''مہدی'' کے نام سے مشہور تھا حکومت میں آیا ابتداء میں مہدی کی حکومت عام لوگوں کے گرم استقبال سے رو برو ہوئی کیونکہ ابتداء میں اس نے لوگوں کو سبز باغ کا دروازہ دکھلایا اور ''عفو عمومی'' کا حکم صادر کر کے تمام سیاسی قیدیوں کو (بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم سب کو) آزاد کر دیا اور لوگوں کے قتل کرنے، شکنجے اور اذیتیں دینے کا خاتمہ کیا اور لوگوں کے ان تمام منقول اور غیر منقول اموال کو کہ جو اس کے باپ منصور نے ضبط کر رکھے تھے ان کے مالکوں کو دے دیا، اور بیت المال میں موجود خزانہ کو بہت زیادہ مقدار میں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔(۱)

البتہ اگر یہی پروگرام جاری رہتا تو یہ اپنے ساتھ درخشاں آثار و نتائج لے کر آتا لیکن افسوس کہ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ پروگرام بدل گیا اور جدید خلیفہ نے اپنے اصلی چہرے کو آشکار کر دیا اور گذشتہ خلفاء کے اسلام مخالفت پروگرام از سر نو شروع ہوئے۔

اس نے عیاشی کی محفل برپا کی۔ اور ان ندیموں کو کہ جنہیں آغاز خلافت میں دربار میں نہیں آنے دیتا تھا غیر معمولی توجہ دینے لگا، اور اس کے خیر خواہ اور بے غرض افراد نے اس کام کے برے نتائج کے بارے میں جتنا ہو سکا اسے سمجھایا لیکن پھر بھی اس نے ان کی باتوں پر توجہ نہ دی اور کہا ''وہ لمحہ بہترین ہے کہ جو بزم میں گذرے اور ندیموں کے بغیر زندگی ناپسند ہے'' خلیفہ جو عیاشیوں میں سر گرم تھا، لوگوں کے حال سے بے خبر رہ گیا اور نتیجہ میں فساد اور رشوت خوری کو رواج مل گیا، اور ٹیکس وصول کرنے کے ذمہ داروں نے لوگوں پر زمانے کو تنگ کر دیا، اس نے خود بھی سختی سے کام لینا شروع کیا اور پہلی مرتبہ کے لئے بغداد کے بازاروں پر ٹیکس باندھ دیا۔

---

(۱) تاریخ یعقوبی: ابن واضح، ج۳، ص۱۳۲

کسانوں کی زندگی غیر معمولی پریشانی سے دوچار ہوگئی اور سختی اور فشار کی شدت سے پریشانی و بدحالی میں مبتلا ہو گئے۔(۱)

علویوں پر غیر معمولی سختی

مہدی اپنی طرز رفتار کے لحاظ سے اپنے باپ منصور سے مختلف جہات سے الگ پہچان رکھتا تھا لیکن ایک جہت سے ان دونوں کی روش یکساں تھی اور وہ علویوں پر غیر معمولی سختی سے کام لیتا تھا۔ مہدی بھی منصور کی طرح بنی ہاشم پر ہر قسم کی سختی اور دباؤ سے کام لینے میں کم نہیں تھا یہاں تک کبھی کبھی منصور سے بھی زیادہ سختی کا مظاہرہ کرتا تھا اور ہمیشہ ہر اس تحریک کو کچلنے کی فکر میں رہتا تھا جس کی رہبری بنی ہاشم کے ہاتھوں میں ہوتی تھی وہ شیعیت کی طرف مائل ہونے اور علوی خاندان کے رہنماؤں کی مدد کرنے کی سخت ممانعت کرتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں: ''قاسم بن مجاشع تمیمی'' نے اپنی موت کے وقت ایک وصیت نامہ لکھا اور اس پر دستخط لینے کی غرض سے مہدی کے پاس بھیجا، مہدی وصیت نامہ کو پڑھنے میں مشغول ہو گیا لیکن جیسے ہی اس جملے تک پہنچا کہ جس میں قاسم نے اپنے اسلامی عقائد کو بیان کرنے کے ضمن میں، پروردگار کی وحدانیت اور پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کے اقرار کے بعد علیؑ کو امام اور پیغمبر اکرمؐ کا جانشین تسلیم کیا تھا اس نے وصیت نامہ کو زمین پر پھینک دیا اور اسے پورا نہیں پڑھا۔(۲)

قرآن مجید میں حرمت شراب کا تذکرہ

تشیع کے ساتھ مہدی کی شدید مخالفت کا دوسرا نمونہ وہ گفتگو ہے جو اس کے اور امام موسیٰ کاظمؑ کے درمیان مدینہ میں ہوئی، ایک سال مہدی مدینہ گیا اور پیغمبر اکرمؐ کے روضے

---

(۱) حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام: باقر شریف القرشی، ج۱، ص ۴۳۶۔

(۲) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج۶، ص ۸۶۔

کی زیارت کے بعد امام کاظمؑ سے ملاقات کی اور اپنے خیال میں امامؑ کو علمی حوالے سے آزمانے کی غرض سے حرمتِ خمر (شراب) کی بحث چھیڑی اور پھر اس طریقہ سے اس کے اور امامؑ کے درمیان سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

مہدی: کیا قرآن مجید میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے؟ پھر آگے کہا: اکثر لوگ یہ جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں شراب پینے سے منع کیا گیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ کیا اس منع کرنے کا مطلب اس کا حرام ہونا ہے!

امامؑ: جی ہاں، قرآن مجید میں صراحتاً شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

مہدی: کس مقام پر؟

امامؑ: جس جگہ خداوند (پیغمبر اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے) فرماتا ہے: ''کہہ دو! میرے پروردگار نے صرف برے کاموں کو خواہ، وہ کھلم کھلا انجام دئے جائیں یا چھپ کر اور ''اثم'' (گناہ) اور ناحق ستم کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔(۱)

اس وقت امامؑ نے ان چند دوسرے امور کو بیان کرنے کے بعد کہ جن کو اس آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے فرمایا: اس آیت میں کلمہ ''اثم'' سے مراد جسے خداوند عالم نے حرام قرار دیا ہے، وہی شراب ہے، کیونکہ خدا دوسری آیت میں فرماتا ہے:

''تم سے شراب اور قمار کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تم (ان سے) کہہ دو کہ اس میں اثم کبیر (بہت بڑا گناہ) اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں اور اس کا گناہ اس کے فائدے سے بڑا ہے۔(۲)

....

(۱) سورۂ اعراف: ۳۳

(۲) سورہ بقرہ: ۲۱۹

اور ''اثم'' جو سورۂ اعراف میں صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے سورۂ بقرہ میں شراب اور قمار کے بارے میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر شراب قرآن مجید میں بطور صریح حرام قرار دی گئی ہے۔

امامؑ کے اس استدلال سے مہدی سخت متاثر ہوا اور علی بن یقطین سے مخاطب ہو کر (جو وہاں موجود تھے) بے اختیار کہا: خدا کی قسم یہ فتویٰ ہاشمی فتویٰ ہے! علی بن یقطین نے کہا: ''خدا کا شکر کہ اس نے اس علم کو آپ پیغمبر اکرمؐ کے خاندان والوں کو عطا کیا ہے''۔ ☆

مہدی اس جواب سے ناراض ہوا اور اپنے غصہ کو بہت مشکل سے پیتے ہوئے بولا: ''سچ کہہ رہے ہو اے رافضی''!!(۱)

۲-ہادی عباسی

۱۶۹ھ میں ''مہدی عباسی'' کی موت کے بعد اس کا بیٹا ''ہادی'' جو ایک عیاش، مغرور اور نا تجربہ کار جوان تھا مسند خلافت تک پہنچا اور اس کی حکومت بہت سے ایسے تلخ حادثات کا سرچشمہ بنی جو اسلامی جامعہ پر بہت گراں گذرے۔ (۲)

جس وقت ہادی مسند خلافت پر بیٹھا اس کی عمر ۲۵ ر سال بھی نہیں تھی اور اخلاقی جہات سے وہ کسی بھی طرح خلافت کے منصب اور جامعہ اسلامی کی باگ ڈور سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ ایک شرابی اور لا ابالی جوان تھا اس کی خلافت کے دوران، اسلامی حکومت کہ جہاں ابتداء میں نسبتاً سکون تھا اور تمام صوبے مرکزی حکومت کی اطاعت کرتے

☆ اس زمانے میں بنی ہاشم، یا ہاشمی کا عنوان بنی عباس کو بھی شامل ہوتا تھا لہٰذا مہدی کا یہ کہنا: کہ یہ ہاشمی فتویٰ ہے اس سے وہ یہ چاہ رہا تھا کہ اس افتخار کو بنی عباس سے منسوب کرے، گویا علی بن یقطین کی مراد یہ تھی کہ بنی عباس اور علویوں کے درمیان قرابت کو دیکھتے ہوئے امام کاظمؑ کا علم مہدی کے لئے بھی باعث فخر ہے۔

(۱) الفروع من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج۶، ص۴۰۶

(۲) مروج الذہب: مسعودی، ص۳۲۴

تھے، وہ اس کی رفتار اور برے اعمال کے نتیجہ پر اضطراب اور ناراضی کا شکار ہو گئے۔ اور ہر طرف لوگوں میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ البتہ اس صورت حال کے پیدا ہونے کے بہت سے اسباب تھے لیکن وہ چیز کہ جو سب سے زیادہ لوگوں کی ناراضگی اور غصہ کا سبب بنی وہ ہادی کا بنی ہاشم اور فرزندان علیؑ کے ساتھ سختی برتنا تھا۔ اس نے آغاز خلافت ہی سے سادات اور بنی ہاشم کو طاقت فرسا دباؤ میں رکھا اور ان کے اس حق کو بھی قطع کر دیا کہ جو مہدی کی خلافت کے دور سے انہیں بیت المال سے دیا جاتا تھا، اور اس کے جاری رکھنے والوں کو سخت سزا دے کر ان کے درمیان شدید رعب اور وحشت پیدا کر دی اور حکم دیا کہ مختلف علاقوں میں انھیں گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا جائے۔(۱)

سرزمین فخ کا خونی حادثہ

اس قسم کی سختیوں اور فشار نے بنی ہاشم کے دلیر اور آزاد مردوں کو ظالم عباسی حکومت کی طرف سے پے در پے ہونے والے حملوں کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور انہیں ظلم وستم کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ عباسی حکومت کے مقابلہ میں مقاومت کی تحریک کی بنیاد پڑی جس کی قیادت ''حسین صاحب فخ'' (۲) کے ہاتھوں میں تھی اور آپ امام حسن مجتبیٰ کے پر پوتے تھے۔

البتہ ابھی یہ تحریک وجود میں نہیں آئی تھی اور اس کا معینہ وقت کہ جو حج کا زمانہ تھا ابھی نہیں آیا تھا لیکن مدینہ کے وقت کے گورنر کی طاقت فرسا سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک

....

(۱) تاریخ یعقوبی: ابن واضح، ج ۳، ص ۱۴۲۔

(۲) آپ حسین بن علی بن حسن بن حسن ابن علی بن ابی طالبؑ ہیں اور چونکہ آپ مکہ سے ۶ میل دور ''فخ'' نام کی ایک جگہ پر خلیفۂ عباسی کے سپاہیوں سے جنگ کرتے ہوئے قتل کئے گئے لہٰذا آپ ''صاحب فخ'' یا ''شہید فخ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

کی آگ قبل از وقت بھڑک اٹھی، مدینہ کا گورنر جو خاندان پیغمبرؐ کے مخالفین میں سے تھا اور حکومت کے نزدیک اپنی لیاقت کو ثابت کرنے اور اچھا خدمت گزار ظاہر کرنے کی غرض سے بنی ہاشم کے بزرگ افراد اور شخصیتوں کو ہر روز اذیت دیتا تھا من جملہ یہ کہ ان کو اس بات پر مجبور کرتا تھا کہ وہ ہر روز گورنر کے پاس حاضر ہو کر اپنی شناخت کرائیں۔ اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں ایک دوسرے کے حاضر ہونے کا ذمہ دار قرار دیا اور ایک کو دوسرے کے غائب ہونے کی صورت میں سوال کرتا تھا اور قید میں رکھتا تھا۔(۱) ایک دن بنی ہاشم کے ایک بزرگ کے حاضر نہ ہونے کی وجہ سے ''حسین صاحب فخ'' اور یحییٰ بن عبداللہ'' کے باز پرس کی اور انہیں اسیر کے عنوان سے قید میں رکھا۔ اور یہی واقعہ بارود کے ڈھیر میں چنگاری کی طرح بنی ہاشم کے غم وغصہ کے پھوٹ پڑنے کا سبب بنا اور ان کی تحریک کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ مدینہ میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

آغازِ تحریک

''حسین صاحب فخ'' بنی ہاشم کے صاحبِ فضیلت وشہامت ممتاز اور عالی مقام افراد میں سے تھے وہ ایک پرہیز گار، کریم اور شریف النفس انسان تھے اور بلند انسانی صفات کے لحاظ سے ایک مشہور اور ممتاز شخص تھے۔(۱)

....

(۱) تاریخ الامم والملوک: محمد بن جریر الطبری، ج ۱۰، ص ۲۵۔ مقاتل الطالبین: ابوالفرج الاصفہانی، ص ۲۹۴۔۲۹۵

(۲) ''حسین صاحب فخ'' کی شہادت کے بعد جب آپ کا سر مدینہ لایا گیا تو ساتویں امامؑ اسے دیکھ کر سخت غمگین ہوئے اور گہرے غم واندوہ کے ساتھ فرمایا: خدا کی قسم وہ ایک اچھے کام انجام دینے والا مسلمان تھا وہ بہت زیادہ روزے رکھتا تھا، بہت زیادہ نمازیں پڑھتا تھا، گندگی، اور برائیوں سے جنگ کرتا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیتا تھا وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان بے نظیر تھا۔ (مقاتل الطالبین: ابو الفرج الاصفہانی، ص ۳۰۲۔

آپ کے والد، ماموں، اور جد کے علاوہ بہت سے دوسرے رشتہ داروں اور قریبی افراد کو منصور دوانیقی نے شہید کیا تھا۔ اور یہ بڑا خاندان کہ جس کے بہت سے افراد دشمنان اسلام سے جنگ کی راہ میں قربان ہو گئے تھے ہمیشہ گہرے غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔(۱)

تحریک کی شکست

"حسین صاحب فخ" کے قیام کرتے ہی مدینہ اور بنی ہاشم کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ہادی کے طرفداروں سے لڑنے میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ہادی کے حامیوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ چند روز کے فاصلے کے بعد دوبارہ طاقت جمع کر کے مکہ کی طرف حرکت کی تا کہ حج کے دنوں میں ہونے والے مسلمانوں کے اجتماع سے فائدہ اٹھا کر مکہ کو اپنا مرکز قرار دیں اور اس طرح اپنی تحریک کو وسعت دے سکیں۔ ادھر مدینہ میں ہونے والی جنگ اور ان لوگوں کے مکہ کی طرف حرکت کرنے کی اطلاع ہادی تک پہنچی۔ ہادی نے ایک فوج کو ان سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور سر زمین "فخ" پر دونوں فوجوں کا سامنا ہوا اور سخت جنگ واقع ہوئی جنگ کے درمیان "حسین" اور دوسرے بہت سے بنی ہاشم کے بزرگ اور دلیر افراد شہید ہو گئے اور ان کی باقی فوج منتشر ہو گئی اور بعض کو اسیر کر کے بغداد لے جایا گیا اور وہاں انہیں قتل کر دیا گیا۔

ہادی کے فوجیوں نے صرف انہیں قتل کرنے پر اکتفا نہیں کی اور نامردی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں دفن نہیں کیا بلکہ ان کے سروں کو جدا کر کے ہادی کے پاس بغداد بھیجا جن کی تعداد بعض مؤرخین کے قول کے مطابق سو سے زیادہ تھی۔(۲)

---

(۱) مقاتل الطالبین: ابوالفرج الاصفہانی، ص ۲۸۵۔

(۲) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج ۶، ص ۹۳۔ تاریخ الامم والملوک: محمد بن جریر الطبری، ج ۱۰، ص ۲۸

شہید فخ کی تحریک کی شکست ایک تلخ اور دردناک واقعہ تھا جس نے تمام شیعوں بالخصوص خاندان پیغمبرؐ کے افراد کے دلوں کو سخت رنجیدہ کر دیا اور کربلا کے واقعہ کی یاد ذہنوں میں تازہ کر دی۔ یہ واقعہ اتنا زیادہ دلخراش اور دردناک تھا کہ برسوں بعد امام جوادؑ فرماتے تھے ''واقعہ کربلا کے بعد ہمارے لئے کوئی بھی واقعہ، فخ کے واقعہ سے بڑا نہیں تھا۔(۱)

ساتویں امامؑ اور شہید فخ

ایسا نہیں ہے کہ اس حادثہ کا ساتویں امامؑ سے کوئی ربط نہیں تھا کیونکہ امامؑ نہ صرف یہ کہ تحریک کے آغاز سے لے کر اس کے تشکیل پانے تک کی اطلاع رکھتے تھے بلکہ ''حسین شہید فخ'' کے ساتھ اس سلسلے میں رابطہ بھی رکھے ہوئے تھے۔ اگرچہ ساتویں امامؑ تحریک کی شکست کے متعلق پیشینگوئی کرتے تھے لیکن جب آپ نے محسوس کیا کہ حسین اپنے ارادے میں محکم ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

''اگرچہ تم شہید ہو جاؤ گے لیکن پھر بھی جنگ و جہاد کی راہ میں کوشش کرتے رہو یہ لوگ بدکار اور گندے افراد کہ جو ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن باطن میں وہ ایمان اور عقیدہ نہیں رکھتے، میں اس راہ میں تمہارے اجر کو بزرگ پروردگار سے طلب کرتا ہوں۔''(۲)

دوسری طرف ہادی عباسی جو یہ بات جانتا تھا کہ ساتویں امامؑ پیغمبر اکرمؐ کے خاندان کی سب سے بڑی شخصیت ہیں اور بنی ہاشم اور سادات ان کی شخصیت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ فخ کے حادثہ کے بعد بہت خفا ہوا کیونکہ اُسے اس بات کا یقین تھا کہ مخفی طور پر بعض جہات سے اس کاروائی کی قیادت ساتویں امامؑ کے ذمہ تھی اسی بناء پر اس

(۱) بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۶۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۶۹۔ الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۳۶۶۔ مقاتل الطالبین: ابو الفرج الاصفہانی، ص ۲۹۸۔

نے ساتویں امامؑ کو قتل کی دھمکی دی اور کہا:

''خدا کی قسم حسین (صاحب فخ) نے موسیٰ بن جعفرؑ کے حکم سے میرے خلاف قیام کیا اور ان کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اس نے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ اس خاندان کا امام اور پیشوا موسیٰ بن جعفرؑ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ خدا مجھے موت دیدے اگر میں انھیں زندہ چھوڑ دوں۔''(۱)

اگر چہ امام موسیٰ کاظمؑ نے ان دھمکیوں کو اہمیت نہیں دی لیکن پیغمبر اکرمؐ کے خاندان والوں اور آنحضرت کے شیعوں اور چاہنے والوں کے درمیان اس سے سخت خوف ووحشت پیدا ہوگئی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے نجس اہداف کو عمل میں لاتا اس کی زندگی کے دن ختم ہوگئے اور اس کی موت کی خبر سے مدینہ میں خوشی اور شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی!

۳- ہارون رشید

بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام حکمراں کہ جنہوں نے چند صدیوں تک اسلام کے نام پر اسلامی جامعہ پر حکومت کی اس بات کی کوشش میں تھے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنا معنوی نفوذ پیدا کر سکیں اور لوگوں کا اعتماد اور احترام حاصل کر سکیں تا کہ اپنی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم بنا سکیں اور لوگوں پر مزید اپنا تسلّط برقرار کر سکیں کیونکہ جب مسلمان ان کی حکومت کو دل وجان سے قبول کریں گے تو وہ ان کی اطاعت کو بھی اپنا دینی فریضہ سمجھیں گے۔

لیکن چونکہ قلبی عقیدہ زور وزبردستی اور طاقت کے بل پر پیدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ ختم ہی کیا جا سکتا ہے لہٰذا وہ مجبور ہو کر عوام فریبی کے راستہ سے داخل ہوتے تھے اور جھوٹے پروگراموں کے ذریعہ سے معنوی نفوذ حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ البتہ اس سلسلے

(۱) بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۵۱۔

میں بظاہر عباسی حکمرانوں کے پاس کامیابی کا وسیلہ موجود تھا کہ جو اموی حکمرانوں کے پاس نہیں تھا اور وہ پیغمبر اکرمؐ کے خاندان سے قرابت اور رشتہ داری کا ہونا تھا۔ بنی عباس جو رسولؐ کے چچا (عباس بن عبدالمطلب) کی نسل سے تھے لہٰذا وہ خاندان رسالت سے اپنی نسبت کا تبلیغی فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور اپنے کو خلافت کا وارث قرار دیتے تھے لیکن پھر بھی ان کا تبلیغی حربہ شیعوں ؑکے بزرگ اماموں کے مقابلہ میں کند تھا کیونکہ اولاً: خلافت کے معاملے میں وراثت کا دخل نہیں ہے بلکہ مقام خلافت کے لئے خود رہبر اور پیشوا کی ذاتی عظمت و پاکیزگی اور مقام خلافت کی لیاقت رکھنا ضروری ہے ثانیاً: اگر ہم یہ فرض کریں کہ اس مسئلہ میں وراثت کا بھی دخل ہو پھر بھی امیر المومنینؑ کے فرزند دوسروں پر مقدم تھے کیونکہ وہ رسول اکرمؐ کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے۔

لہٰذا شیعوں کے بزرگ ائمہ معصومینؑ کہ جو ذاتی لیاقت بھی رکھتے تھے اور قرابت کے اعتبار سے بھی پیغمبر اکرمؐ سے زیادہ نزدیک تھے ہمیشہ لوگوں کی توجہ اور احترام کا مرکز تھے اور بنی امیہ اور بنی عباس کی ان تمام کوششوں کے باوجود کہ جنہیں وہ معنوی نفوذ کو حاصل کرنے کی راہ میں انجام دیتے تھے پھر بھی عمل کے میدان میں عمومی مقبولیت و محبوبیت کے ترازو کا پلّہ بزرگ ائمہ معصومینؑ کے حق میں بھاری رہتا تھا۔

دلوں پر حکومت

تمام عباسی خلفاء کے درمیان اگر دیکھا جائے تو یہ موضوع سب سے زیادہ ہارون کے دور میں جلوہ گر تھا۔ ہارون جو تمام قدرت و طاقت اور اپنی حکومت کو وسعت عطا کرنے کے باوجود یہ محسوس کر رہا تھا کہ ابھی بھی لوگوں کے دل موسیٰ بن جعفرؑ کے ساتھ ہیں لہٰذا وہ اس بات سے سخت رنجیدہ تھا اور امامؑ کے معنوی نفوذ کو ختم کرنے کی راہ میں ناکام کوشش کرتا رہتا تھا۔ یہ بات اس کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ اسے روزانہ یہ اطلاع ملتی تھی کہ لوگ

... لوگ چھپ کر امام موسیٰ کاظمؑ کو ادا کرتے ہیں اور اپنے اس عمل سے در حقیقت
... حکومت کو غیر قانونی سمجھتے ہیں اور عباسی حکومت سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی
... ایک دن جب ہارون نے ساتویں امامؑ کو کعبہ کے نزدیک دیکھا تو آپ سے کہا:

"آپ ہی وہ شخص ہیں کہ جس کے ہاتھوں پر لوگوں نے چھپ کر بیعت کی ہے اور
آپ ہی کو امامت کے لئے انتخاب کیا ہے"؟

امامؑ نے فرمایا میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہوں اور تم ان کے جسموں پر!(۱)

پیغمبر اکرمؐ کا فرزند کون؟

جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہارون بطور آشکارا خاندان رسالت سے
اپنی قربت کا سہارا لیتا تھا اور موقع پر اس بات کو لوگوں کے درمیان بیان کرتا تھا ایک دن وہ
مدینہ گیا کہ جہاں رسول اکرمؐ کی قبر کی زیارت کے لئے بھی گیا جب وہ حرم رسول کے
نزدیک پہنچا کہ جہاں پر قریش اور دوسرے قبیلوں کے لوگ بہت زیادہ تعداد میں جمع تھے
ہارون نے پیغمبر اکرمؐ کی قبر کی طرف رخ کر کے کہا:

"درود ہو تم پر اے پیغمبرؐ خدا! درود ہو تم پر اے پسرِ عمو!"

اور لوگوں کے مجمع میں اپنے پیغمبر اکرمؐ کے چچا کی اولاد سے ہونے کو یاد دلاتا تھا اور
ان بوجھ کر اس بات پر فخر کا اظہار کرتا تھا تا کہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ خلیفہ پیغمبر اکرمؐ کے
... کی اولاد سے ہے!

اسی درمیان ساتویں امامؑ جو وہاں پر موجود تھے اور ہارون کے قصد سے باخبر تھے
... اکرمؐ کی قبر کے نزدیک تشریف لے گئے اور بلند آواز سے کہا "اے پیغمبر خداؐ درود ہو

---

(۱) ... صواعق المحرقہ، ابن حجر ہیثمی، ص ۲۰۴۔

آپ پر، درود ہو آپ پر اے پدر"! ہارون اس بات سے بہت زیادہ ناراض ہوا اس طرح کہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے بے اختیار کہا: "حقیقتاً یا فخر ہے۔"(۱)

وہ صرف اس بات کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ لوگوں کے درمیان خاندان رسالت سے اپنی قرابت کو بیان کرے بلکہ یہ بھی چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح سے ان بزرگ ائمہ معصومین کے پیغمبر اسلام کی اولاد سے ہونے کا انکار کرے۔ اس نے ایک دن ساتویں امام سے اس طرح کہا: "آپ کیسے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم کی اولاد سے ہیں جب کہ در حقیقت علی کی اولاد سے ہیں کیونکہ ہر شخص اپنے پدری جد سے منسوب ہوتا ہے نہ کہ مادری جد سے؟"

امام موسیٰ کاظم نے اس کے جواب میں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی کہ جس کے ضمن میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "........اور ابراہیم کی اولاد سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون (سب کی ہم نے ہدایت کی) اور نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس (سب کی ہدایت کی) (اور یہ) سب خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں۔"(۲)

پھر فرمایا کہ اس آیت میں جناب عیسیٰ کو گذشتہ بزرگ پیغمبروں کے فرزند میں شمار کیا گیا ہے جب کہ جناب عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا اور صرف ان کی ماں جناب مریم کے ذریعہ ان کا نسب پیغمبروں تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے حکم کی بنیاد پر بیٹی کی اولاد بھی فرزند شمار کی جاتی ہے اور اس طرح سے ہم بھی اپنی ماں "فاطمہ" کے ذریعہ سے پیغمبر اکرم

---

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۲۹۸۔ الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج ۶، ص ۱۶۴۔

(۲) سورۂ انعام: ۸۵و۸۶

کے فرزند ہیں۔(۱)

اس متین استدلال کے مقابلہ میں خاموشی کے علاوہ ہارون کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور مفصل اور ولولہ انگیز مناظرہ ہے کہ جو امام موسیٰ کاظم اور ہارون کے درمیان ہوا کہ جس میں امام نے ہارون کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ لوگ کیوں خود کو علی کے بجائے پیغمبر اکرمؐ کا فرزند قرار دیتے ہیں؟ فرمایا:

اگر پیغمبر اکرمؐ زندہ ہو جائیں اور تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہیں تو کیا تم اپنی لڑکی کی شادی پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ کر دو گے؟

ہارون نے جواب دیا: نہ صرف اس کی شادی رسول اکرمؐ کے ساتھ کر دوں گا بلکہ اس رشتہ پر تمام عرب و عجم کے درمیان فخر کروں گا۔

امامؑ نے فرمایا: لیکن میرے متعلق یہ بات صحیح نہیں ہے، نہ رسول اکرمؐ میری بیٹی سے شادی کر سکتے ہیں اور نہ میں اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر سکتا ہوں۔

ہارون نے سوال کیا: کیوں؟

امامؑ نے جواب دیا: چونکہ میں ان کی نسل سے ہوں اور یہ شادی حرام ہے لیکن تم ان کی نسل سے نہیں ہو۔

ہارون نے کہا: آفرین!(۲)

---

(۱) نورالابصار: شبلنجی، ص ۱۳۹۔ الفصول المہمۃ: ابن صباغ مالکی، ص ۲۴۰۔ الصواعق المحرقۃ: ابن حجر ہیثمی، ص ۲۰۳۔

(۲) بحارالانوار، ج ۴۸، ص ۱۲۷۔

اسلامی حکومت تشکیل دینے کا ارمان

ہارون یہ بات جانتا تھا کہ موسیٰ بن جعفرؑ اور آپ کے شیعہ اس کو حضور پیغمبر کی خلافت کا غاصب اور ایک ظالم حکمراں سمجھتے ہیں کہ جس نے طاقت وقوت کے زور پر انسانوں کی تقدیر کو اپنے ہاتھوں میں لے رکھا ہے اور جب بھی ان میں اس سے لڑنے اور جنگ کرنے کی قدرت پیدا ہو جائے وہ اس کی حکومت کو نابود کرنے میں ایک لحظہ کے لئے بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ذیل میں بیان کی جانے والی گفتگو سے کہ جو ساتویں امام اور ہارون کے درمیان ہوئی اچھی طرح سے اسلامی حکومت کو تشکیل دینے کی راہ میں امامؑ کے بلند ارادوں اور ہارون کی گندی نیت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک دن ہارون نے (شاید امامؑ کو آزمانے اور آپ کے ارمانوں کو جاننے کی غرض سے) امامؑ سے کہا کہ وہ فدک کو آپ کو پلٹانے کے لئے راضی ہے۔ امامؑ نے فرمایا: فدک کو صرف اس صورت میں لینے پر راضی ہوؤں گا کہ جب تو اسے اس کے تمام حدود کے ساتھ واپس کرے! ہارون نے سوال کیا، اس کی حدیں کون سی ہیں؟

امام نے فرمایا: اگر اس کی حدوں کو بتا دوں تو تم کبھی بھی واپس نہیں دے سکتے۔ ہارون نے اصرار کیا اور قسم کھائی کہ وہ ضرور ایسا کرے گا۔ امامؑ نے اس کی حدوں کو اس طرح معین فرمایا:

پہلی حد : عدن

دوسری حد : سمرقند

تیسری حد : افریقہ

چوتھی حد : آرمینہ اور دریائے خزر کا علاقہ

ہارون جو ایک ایک کر کے ان حدوں کو سن رہا تھا اور ہر حد کے ختم پر اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور بہت زیادہ بے چین ہو رہا تھا۔ جب اس نے چاروں حدود کو سن لیا تو اپنے پر قابو نہ کر سکا اور غم و غصہ کے ساتھ بولا: اس طرح سے تو پھر ہمارے لئے کچھ بھی نہیں بچے گا! امامؑ نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ تم قبول نہیں کرو گے اسی وجہ سے میں بتانے سے انکار کر رہا تھا۔(۱)

امامؑ اپنے اس جواب کے ذریعہ سے ہارون کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ فدک درحقیقت اہل بیتؑ سے حکومت کے حق کو غصب کرنے کا ایک جلوہ ہے، اور اصحاب سقیفہ نے فدک اور رسول اکرمؐ کی بیٹی اور داماد سے لے کر درحقیقت اہل بیت عصمت و طہارت سے حکومت و خلافت کے حق کو غصب کر لیا۔ لہٰذا اگر ہمارے حق کو ہم تک پلٹانا چاہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ پوری اسلامی حکومت کو ہمارے حوالے کر دو۔ یہ گفتگو امامؑ کے بلند اہداف کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے۔

بیت المال جمع کرنا

دوسری طرف اگرچہ ظاہری قدرت و حکومت ہارون کے ہاتھ میں تھی لیکن اس کی حکومت صرف جسموں پر تھی لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ لیکن ساتویں امام لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور عام لوگوں کی نظر میں آپ کی بہت زیادہ محبوبیت کے پرتو ہیں۔ مجاہد اور روشن خیال مسلمان اپنے اموال کا خمس اور دوسرے بیت المال کے متعلق اموال کو امامؑ کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ اور یہ بات ہارون پر بھی پوشیدہ نہیں تھی کیونکہ اسے اس کے جاسوسوں کے ذریعہ سے روزانہ یہ خبر ملتی تھی کہ وسیع اسلامی

---

(۱) تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، ص ۳۵۰۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۲۰۔

مملکت کے چاروں طرف سے بہت سی اسلامی رقومات امام موسیٰ بن جعفر کے لئے بھیجی جاتی ہیں اس طرح سے کہ گویا آپ نے بیت المال کا صندوق قائم کیا ہو۔(۱)

---

(۱) بحارالانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۸، ص ۲۳۲۔ نورالابصار: شبلنجی، ص ۱۵۱۔ الفصول المہمہ: ابن صباغ مالکی، ص ۲۲۰۔ الصواعق المحرقہ: ابن حجر ہیثمی، ص ۲۰۴

وہ رقومات مختلف علاقوں سے امام کے پاس بھیجی جاتی تھیں اس کی مقدار کا اندازہ لگانے کے لئے درج ذیل رقومات پر توجہ دیتے ہیں:

امام موسیٰ کاظم کی شہادت کے وقت ستر ہزار دینار زیاد بن مروان قندی کے پاس تھے اور تیس ہزار دینار علی بن ابی حمزہ کے پاس تھے (یہ دونوں افراد آپ کے نمائندے تھے) اس کے علاوہ تیس ہزار دینار عثمان بن عیسیٰ اواسی کے پاس تھے کہ جو مصر میں آپ کے نمائندے تھے۔ بحارالانوار، ج ۴۸، ص ۲۵۲۔۲۵۳

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

حضرت علی بن موسی الرضاؑ ۱۱رذی قعدہ ۱۴۸ھ کو سامرہ میں پیدا ہوئے۔(۱) آپ کے والد امام موسیٰ کاظمؑ تھے اور آپ کی مادرِ گرامی کا نام ''تکتم'' تھا کہ جسے امام موسیٰ کاظمؑ نے امام رضاؑ کی ولادت کے بعد بدل کر ''طاہرہ'' کر دیا۔(۲)

آپ کی کنیت ''ابوالحسن'' اور لقب ''رضا'' ہے۔ آپ نے اپنے والد گرامی کی بغداد کے زندان میں شہادت کے بعد (۱۸۳ھ) ۳۵ رسال کی عمر میں امامت اور امت کی رہبری کی ذمہ داری سنبھالی۔

آپ کے دور کے خلفاء

آپ کی امامت کی کل مدت بیس سال تھی جن میں سے دس سال ''ہارون رشید'' کی خلافت کے دور میں گذارے اور پانچ سال ''محمد امین'' کی خلافت کے دور میں اور آخر

---

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۴۸۶۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۰۴۔

(۲) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۴۹، ص ۵ و ۷۔ عیون اخبار الرضاؑ: شیخ صدوق، ج ۱، ص ۱۴۔

کے پانچ سال "عبداللہ مامون" کی خلافت کے دور میں گذارے۔

امامؑ، مامون کی خلافت کے آغاز تک اپنے وطن شہر مدینہ میں مقیم تھے لیکن مامون نے حکومت حاصل کرنے کے بعد آپ کو خراسان آنے کی دعوت دی اور آخر کار آپ ماہ صفر ۲۰۳ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور اسی شہر میں دفن کئے گئے۔(۱)

امام ہارون کے دور میں

۱۸۳ھ کے بعد سے کہ جب ساتویں امامؑ کو ہارون کے حکم سے زہر دیا گیا اور آپ بغداد کے زندان میں شہید ہو گئے، آٹھویں امامؑ نے دس سال امامت کی مدت ہارون کے دور میں گذاری۔

اس گھٹن اور ہارون کے ظلم و ستم کے دور میں یہ دس سال کی مدت امام رضاؑ کے علمی اور ثقافتی کاموں اور کوششوں کے لئے نسبتاً آزادی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس دوران ہارون امام رضاؑ کے لئے رکاوٹ نہیں بنتا تھا اور آپ آزادی سے اپنے کام انجام دیتے تھے۔ اس بناء پر امامؑ نے زیادہ تر اسی دور میں شاگردوں کی تربیت کی اور قرآن مجید کی تعلیمات میں سے حقائق کو اسلام کے حوزے میں منتشر کیا۔

ہارون کی طرف سے امامؑ پر دباؤ میں کمی کا شاید سب سے اہم سبب یہ رہا ہو کہ وہ امام موسیٰ کاظمؑ کے قتل کے نتائج کے متعلق فکر مند تھا۔ کیونکہ اگر چہ ہارون نے اپنے اس جرم کو چھپانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی لیکن آخر کار یہ راز کھل گیا اور لوگوں کی نفرت اور غصہ کا سبب بنا، ہارون اس بات کی کوشش میں تھا کہ خود کو اس جرم سے بری کر سکے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ ہارون نے اپنے چچا "سلیمان بن ابی جعفر" کو کہ جس نے آنحضرت کے

---

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۴۸۶۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۰۴۔

جنازے کو ہارون کے ظلم کے عملہ سے لے کر احترام کے ساتھ دفن کیا یہ پیغام بھیجا کہ:

''خدا سندم بن شاھک پر لعنت کرے اس نے بغیر میری اجازت کے یہ کام انجام دیا ہے''۔(۱)

اس مطلب کی تائید ہارون کا وہ جواب بھی کرتا ہے کہ جو اس نے امام رضا کے متعلق ''یحیٰی بن خالد برمکی'' کے سوال کے بعد دیا تھا یحیٰی (کہ جو پہلے بھی امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں شکایت اور بدگوئی کر چکا تھا) نے ہارون سے کہا: موسیٰ بن جعفرؑ کے بعد اب ان کے بیٹے نے ان کی جگہ لے لی ہے اور امامت کا دعویٰ کر رہا ہے (گویا اس کی رائے یہ تھی کہ امام رضاؑ بھی ابھی سے خلیفہ کے زیر نظر رہیں!)

ہارون (جو ابھی امام موسیٰ کاظمؑ کے قتل کو نہیں بھولا تھا اور اس کے نتائج کے بارے میں فکر مند تھا) نے جواب دیا: میں نے جو کچھ اس کے باپ کے ساتھ کیا کیا وہ کافی نہیں ہے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایک مرتبہ تلوار اٹھاؤں اور تمام علویوں کو قتل کر دوں؟(۲)

تمام درباری ہارون کے غصے کو دیکھ کر خاموش ہو گئے اور پھر کسی نے آنحضرت کے متعلق شکایت کرنے کی جرأت نہیں کی۔

امام رضاؑ ہارون کے دور میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلم کھلا اپنی امامت کا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے اجداد کی طرح تقیہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے بعض مخلص افراد اور آپ کے چاہنے والے آپ کو اس کام سے روکتے تھے لیکن امام انہیں اس بات کا اطمینان دلاتے تھے کہ ہارون کی طرف سے انہیں کوئی خطرہ اور نقصان نہیں پہنچے گا!

---

(۱) بحار الانوار: مجلسی، ج ۴۸، ص ۲۲۷۔ عیون اخبار الرضا: شیخ صدوق، ج ۱، ص ۱۰۰۔

(۲) عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق، ج ۲، ص ۲۲۶۔ کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ اربلی، ج ۳، ص ۱۰۵۔

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں: جب امام ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفرؑ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے اپنی امامت کا اظہار کیا تو لوگوں نے آپ سے کہا: آپ بہت عظیم اور خطرناک امر کا اظہار کر رہے ہیں اور ہم آپ کے متعلق اس ظالم (ہارون) سے ڈرتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: وہ جتنی بھی کوشش کر لے، مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا(۱) اسی طرح محمد بن سنان سے منقول ہے کہ: (۲) میں نے ابوالحسن علی ابن موسی الرضاؑ سے ہارون کی خلافت کے دور میں عرض کیا: آپ نے اپنی امامت اور خلافت کا اظہار کیا ہے اور اپنے باپ کے جانشین ہوئے ہیں جب کہ ابھی ہارون کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔!!

امامؑ نے فرمایا: مجھے پیغمبر اکرمؐ کا یہ قول جرأت اور طاقت عطا کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میرے سر سے ایک بال بھی ابو جہل اکھاڑ سکے تو تم سمجھ لینا کہ میں پیغمبرؐ نہیں ہوں۔ اور میں تم سے کہتا ہوں: اگر ہارون نے میرے سر سے ایک بال بھی اکھاڑ لیا تو سمجھ لینا کہ میں امامؑ نہیں ہوں۔ (۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضاؑ: شیخ صدوق، ص۲۲۶۔ کشف الغمہ :علی بن عیسیٰ، ج ۳، ص ۱۰۵۔

(۲) الروضۃ من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ص ۲۵۷۔ زندگانی پیشوای ہشتم، امام علی بن موسی الرضاؑ: سید علی محقق، ص۵۲، ۵۹۔ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۱۵۔

(۳) امامؑ بعد میں جب خراسان میں تھے وہاں پر مدینہ میں اپنی محبوبیت اور مقام و منزلت کو خوشی سے یاد کرتے تھے جیسا کہ مامون سے جسے آپ کی ولی عہدی کی مناسبت سے یہ امید تھی کہ آپ خوشی کا اظہار کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اس امر (ولی عہدی) نے ہرگز میری نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا ہے میں جب مدینہ میں تھا تو میری دستخط مشرق و مغرب میں جاری ہوتی تھی اس وقت میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور سکون سے مدینہ کی گلیوں میں راستہ طے کرتا تھا اور مدینہ میں کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ عزیز اور محترم نہ تھا۔

امین اور مامون

ہارون نے اپنی خلافت کے دور میں امین کو (جس کی ماں زبیدہ تھی) اپنا ولی عہد قرار دیا اور اس کے لئے لوگوں سے بیعت لی اور ''عبداللہ مامون'' کو بھی (جس کی ماں ایرانی تھی) دوسرا ولی عہد قرار دیا۔ ۱۹۳ھ میں ہارون کو یہ خبر دی گئی کہ خراسان کے شہروں میں انقلاب اور بغاوت کی آگ بڑھ گئی ہے اور اس کی فوج کے سردار اپنی تمام بے رحمی اور درندگی کے باوجود انقلاب کی آواز کو کچلنے میں بے بس ہو گئے ہیں۔

لہٰذا ہارون نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے مشورے کے بعد مناسب سمجھا کہ وہ خود وہاں جائے اور خلافت کی پوری طاقت کو خراسانیوں کے انقلاب اور تحریک کو کچلنے کے لئے اکٹھا کرے۔ اس نے اپنے بیٹے محمد امین کو بغداد میں چھوڑ دیا اور مامون کو جو ضمنی طور پر باپ کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا اپنے ساتھ خراسان لے کر گیا۔ ہارون خراسان کے بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے فتنہ وفساد کی آگ کو بجھا دیا۔ لیکن وہ دوبارہ بغداد (دارالخلافہ) واپس نہیں جا سکا۔ وہ تیسری جمادی الثانی ۱۹۳ھ کو شہر طوس میں دنیا سے گذر گیا اور دو بھائیوں (امین و مأمون) کو رقابت اور رسہ کشی کے میدان میں چھوڑ گیا۔ (۱)

امین کی شکست

اس سلسلے میں اس نے اپنے وزیروں سے مشورہ کیا اور انہوں نے اس کام کو مصلحت کے خلاف سمجھا، مگر صرف ''علی بن عیسیٰ بن ماہان'' نامی ایک شخص مامون کو ولی عہدی سے برخاست کرنے پر مُصر تھا، آخر کار امین نے اپنے بھائی مامون کو برخاست کرنے کے اپنے

---

(۱) زندگانی پیشوای ہشتم، امام علی ابن موسی الرضا: سید علی محقق، ص ۵۸، ۵۹۔

ارادے کا اعلان کر دیا۔ مامون نے بھی اس کام کے خلاف ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے امین کو خلافت سے معزول کر دیا۔ اور اس کے بعد فوجی لڑائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ آخر کار ۱۹۸ھ میں ''امین'' مارا گیا۔(۱)

اس طرح امین کے قتل کے بعد اسلامی مملکت کے مکمل اختیارات مامون کے ہاتھ میں آگئے۔

امین کے دور میں امامؑ کی نسبتاً آزادی

امین کی حکومت کے دور میں اور ہارون کی موت سے لے کر مامون کی حکومت کے درمیان کی مدت میں امامؑ اور عباسی حکومت کے مامور افراد کے درمیان کسی قسم کا ٹکراؤ تاریخ میں نظر نہیں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مختصر مدت میں بنی عباس کی حکومت داخلی اختلافات اور مأمون وامین کے درمیان جھگڑوں اور مأمون کو برخاست کر کے اس کی جگہ امین کے بیٹے موسیٰ کا ولی عہد قرار دینے جیسے مسائل میں گرفتار تھی اور ان کے پاس علویوں کو بالخصوص امام رضاؑ کو اذیت دینے کی فرصت نہیں تھی لہٰذا ہم ان سالوں کو (۱۹۳ھ۔۱۹۸ھ) امامؑ کے لئے نسبتاً آزادی اور آپ کی فرہنگی کوششوں کے لئے بہترین فرصت شمار کر سکتے ہیں۔(۲)

آٹھویں امامؑ مامون کے دور میں

مامون کی خلافت کے مستحکم ہوتے ہی امامؑ کی زندگی کی کتاب کا ورق پلٹا اور ایک نیا صفحہ کھل گیا، ایسا صفحہ کہ جس میں امامؑ نے برسوں بہت زیادہ غم اور ناملائم حالات میں گذرے۔

(۱) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج۶، ص۲۸۷۔

(۲) زندگانی پیشوای ہشتم امام علیؑ بن موسیٰ الرضا: سید علی محقق، ص۵۸۔۵۹

خلافت کے غاصبین کو، خواہ وہ بنی امیہ میں سے ہوں یا بنی عباس میں سے۔ سب سے زیادہ فکر اور وحشت امام علیؑ کے خاندان کی طرف سے رہتی تھی۔ ایسے افراد کو کم از کم لوگوں کی ایک بڑی تعداد خلافت ان کا مسلّم حق سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے اندر ہر قسم کے فضائل بھی پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فرزندان علیؑ کو ہمیشہ حکومت وقت کی جانب سے شکنجوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور آخر کار انہیں کے ہاتھوں شہید بھی کر دیئے جاتے تھے۔

لیکن مامون جان بوجھ کر شیعیت سے محبت کا اظہار کرتا تھا اور چونکہ اس کی حکومت کو چلانے والے افراد بھی اکثر ایرانی تھے کہ جو اولاد علیؑ اور شیعوں کے ائمہ معصومینؑ سے خاص محبت اور لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا وہ اپنے اجداد ہارون اور منصور کی طرح امامؑ کو قید خانہ میں نہیں ڈال سکتا تھا اور انہیں شکنجے اور اذیتوں میں نہیں رکھ سکتا تھا اس بناء پر اس نے ایک نئی روش کا انتخاب کیا اگر چہ یہ روش بھی بہت زیادہ بے سابقہ نہیں تھی اور گذشتہ خلفاء کے دور میں بھی اس کا تجربہ کیا جا چکا تھا لیکن بہر حال پہلے کی بہ نسبت زیادہ خوشنما اور کم خطرناک تھی۔ اسی بنا پر بعد میں آنے والے خلفاء کی روش بھی اسی موقف کے تحت قرار پائی۔ مامون نے فیصلہ کیا کہ امام علی رضا کو اپنی حکومت کے مرکز ''مرو'' بلائے اور آنحضرت کے ساتھ دوستی اور محبت کی چال چلے اور ساتھ ہی آپ کے علمی مقام ومنزلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے تمام افعال کو مکمل طریقہ سے زیر نظر قرار دے۔

مامون کی طرف سے امامؑ کو خراسان آنے کی دعوت

مامون نے ابتداء میں احترام کے ساتھ اس بات کی دعوت دی کہ آپ اولاد علیؑ میں سے بزرگ افراد کے ساتھ مرکز خلافت تشریف لائیں۔

امامؑ نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن مامون کی طرف سے بہت

زیادہ اصرار اور تاکید ہوئی اور متعدد خطوط اور پیغامات بھیجے گئے یہاں تک کہ آخر کار امام نے اولادِ علی کے چند افراد کے ساتھ مرو کی طرف سفر کا آغاز کیا۔(۱)

مامون نے ''عیسیٰ جلودی'' کو یا ایک روایت کی بنیاد پر ''رجاء بن ابی ضحاک'' کو جو امام کو لانے پر مامور تھے اور آپ کے قافلہ کی ہمراہی کر رہے تھے یہ حکم دیا تھا کہ تمام قافلہ والوں کے ساتھ بالخصوص امام کے ساتھ کسی قسم کی بھی بے احترامی نہ ہونے پائے۔ لیکن امام لوگوں کو باخبر کرنے کی غرض سے بطور آشکارا اپنے اس سفر سے ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔

جس دن آپ مدینہ سے سفر کرنا چاہتے تھے آپ نے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور ان لوگوں سے کہا کہ وہ آپ پر روئیں اور فرمایا: میں دوبارہ اپنے خاندان والوں کے درمیان واپس نہیں آؤں گا۔(۲) پھر آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تا کہ رسول اکرمؐ سے بھی رخصت ہوں آپ کئی مرتبہ رسولؐ کی قبر سے رخصت ہوئے اور پھر پلٹ کر دوبارہ وہیں چلے جاتے تھے اور بلند آواز سے روتے تھے۔

''مخول سیستانی'' کہتا ہے: ''میں اسی حالت میں امامؑ کی خدمت میں گیا اور سلام کرنے کے بعد ''سفر بخیر'' کہا امامؑ نے فرمایا: مخول! مجھے اچھی طرح سے دیکھ لو میں اپنے جد کے پاس سے دور ہو رہا ہوں اور عالم غربت میں جان دوں گا اور ہارون کے پاس دفن کیا جاؤں گا!(۳)

---

(۱) کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج۳، ص۶۵۔ الارشاد: شیخ مفید، ص۳۰۹۔
(۲) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۱۷
(۳) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۱۷

امامؑ کو خلافت قبول کرنے کی تجویز

امامؑ کے ''مرو'' میں داخل ہونے کے چند دن بعد امامؑ اور مامون کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا اور مامون نے یہ تجویز پیش کی کہ پوری خلافت آنحضرت کے سپرد کردے لیکن امامؑ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے شدت سے انکار کیا۔

مامون نے جس کو شاید پہلے ہی سے اس بات کا اندازہ تھا کہ آپ خلافت کو قبول نہیں کریں گے کہا: اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو ولی عہدی کو قبول کرلیں! امامؑ نے فرمایا: اس کام سے بھی مجھے معذور سمجھو۔

مامون نے اب امامؑ کے عذر کو قبول نہیں کیا اور سختی کے ساتھ ایک جملہ کہا جو دھمکی سے خالی نہیں تھا۔ اس نے کہا: ''عمر بن خطاب جب اس دنیا سے جا رہے تھے تو اس نے چھ افراد پر مشتمل ایک شوریٰ قرار دی کہ جن میں سے ایک علیؑ تھے اور انھوں نے یہ وصیت کی کہ ان میں سے جو بھی مخالفت کرے اس کی گردن کاٹ دی جائے! ....تم کو بھی میری تجویز کو قبول کرنا ہوگا کیونکہ میرے پاس بھی اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ (۱)

اس نے امامؑ کو اس سے بھی زیادہ کھلے الفاظ میں دھمکی دی اور آپ کو ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کرتے ہوئے کہا: ہمیشہ تم میری خواہش کے برخلاف راستہ اختیار کرتے ہو اور اپنے کو میری قدرت سے محفوظ سمجھتے ہو۔ خدا کی قسم اگر تم ولی عہدی کی تجویز کو قبول کرنے سے منع کروگے تو تمہیں اس کام کے لئے مجبور کروں گا اور اگر اس کے باوجود بھی قبول نہ کیا تو تمہیں قتل کر دوں گا۔ (۲)

....

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۱۰۔ کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ، ج ۳، ص ٦۵۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ: طبرسی، ص ۳۳۳۔

(۲) علل الشرائع: صدوق، ج ۱، ص ۲۲٦۔

امامؑ نے مجبور ہو کر مامون کی تجویز کو قبول کرلیا اور فرمایا: میں تمہاری ولی عہدی کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ میں حکومت وملکیت کے امور میں کسی قسم کا کوئی حکم صادر نہیں کروں گا اور خلافت کے کسی بھی کام میں مثلاً گورنروں اور قاضیوں کو معزول یا منصوب کرنے اور فتوی دینے میں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کروں گا۔(۱)

آٹھویں امامؑ کی ولی عہدی کا موضوع آپ کے شیعوں اور چاہنے والوں کے لئے فطرتاً خوشی اور شادمانی کا سبب تھا لیکن خود امامؑ اس امر سے غمگین اور متاثر تھے اور جب آپ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جو بہت زیادہ خوشی کا اظہار کررہا تھا تو آپ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا:

''اس کام سے اپنا دل نہ لگاؤ اور اس پر خوش نہ ہو کیونکہ اس میں دوام نہیں ہے۔''(۲)

اس تجویز کا مقصد

مامون کے دور کے حالات وشرائط کی جستجو کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت بہت سی سیاسی مشکلات اور دشواریوں سے روبرو تھا اور ان مشکلات سے آزاد ہونے کی کوششیں کررہا تھا۔ آخرکار اس نے ان مشکلات کو حل کرنے کی غرض سے ایک ایسی سیاست اختیار کی کہ جس کے کئی پہلو تھے۔ اور وہ وہی امامؑ کو ولی عہد مقرر کرنے کی چال تھی۔ ذیل میں مامون کی سیاسی مشکلات کی چھان بین کرتے ہیں:

۱۔ مامون اور اس کے حکومتی سسٹم کے مقابلہ میں عربوں کا موقف

عرب کے لوگ مامون کی خلافت اور حکومت کو قبول کرنے پر کسی طرح سے راضی

---

(۱) اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ: طبرسی، ص ۳۳۴۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۱۰۔
(۲) کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ، ج ۳، ص ۶۷۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۱۲۔

ہیں تھے چونکہ مامون کی ماں، اس کو پالنے والی اور اس کے تمام کارندے سب کے سب
غیر عرب تھے اور یہ امر کہ جس کی بناء پر تمام قومیں (قرآن مجید اور پیغمبر اکرمؐ کی تعلیمات
کے برخلاف) ایک خاص نسل کے اسیر اور ماتحت قرار پاتی تھیں عرب کے خشک تعصب
سے سازگار نہ تھا۔

۲۔ امین کو قتل کرنا اور آرزو کی شکست

امین کا قتل مامون کے لئے بظاہر ایک فوجی کامیابی سمجھا جاتا تھا لیکن اس کا ردعمل
مامون اور اس کے مقاصد اور منصوبوں کے خلاف منفی نتائج اور ردعمل سے خالی نہیں تھا اور
لوگوں کو بالخصوص عباسیوں اور عربوں کو مامون سے متنفر کر دیا تھا اور عام لوگوں کی نفرت کو
اس کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔

۳۔ علویوں کی بغاوتیں

اس دور میں بہت سی بغاوتیں اور قیام علویوں کی رہبری میں وجود میں آرہے تھے ابو
السرایا کہ جو پہلے مامون کی پارٹی میں تھا کوفہ میں اس نے بغاوت کی آواز بلند کر دی اس کی
فوج کے افراد جس لشکر سے بھی ٹکراتے تھے اسے تہس نہس کر دیتے تھے اور جس شہر میں بھی
داخل ہوتے تھے اس پر قبضہ کر لیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو السرایا کے ساتھ جنگ میں
خلیفہ کے دو لاکھ آدمی مارے گئے جب کہ اس کے قیام سے لے کر اس کے قتل تک کی مدت
دس ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بصرہ میں بھی جو عثمانیوں کا گڑھ تھا علویوں کو لوگوں کی
حمایت حاصل ہوئی اور زید النار نے قیام کیا۔ مکہ اور حجاز کے اطراف میں محمد بن جعفر نے
کہ جس کا لقب "دیباج" تھا قیام کیا جسے لوگ امیر المومنین کہتے تھے۔
یمن میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی۔ مدینہ میں محمد بن
سلیمان بن داؤد بن حسن نے قیام کیا۔

واسط میں جہاں اکثر لوگ عثمانیوں کی طرف مائل تھے، جعفر بن زید بن علی، اور حسین بن ابراہیم بن حسن بن علی نے قیام کیا۔

مدائن میں محمد بن اسماعیل بن محمد نے قیام کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی سرزمین ایسی باقی نہیں بچی تھی کہ جہاں پر کسی علوی نے خود یا لوگوں کے اصرار سے عباسیوں کے خلاف بغاوت نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آ گئی تھی کہ بین النھرین اور شام کے رہنے والوں نے کہ جو آل مروان اور بنی امیہ کے ساتھ مفاہمت میں مشہور تھے محمد بن محمد علوی ابوالسرایا سے مل گئے اور انہیں ایک خط کے ضمن میں لکھا کہ ان کے قاصد کے انتظار میں ہیں تا کہ ان کے حکم کو پہنچا سکیں۔(۱)

مامون اس نتیجہ تک پہنچ گیا تھا کہ ان حالات پہ قابو پانے کے لئے چند کام انجام دینے ہیں:

۱۔ علویوں کی بغاوتوں کو دبا دینا۔

۲۔ علویوں سے اس بات کا اعتراف لینا کہ عباسیوں کی حکومت ایک مطابق شرع حکومت ہے۔

۳۔ لوگوں کے درمیان علویوں کے احترام اور محبوبیت کو نابود کر دینا۔

۴۔ عربوں کے اعتماد اور محبت کو اپنی طرف جلب کرنا۔

۵۔ خراسان کے رہنے والوں اور تمام ایرانیوں کی طرف سے اس کی حکومت کو قانونی سمجھنے اور اس کی تائید جاری رکھنے کے لئے کوشش کرنا۔

---

(۱) زندگی سیاسی ہشتمین امام: سید جعفر مرتضی الحسینی، ترجمہ فارسی ڈاکٹر سید خلیل خلیلیان، ص ۹۷۔۱۲۳ (عبارت میں مختصر تبدیلی اور تلخیص کے ساتھ)

۶۔ عباسیوں اور اپنے طرفداروں کو راضی رکھنا۔

۷۔ خود مامون کی طرف سے لوگوں کے اطمینان کو تقویت عطا کرنا، کہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اس پر اعتماد اور شہرت سست پڑ گئی تھی۔

۸۔ اور آخر کار اپنے کو اس خطرے کے مقابلہ میں محفوظ بنالینا کہ جو اسے ایک گراں قدر ہستی کی جانب سے لاحق تھا، یقیناً مامون امام رضاؑ کی با اثر شخصیت سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا اور چاہتا تھا کہ خود کو اس خطرے سے محفوظ کرلے۔

اس طریقہ سے امام رضاؑ کی ولی عہدی اور آپ کی حکومت میں شرکت کے ذریعہ سے یہ مقاصد حاصل کئے جاسکتے تھے، چونکہ آنحضرت کی حکومت میں شرکت کے ساتھ کہ جو علویوں میں سب سے اہم شخصیت تھے۔ تمام علوی نہتھے ہو جاتے اور ان کے نعرے ان کے ہاتھوں سے چھن جاتے اور قیام کے نتیجہ میں لوگوں کے درمیان انہیں جو محبوبیت حاصل تھی وہ بھی ختم ہو جاتی۔

دوسری طرف مامون کو خراسان کے رہنے والوں اور تمام ایرانیوں کی حمایت بھی حاصل ہو جاتی کہ جو اہل بیتؑ کے حامی اور طرفدار تھے۔ اور گویا وہ اس بات کا اظہار کرتا کہ اگر اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہے تو اس فعل سے اس کا مقصد صرف حکومت کو اس کے اہل تک پہنچانا تھا۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر امام رضاؑ کو مرولانے کے بعد اور آپ کی تمام کاوشوں پر کنٹرول کر کے آپ کی طرف سے لاحق خطرے سے محفوظ ہو جاتا۔ لہٰذا اس طرح صرف عربوں اور عباسیوں کا خطرہ باقی رہ جاتا کہ مامون ان کے مقابلہ میں ایرانیوں اور علویوں کی مدد سے مقاومت کرسکتا تھا۔

تنقید و تحقیق

ایسے بہت سے قرائن اور علامات موجود ہیں کہ جو امام رضاؑ کو ولی عہد مقرر کرنے کے منصوبے میں مامون کی صداقت اور اخلاص کو مکمل طریقے سے مشکوک بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر مامون سچائی کے ساتھ اور ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر خلافت کو امام رضاؑ کی طرف منتقل کرنا چاہتا تھا تو:

۱۔ کیوں اس نے یہ کام امامؑ کے مدینہ میں رہتے ہوئے انجام نہیں دیا بلکہ امامؑ کو مجبور کر کے اپنے مامور افراد کی نگرانی میں مرو لایا، جب کہ وہ مرو میں امامؑ کے نام سے خطبہ دے سکتا تھا اور خود امامؑ کی نمائندگی میں خطّہ ایران کی حفاظت کرتا اور امامؑ بھی ''نبوت'' کے مرکز مدینہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا عہدہ قبول کرتے؟

۲۔ کیوں امامؑ کو بصرہ، اہواز اور فارس کے راستہ سے لانے کا حکم دیا جب کہ یہ ایک سخت گرم اور تکلیف دہ راستہ تھا اور احتمالاً کو یرلوت کے درمیان سے مرو تک پہنچتا ہے کوفہ اور قم کے راستے سے کیوں نہیں لائے۔ جب کہ کوفہ اور قم میں امامؑ کا زیادہ استقبال ہوتا اور مأمون کے ظاہری مقصد کے لئے بہتر ماحول بنتا؟

۳۔ کیوں اپنے مذاکرات کے پہلے دور میں کہ جب اس نے امامؑ کو خلافت قبول کرنے کی تجویز پیش کی خود کو ولی عہد قرار دیا جب کہ اسے چاہئے تھا کہ امامؑ کے بعد کے لئے امام محمد تقی علیہ السلام کو ولی عہد مقرر کرتا یا کم از کم اس کا اختیار امامؑ کو سونپتا؟

۴۔ امامؑ کا ولی عہد ہونا وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ امامؑ حکومت کے کسی بھی کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ کس حد تک امت مسلمہ کو حقیقت اور واقعیت سے نزدیک کر سکتا تھا؟ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ امامؑ کی عمر تقریباً ۲۰ سال مامون سے زیادہ تھی اور فطری طور پر معمول کے مطابق حساب کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ امامؑ مامون سے پہلے

اس دنیا سے رحلت اختیار کریں گے اور نتیجہ میں خلافت ہرگز اولاد علیؑ تک نہیں پہنچتی۔

۵۔ اگر مامون نے یہ قدم ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر اٹھایا تھا تو جب امامؑ نے ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کیا تو اس نے کیوں آپ کو دھمکی دی اور حضرت کو ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کیا؟

۶۔ جب امام رضاؑ کی جس سبب سے بھی شہادت واقع ہوئی تو مامون جو امام جوادؑ کے ساتھ بھی لگاؤ اور چاہت کا اظہار کرتا تھا کیوں اس نے ولی عہدی کے منصب کو امام جوادؑ کے سپرد نہیں کیا؟

۷۔ نماز عید فطر کے مشہور واقعہ میں کیوں مامون نے امامؑ کو راستہ سے پلٹا لیا اور نہیں چاہا کہ اکثر لوگوں کی توجہ امامؑ کی طرف جلب ہو؟

۸۔ مامون نے جب محمد امین کے قتل کے بعد بغداد کی طرف سفر کیا تو امامؑ کو مرو میں کیوں نہیں رہنے دیا؟ جب کہ اگر حقیقت میں امامؑ ولی عہد تھے تو کون سا ایسا مانع تھا کہ امامؑ مرو میں رہیں اور ملک کے اس حصہ کو زیر نظر رکھیں؟

یہ ایسے سوالات ہیں کہ جو ابتداء میں شاید سہل اور سادے نظر آئیں لیکن اگر ان میں غور کیا جائے تو بخوبی یہ بات روشن ہو جائے گی کہ مامون اپنے اس اقدام میں مخلص اور سچا نہیں تھا۔ بلکہ بعض دوسرے ایسے اسباب تھے کہ جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ (۱)

ولی عہدی کو قبول کرنے کے لئے امامؑ کی دلیلیں

۱۔ امام رضاؑ نے اس وقت مامون کی ولی عہدی کو قبول کیا کہ جب آپ نے دیکھا کہ اگر انکار کریں گے تو نہ صرف اپنی جان مفت میں دیدیں گے بلکہ تمام علویوں اور آپ

(۱) زندگانی پیشوای ہشتم امام علی بن موسیٰ الرضاؑ: سید علی محقق، ص ۱۳۸-۱۴۱۔

کے چاہنے والوں کی جان کے لئے خطرہ ہو جائے گا، امامؑ اپنے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اپنی اور اپنے شیعوں اور حامیوں کی جان کو دشمنوں کے پھندے سے نجات دلائیں چونکہ امت اسلامی کو ان کے وجود اور ان کی تعلیمات کی بے حد ضرورت تھی لہٰذا ان لوگوں کو باقی رہنا ضروری تھا تا کہ لوگوں کے لئے رہبر اور چراغ راہ نیز مشکلات کو حل کرنے اور شبہات کے ہجوم کی صورت میں راہنما بن سکیں۔

لہٰذا اب اگر امامؑ سختی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ولی عہدی کو رد کر دیتے اور اس طرح خود کو اور اپنے چاہنے والوں کو نابودی کے حوالے کر دیتے تو یہ بھی واضح نہیں تھا کہ آپ کی یہ فداکاری سید الشہداءؑ کی حیات بخش اور گرہ کشا شہادت کی طرح امت کے بند کاموں کی گرہ کھولتی ہے۔

۲- مقام ولی عہدی کا حصول عباسیوں کی طرف سے ضمناً اس بات کا اعتراف سمجھا جاتا تھا کہ علویوں کا بھی حکومت میں نمایاں حصّہ ہے۔

۳- امامؑ کے ولی عہدی کو قبول کرنے کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ لوگ خاندان پیغمبر اکرمؐ کو سیاست کے میدان میں موجود پائیں اور انہیں فراموش نہ کر دیں اور یہ خیال نہ کریں جیسا کہ لوگوں میں یہ پھیل گیا تھا کہ وہ صرف ایسے علماء اور فقہاء ہیں جو عمل کے میدان میں ہرگز ملت کے کام نہیں آتے ہیں۔ امامؑ نے ''ابن عرفہ'' کے سوال کے جواب میں جو کچھ کہا وہ شاید اسی مطلب کے پیش نظر تھا۔ ابن عرفہ نے آپ سے سوال کیا:

اے فرزند رسولؐ خدا! کس مقصد کے تحت آپ ولی عہدی کے ماجرے میں وارد ہوئے؟ امامؑ نے جواب دیا: اسی مقصد کے تحت کہ جس نے میرے جد علیؑ کو شوریٰ میں وارد ہونے پر مجبور کر دیا۔(۱)

(۱) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۶۴۔ عیون اخبار الرضا: شیخ صدوق، ج ۱، ص ۱۴۱۔

کیا امامؑ خود اس کام کی طرف مائل تھے؟

یہ اسباب جو بیان کیے گئے ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتے کہ امامؑ ولی عہدی کو قبول کرنے کے لئے بخوشی خاطر راضی تھے بلکہ جیسا کہ بعد میں ظاہر ہونے والے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امامؑ جانتے تھے کہ آپ کو مامون اور اس کے حوالی موالی کی گھاتوں سے امان میں نہیں رہ سکتے تھے۔

اور آپ کے مقام سے قطع نظر آپ کی جان بھی ان کی آسیب رسانی سے محفوظ نہ ہوگی امامؑ اچھی طرح سے یہ بات سمجھتے تھے کہ جس وسیلے سے بھی ہو سکے گا مامون آپ کی معنوی یا جسمی نابودی کے درپے ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مامون کے دل میں کوئی بری نیت نہیں تھی پھر بھی جیسا کہ کہا گیا کہ امامؑ کی عمر کو دیکھتے ہوئے آپ کے مامون کی موت کے بعد تک زندہ رہنے کی امید بہت کم تھی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی سبب امامؑ کے لئے ولی عہدی کو قبول کرنے کی توجیہ کے لئے کافی نہ تھا۔

اگر ان تمام باتوں سے بھی صرف نظر کریں اور یہ فرض کریں کہ امامؑ کو مامون کے بعد تک زندہ رہنے کی امید تھی لیکن پھر بھی آپ کو حتماً ان با اثر افراد کا سامنا کرنا پڑتا کہ جو آپ کے طرز حکومت سے راضی نہ تھے۔ اسی طرح سے عباسیوں اور دنیا پرست افراد کہ جو امامؑ کی حکومت سے ناخوش ہو کے رخنہ اندازیوں اور امامؑ کی ایسی حکومت کے خلاف کہ جس کا دستور العمل احکام الٰہی کو اپنے جد پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کی روش کے مطابق اجراء کرنا تھا ان کا تمام طاقت جمع کرنا امامؑ کو بہت سی نقصان دہ مشکلات سے روبرو کر دیتا۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ امامؑ کے لئے فطری تھا کہ اس خطرہ سے بھرے اور پرضرر راستے سے حکومت تک پہنچنے کی فکر کو کہ جو نہ

صرف آپ کی مقاصد کو پورا نہ کرتی بلکہ برعکس علویوں اور یہ اپ کے اطاعت کرنے والوں کی ان کی مقاصد اور آرزوؤں کے ساتھ نابودی کا سبب بھی ہوتی۔

لہذا اس راہ میں کوئی مثبت اقدام ایک خودکش اور بے منطق عمل سمجھا جاتا۔(۱)

غیروں کی افکار کے مقابلہ میں امامؑ کا کردار

امام جعفر صادقؑ کی سیرت کے بیان میں کہا گیا کہ پہلے عباسی خلیفہ کی خلافت کا دور فکری اور ثقافتی جنبش کا دور تھا اس دور میں مسلمانوں میں غیر معمولی علمی شوق اور ماحول پیدا ہو گیا تھا اور علوم اسلامی (مانند فقہ و حدیث) کے ساتھ ساتھ دوسرے مختلف علوم مثلاً (طب، نجوم وغیرہ) بھی بہت زیادہ رائج ہو گئے تھے۔

دوسری طرف مختلف فرقے اور مذاہب بھی وجود میں آئے تھے نیز مسلمانوں کے اہل کتاب اور علماء یونان کے عقائد و نظریات سے ٹکرانے کے نتیجہ میں مختلف قسم کے شبہات اور مشکلات پیدا ہو گئے تھے۔

یہاں پر اس بات کا مزید اضافہ کرتے چلیں کہ امام رضاؑ کے دور میں نہ صرف یہ کہ یہ حالات جاری تھے بلکہ یونانی کتابوں کے ترجموں کے ذریعہ سے اسلامی معاشرے میں مختلف افکار و نظریات نفوذ کر گئے تھے۔ چونکہ مامون نے جو یونانی کتابوں کے ترجمے سے دلچسپی رکھتا تھا روم کے بادشاہ کو خط لکھا اور اس سے درخواست کی کہ جو کتابیں روم کے خزانے میں پرانے علوم سے متعلق موجود ہوں وہ اس کو بھیج دے۔ روم کے بادشاہ نے اس کی اس درخواست کو قبول کر لیا۔ اور علماء کی ایک جماعت مامون کی طرف سے روم جا کر وہ کتابیں لے آئی۔ اور انہوں نے اس کے حکم سے ان کتابوں کو عربی زبان میں ترجمہ

(۱) زندگی سیاسی ہشتمین امام: سید جعفر مرتضی الحسینی، ص ۱۶۲۔۱۶۵ (عبارت میں مختصر تبدیلی اور تلخیص کے ساتھ)

کیا۔(۱)

اس طریقہ سے غیروں کی کتابوں کو ترجمہ کرنے کا رواج ہو گیا، ان میں سے بعض کتابیں فلسفی تھیں۔ ان کتابوں کے عربی زبان میں ترجمہ ہو جانے سے مسلمان غیروں کی تہذیب سے بالخصوص روم کی تہذیب سے آشنا ہو گئے۔

دوسری طرف مامون نے ''مذہب معتزلہ'' کو قبول کیا تھا اور مذہب معتزلہ کے بزرگ علماء کو اپنے دربار سے نزدیک کیا تھا، اس مذہب کے ماننے والے عقل و منطق اور رائے وقیاس کے طرفدار تھے کہ جو محدود اور خطا پذیر انسانی عقل پر اعتماد کرنے میں افراط سے کام لیتے تھے اور دین کے احکام کو اپنی کوتاہ عقل سے مقایسہ کرتے تھے اور جس چیز کی تائید ان کی عقل صراحت کے ساتھ کرتی تھی اسے قبول کرتے تھے اور بقیہ جن چیزوں کی تائید عقل نہیں کرتی تھی وہ انہیں رد کر دیتے تھے۔

بطور کلی اس حالت نے مسلمانوں کے لئے بہت سے جدید مسائل اور مختلف دینی شبہات اور اشکالات پیدا کر دئے تھے۔

دور حاضر کے مشہور مصری عالم ''ڈاکٹر طٰہٰ حسین'' اس سلسلے میں لکھتے ہیں: ''.......... پس تیزی کے ساتھ مسلمان غیروں کی تہذیب'' بالخصوص یونان کی تہذیب اور سب سے زیادہ فلسفۂ یونان سے آشنا ہو گئے، یہ تمام باتیں مسلمانوں پر اثر انداز ہوئیں مسلمانوں نے انہیں اپنے دین سے دفاع کا ذریعہ قرار دیا، پھر مزید قدم آگے بڑھاتے ہوئے انسان کی کوتاہ عقل کو تمام چیزوں پر حاکم سمجھا اور یہ گمان کیا کہ صرف عقل ہی معرفت کا سرچشمہ ہے اور آہستہ آہستہ خود کو سرچشمۂ وحی سے بے نیاز سمجھنے لگے عقل پر ان کے اس حد سے

....

(۱) الفہرست: ابن ندیم، ص ۳۵۳۔

زیادہ اعتماد نے انہیں فریفتہ کر دیا اور حق سے دوری اور زیادہ روی میں گرفتار ہوئے۔ یہی وہ اشتباہ تھا کہ جس نے ان کے سامنے اختلاف کے دروازوں کو کھول دیا اور ہر جماعت نے اپنے بے بنیاد استدلال سے تمسک اختیار کیا اور ان کے فرقوں کی تعداد ۷۰ ستر سے تجاوز کر گئی۔ (۱)

بے شک اس دور میں کوئی ایسی طاقتور جماعت عباسیوں کے دربار میں نہیں تھی کہ جو تقویٰ اور ہمدردی سے مالا مال ہوتی تا کہ غیروں کے علمی آثار کو موردِ تحقیق وتنقید قرار دیتی اور اس کو حقیقی اسلامی زاویہ فکر کی چھلنی سے گذارتی اور ان کے گمراہ کن اور غیر خالص مطالب کو جدا کرتی اس طرح سے صرف وہ مطالب کہ جو خالص اور بے ملاوٹ ہوتے مسلمانوں کے اختیار میں قرار دیتی۔

ان مخصوص فکری اور ثقافتی حالات کی بناء پر آٹھویں امامؑ کے کاندھوں پر سنگین ذمہ داری آپڑتی تھی اور وہ اسلام کے عظیم محافظ اور امام اس خطرناک حالت سے اچھی طرح باخبر تھے۔ لہٰذا آپ نے کمر ہمت باندھی اور ان خوفناک فکری موجوں اور خطرناک تیز ہواؤں کے مقابلہ میں سختی سے مقاومت کی اور عظیم فلاسفہ، متکلمین اور علماء اہل کتاب کے ساتھ آزاد مناظروں اور بحثوں کی محفلوں میں شرکت فرما کر ان کی باتوں اور اعتراضات کے بے بنیاد ہونے کو روشن کیا اور اسلام کے عقیدہ اور تہذیب کی اصالت کی حفاظت کی۔

یہ مناظرے جو مامون کی طرف سے اور اس کے حکم سے منعقد ہوتے تھے☆ ایسے

---

(۱) آئینہ اسلام: ترجمہ ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی، ص ۲۶۶۔

☆ مامون ان مناظرے کی مجلسوں کو منعقد کروا کے اپنے بعض سیاسی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتا تھا مثلاً لوگوں کو سرگرم رکھنا اور ان کی افکار کو ان کی مشکلات اور ملک کے جاری مسائل سے منحرف کر دینا، خود کو ایک عالم اور علم و دانش کا حامی حکمران ظاہر کرنا، امامؑ کی بلند شخصیت کو صرف علمی میدان میں محدود کر دینا اور انہیں سیاسی مسائل سے دور کرنا وغیرہ۔

عمیق اور دلچسپ مطالب رکھتے ہیں کہ جو آج تقریباً ۱۲ سو سال گذر جانے کے بعد بھی راہ کشا، حقیقت بیان اور بہت زیادہ مفید اور آزمودہ ہیں۔

بطور نمونہ ''جاثلیق''(۱) ''راس الجالوت''(۲) ''ہربزاکبر''(۳) ''عمران صابی'' (۴) ''سلیمان مروزی''(۵) ''علی بن محمد بن جہم''(۶) اور بصرہ کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ امامؑ کے مناظروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض مناظرے اتنے زیادہ اہم اور پر ہیجان تھے۔(۷)

---

(۱) جاثلیق یونانی لفظ ہے کہ جس کا مطلب پادریوں کا سردار اور مسیحیوں کا عظیم پیشوا ہے۔

(۲) راس الجالوت، یہودیوں کے بزرگ علماء کا لقب تھا۔

(۳) ہربزاکبر یا ہیربداکبر زرتشتوں کے عظیم رہنما کا مخصوص لقب تھا۔

(۴) عمران صابی، جیسا کہ خود نام سے واضح ہے مذہب صابئین کا مدافع تھا صابئین وہ افراد ہیں کہ جو خود کو حضرت یحیٰؑ کا پیرو سمجھتے ہیں اور ان کے دو گروہ ہیں۔ ۱۔ موحد، ۲۔ مشرک، اس مذہب کے ماننے والوں میں سے باقی رہ گئے افراد عراق اور جنوب ایران میں موجود ہیں۔

(۵) سلیمان مروزی، مامون کے دور میں علم کلام میں سب سے زیادہ مشہور عالم تھا کہ جو خراسان میں رہتا تھا۔ اور مامون اس کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔

(۶) علی بن محمد بن جہم، ناصبیوں کا بہت بڑا عالم اور اہل بیت کا دشمن تھا۔

(۷) ان مناظروں کے بارے میں مزید اطلاع کے لئے رجوع کریں مجموعہ آثار دومین کنگرۂ جہانی امام رضا، ۱۳۶۶ھ ش، ج ۱، ص ۴۳۲۔۴۵۲، مقالہ آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

ہمارے نویں امام جن کا اسم گرامی ''محمد'' کنیت ''ابو جعفر'' اور لقب ''تقی'' اور ''جواد'' ہے، ماہ رمضان ۱۹۵ھ میں شہر مدینہ میں پیدا ہوئے۔(۱)

آپ کے والد آٹھویں امامؑ اور والدہ جناب ''سبیکہ'' ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کی زوجہ ''ماریہ قبطیہ'' کے خاندان سے تھیں۔(۲) اخلاقی فضائل کے لحاظ سے بلند مرتبہ پر فائز تھیں اور اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے زیادہ بافضیلت تھیں۔(۳) اس طریقہ سے امام رضاؑ آپ کو پاکیزہ بافضیلت اور پاکدامن خاتون کے عنوان سے یاد کرتے تھے۔(۴)

جس روز امام محمد تقی علیہ السلام کے والد گرامی کا انتقال ہوا آپ کی عمر تقریباً آٹھ ۸ رسال تھی

....

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج۱ص، ۴۹۲۔ الارشاد: شیخ مفید، ص، ۳۱۶، بعض مورخین نے آپ کی ولادت نیمۂ رجب میں ذکر کی ہے۔(اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۳۴۴)

(۲) الاصول من الکافی ص ۳۱۵، ۴۹۲۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴ص، ۳۷۹۔

(۳) اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۰۹۔

(۴) بحار الانوار، ج ۵۰ ص، ۱۵۔

اور پچیس سال کی عمر میں آپ کی شہادت ہوئی۔(۱) اور بغداد میں واقع قریش کے قبرستان میں اپنے جد امام موسیٰ کاظمؑ کے بغل میں دفن کئے گئے۔

آپ کے دور کے خلفاء

نویں امامؑ اپنی امامت کی پوری مدت میں دو عباسی خلفاء یعنی ''مامون'' (۱۹۳ھ۔۲۱۸ھ) اور ''معتصم'' (۲۱۸ھ۔۲۲۷ھ)☆ کے ہم عصر تھے۔

اوران دونوں خلفاء نے آپ کو مدینہ سے بغداد آنے پر مجبور کیا۔ اوراسی سیاسی روش کے مطابق جو مامون نے امام رضاؑ کے ساتھ استعمال کی تھی آپ کو بھی سرکاری نگہداشت میں رکھا۔

مبارک اور پُر برکت مولود

امام رضاؑ کے خاندان اور شیعی اجتماعوں میں امام محمد تقیؑ بابرکت مولود کے عنوان سے جانے جاتے تھے جیسا کہ ''ابویحیای صنعانی'' کا کہنا ہے کہ: ایک دن میں امام رضاؑ کی خدمت میں تھا کہ آپ اپنے فرزند ابوجعفرؑ کو جو ابھی کمسن تھے لائے۔ امامؑ نے فرمایا ''یہ ایک ایسا مولود ہے کہ ہمارے شیعوں کے لئے جس سے زیادہ بابرکت کسی کو پیدا نہیں کیا گیا ہے۔''(۲)

گویا امام رضاؑ مختلف مناسبتوں سے اپنے فرزند ارجمند کو اس عنوان سے یاد کرتے

---

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ص۴۹۲۔ الارشاد: شیخ مفید، ص۳۱۶۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص۳۴۴۔

☆ بریکٹ میں مذکورہ سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص۳۱۹۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص۳۴۷۔ روضۃ الواعظین: فتال نیشاپوری، ص۲۶۱، الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج۱، ص۳۲۱

تھی اور یہ بات امام رضاؑ کے شیعوں اور چاہنے والوں کے درمیان مشہور تھی۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ "ابن اسباط" اور "عباد بن اسماعیل" جو امامؑ کے شیعوں میں سے تھے کہتے ہیں: امام رضاؑ کی خدمت میں تھے کہ آپ ابوجعفرؑ کو لے کر آئے تب ہم نے امامؑ سے سوال کیا: کیا یہ وہی بابرکت مولود ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں یہ وہی مولود ہے کہ جس سے زیادہ بابرکت اسلام میں کسی کو پیدا نہیں کیا گیا ہے۔" (۱)

ان حدیث کو دیکھتے ہی شاید یہ تصور کیا جائے کہ امام محمد تقی علیہ السلام گذشتہ تمام اماموں سے زیادہ بابرکت تھے جب کہ یہ بات قابل قبول نہیں ہے بلکہ موضوع کے متعلق تحقیق اور شواہد وقرائن کو دیکھتے ہوئے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظاہراً اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ امام محمد تقیؑ کی ولادت ایسے حالات میں ہوئی کہ شیعوں کے لئے ایک خاص برکت اور نیکی اپنے ساتھ لائی یعنی امام رضاؑ کا دور ایک ایسا مخصوص دور تھا کہ جب آپ اپنے جانشین کو معین کرنے اور اپنے بعد آنے والے امام کا تعارف کروانے کے سلسلے میں ایسی مشکلات سے دوچار تھے جو گذشتہ اماموں کے دور میں نہیں تھیں۔ چونکہ ایک طرف امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد بعض لوگوں نے بعض مادی مقاصد کی وجہ سے امام رضاؑ کی امامت کا انکار کیا کہ جو "واقفیہ" کے نام سے مشہور ہوئے اور دوسری طرف امام رضاؑ تقریباً ۴۷ سال کی عمر تک صاحبِ فرزند نہیں تھے اور چونکہ پیغمبر اکرمؐ کی احادیث یہ بیان کرتی تھیں کہ اماموں کی تعداد بارہ ہے کہ جن میں سے نو امام امام حسینؑ کی اولاد سے ہونگے، لہذا امام کے لئے فرزند کا نہ ہونا خود آپ کی امامت اور امامت کے سلسلہ کو جاری رہنے کو زیر سوال قرار دیتا تھا۔ اور "واقفیہ" اسی موضوع کو دستاویز بنا کر امام رضاؑ کی امامت کا انکار کرتے تھے۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۰۔

اس سلسلے میں ''حسین بن قیاما واسطی'' کا امام پر اعتراض کرنا اور آنحضرت کا جواب اس مطلب پر گواہ ہے۔ ''ابن قیاما'' کہ جو ''واقفیہ'' کے درمیان سرفہرست تھا۔(۱) اس نے امام رضا کو ایک خط لکھا اور آپ پر لاولد ہونے کی تہمت لگائی اور اس طرح لکھا: یہ کیسے ممکن ہے کہ تم امام ہو جب کہ تمہارے کوئی فرزند نہیں ہے''؟!

امام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: تمہیں کہاں سے یہ معلوم ہوا کہ مجھے فرزند نہیں ہوگا خدا کی قسم چند ہی دنوں بعد خدا مجھے فرزند عطا کرے گا کہ جو حق کو باطل سے جدا کرے گا۔(۲)

یہ تبلیغی دستاویز ''حسین بن قیاما'' (اور دوسرے واقفی افراد) کی طرف سے صرف اسی مقام پر منحصر نہیں تھا بلکہ یہ مطلب مختلف مناسبتوں اور مختلف مقامات پر تکرار کیا جاتا تھا۔ اور امام رضا ہمیشہ ان کی باتوں اور دلیلوں کو رد کیا کرتے تھے۔(۳)

یہاں تک کہ امام جوادؑ کی ولادت سے ان زہر افشانیوں کا خاتمہ ہوا اور امام رضا اور آپ کے شیعوں کے موقف کو جو اس جہت سے ایک نازک موڑ پر تھے تقویت حاصل ہوئی اور تشیع کے چہرے کو بلندی اور اعتبار حاصل ہوا۔(۴)

(۱) الارشاد، شیخ مفید، ص ۳۱۸۔ کشف الغمۃ، علی بن عیسیٰ الاربلی، ج ۳، ص ۱۴۲۔

(۲) الاصول من الکافی، ج ۱، ص ۳۲۰۔ اعلام الوریٰ، طبرسی، ص ۳۲۶۔ کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ الاربلی، ص ۱۴۴۔ الارشاد، شیخ مفید، ص ۳۱۸۔

(۳) کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ الاربلی، ص ۱۴۴۔ الاصول من الکافی، ص ۳۲۱۔ اختیار معرفۃ الرجال (معروف بہ رجال کشی) شیخ طوسی، تصحیح و تعلیق، حسن المصطفوی، ص ۵۵۳، شمارہ ۱۰۴۵۔

(۴) الامام الجواد من المہد الی اللحد، سید محمد کاظم قزوینی، ص ۲۲۷۔

کمسن امام

چونکہ امام جوادؑ ایسے پہلے امام تھے کہ جو بچپنے میں منصب امامت پر فائز ہوئے لہٰذا فطری طور پر آپ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جو سوال ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نوجوان امامت کی حساس اور سنگین ذمہ داری اور مسلمانوں کی رہبری کا ذمہ دار ہو؟ کیا ممکن ہے کہ انسان اس کمسنی میں کمال کے اس درجہ تک پہنچ جائے کہ وہ پیغمبرؐ خدا کا جانشین ہوسکے؟ اور کیا گذشتہ امتوں میں بھی کبھی ایسا ہوا ہے؟

ان سوالات کے جواب میں ضروری ہے کہ اس بات کی طرف توجہ رکھیں:

صحیح ہے کہ انسان کی عقل اور جسم کے پروان چڑھنے کا دور معمولاً ایک خاص حد رکھتا ہے کہ اس زمانے تک پہنچ جانے کے بعد انسان کا جسم اور اس کی عقل حد کمال تک پہنچ جاتی ہیں، لیکن کوئی مانع نہیں ہے کہ خداوند قادر و حکیم نے بعض مصلحتوں کی بنیاد پر اس دور کو اپنے بعض خاص بندوں کے لئے مختصر کر دیا اور اس کی مدت کو کم کر دیا، جامعۂ بشریت میں آغاز سے لے کر اب تک ایسے افراد تھے کہ جو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ تھے اور اس خاص لطف اور عنایت کے زیر سایہ جو خالق جہان کی طرف سے انہیں حاصل ہوئی تھی بچپنے کے عالم میں امت کی رہبری اور امامت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ مطلب کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ہم اس قسم کے موارد استثناء کو ذکر کرتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید حضرت یحییٰؑ اور آپ کی رسالت اور یہ کہ آپ کو کمسنی میں نبوت ملی فرماتا ہے: ''ہم نے اسے بچپنے میں فرمانِ نبوت دیا۔''(۱)

بعض مفسرین نے اس آیت میں کلمہ ''حکم'' سے مراد ہوش اور درایت بیان کیا ہے

(۱)''وآتیناہ الحکم صبیاً'' سورۂ مریم:۱۲

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کلمہ سے مراد ''نبوت'' ہے اور اس نظریہ کی تائید میں وہ روایات ہیں کہ جو کتاب اصول کافی میں نقل ہوئی ہیں انہیں میں سے ایک روایت پانچویں امام سے وارد ہوئی ہے کہ جس میں آپ اس آیت میں مذکور کلمہ ''حکم'' سے حضرت یحییٰ کی بچپنے میں نبوت پر استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: زکریاؑ کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ نے کتاب اور حکمت کو ان سے میراث پائی اور یہ وہی ہے کہ جس کے متعلق خداوند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''**یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و آتیناہ الحکم صبیاً**'' ''اے یحییٰ (آسمانی) کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور ہم نے اسے بچپنے میں فرمان نبوت دیا۔ (۱)

۲۔ اس کے باوجود کہ عام طور سے ایک بچہ کو کلام کرنے کے لئے ۱۲ مہینے درکار ہوتے ہیں۔ جناب عیسیٰؑ نے پیدائش کے ابتدائی دنوں میں کلام کیا اور اپنی ماں کی طرف سے (کہ جو خدا کی قدرت سے بغیر شوہر کے حاملہ ہوئی تھیں اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے آپ پر تہمتیں لگائیں اور آپ کی توہین کی تھی) سختی کے ساتھ دفاع کیا اور دشمنوں کی تہمتوں کو منطق اور دلیل کے ذریعہ سے رد کیا جب کہ سن رسیدہ افراد ہی اس طرح سے کلام کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے آپ کے کلام کو اس طرح سے نقل کیا ہے:

جناب عیسیٰؑ نے کہا: ''بیشک میں خدا کا بندہ ہوں مجھ کو اسی نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا اور میں (چاہے) کہیں رہوں مجھ کو مبارک بنایا اور مجھ کو جب تک زندہ رہوں نماز پڑھنے زکوٰۃ دینے کی تاکید کی ہے اور مجھ کو اپنی والدہ کا فرماں بردار (بنایا) اور (**الحمدللہ**) کہ مجھ کو سرکش، نافرمان نہیں بنایا۔'' (۲)

---

(۱) سورہ مریم، آیت ۱۲

(۲) سورہ مریم ۳۰۔۳۲، بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اس دور میں ''نبی'' تھے لیکن ''رسالت'' کا عہدہ ابھی آپ کو نہیں ملا تھا [illegible] ل کی عمر میں آپ رسالت کے عہدہ پر فائز ہوئے ......

گذشتہ بیان کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ائمہ معصومینؑ سے پہلے دوسرے الٰہی رہنماؤں کو بھی پروردگار کی طرف سے یہ نعمت ملی ہے اور یہ مسئلہ صرف ہمارے اماموں سے مخصوص نہیں ہے۔

اماموں کی تاریخ زندگی کے متعلق چھان بین سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مسئلہ خود اماموں کی زندگی میں بھی مورد بحث تھا بالخصوص امام محمد تقیؑ کے دور میں انہوں نے بھی اسی استدلال کے ذریعہ جواب دیا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس سلسلہ میں وارد ہونے والی دو روایتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں:

۱۔ امام رضاؑ کے ایک چاہنے والے کا کہنا ہے: خراسان میں امام رضاؑ کی خدمت میں تھا کہ وہاں پر موجود افراد میں سے ایک نے امامؑ سے سوال کیا، اے میرے سید و سردار! اگر (خدانخواستہ) آپ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ امام نے فرمایا: میرے بیٹے ابو جعفرؑ کی طرف۔ ☆ اس وقت اس شخص نے کہا کہ وہ تو ابھی کمسن ہیں؟ امام رضاؑ نے جواب دیا: خداوند نے حضرت عیسیٰؑ کو ابو جعفرؑ سے بھی کم عمر میں رسول، پیغمبر اور نئی شریعت کا مالک بنایا۔ (۱)

۲۔ امام رضاؑ نے معمر بن خلاد نامی اپنے ایک چاہنے والے سے کہا ''میں نے ابو جعفرؑ

..........(الاصول من الکافی، ج۱، ص۳۸۲) لہٰذا یہ بات بعید نہیں ہے کہ ائمہ معصومینؑ بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح کمسنی میں منصب امامت پر فائز ہو جائیں۔

☆ ابو جعفر، امام محمد تقی علیہ السلام کی کنیت ہے۔ اسلامی محدثین آپ کو ابو جعفر ثانی کہتے ہیں تا کہ امام محمد باقرؑ کی کنیت سے اشتباہ نہ ہونے پائے۔

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج۱، ص۳۲۲، ۳۸۴۔ الارشاد: شیخ مفید، ص۳۱۹۔ روضۃ الواعظین: فتال نیشاپوری۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج۳، ص۱۴۱۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص۳۴۶۔

کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور اپنا جانشین قرار دیا ہم ایسے خاندان سے ہیں کہ ہمارے چھوٹے ہمارے بڑوں سے (معارف الٰہی کو) بال بال بھر بطور میراث حاصل کرتے ہیں۔(۱)

اعتقادی دلیل

لیکن ان تمام دلیلوں کے باوجود جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ایک شخص کا کمسنی میں عظیم الٰہی عہدوں پر فائز ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ آغازِ امامت میں امام محمد تقیؑ کے کم سن ہونے کی مشکل نہ صرف بہت سے عام شیعہ افراد کے لئے حل نہیں ہوئی تھی بلکہ بعض شیعہ علماء اور بزرگوں کے لئے بھی اس مسئلہ میں بحث و گفتگو کی گنجائش تھی۔ اسی وجہ سے امام رضاؑ کی شہادت کے بعد شیعوں کو بالخصوص عام شیعوں کو خطرناک اور اس قسم کے غیر معمولی اعتقادی مسئلہ سے روبرو ہونا پڑا اور آنحضرت کی کمسنی ایک عظیم مشکل کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ''ابن رستم طبری'' جو چوتھی صدی ہجری کے دانشوروں میں سے تھا لکھتا ہے۔ ''جب ان کی عمر (حضرت امام تقی علیہ السلام) چھ سال اور چند ماہ کی ہوئی، مامون نے ان کے باپ کو قتل کر دیا، اور شیعہ حیرانی اور پریشانی میں پڑ گئے اور لوگوں کے درمیان نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا اور ابو جعفرؑ کے سن کو کم سمجھا اور تمام شہروں میں شیعہ حیران و پریشان ہو گئے۔

اسی بناء پر شیعوں نے مختلف اجتماع منعقد کئے اور امام محمد تقی علیہ السلام سے ملاقاتیں کیں اور اطمینان حاصل کرنے اور امامؑ کو آزمانے کی غرض سے کہ کیا ان کے پاس علم امامت ہے آپ سے بعض سوالات پوچھے اور جب انہیں یقینی، واضح اور اطمینان بخش جواب مل گئے تو انہیں اطمینان اور سکون حاصل ہوا اس سلسلے میں مورخین لکھتے ہیں:

....

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۱۸۔ اعلام الوریٰ: طبری، ص ۳۴۶۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ص ۱۴۱۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج [illegible] ۲۱۔ الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ص ۳۲۰۔

چونکہ امام رضاؑ نے ۲۰۲ھ میں رحلت فرمائی اس وقت ابو جعفرؑ کی عمر تقریباً سات سال تھی اس وجہ سے بغداد اور دوسرے شہروں میں لوگوں کے درمیان اختلاف نظر پیدا ہو گیا۔

اس وقت حج کا زمانہ نزدیک تھا بغداد اور دوسرے شہروں سے ۸۰ علماء اور فقہاء حج کے لئے نکلے اور ابو جعفرؑ سے ملاقات کی غرض سے مدینہ کا قصد کیا اور جب مدینہ پہنچے تو امام جعفر صادقؑ کے گھر پر گئے کہ جو خالی تھا اور ایک بڑی سی چٹائی پر بیٹھ گئے۔

اسی وقت صدر مجلس کی طرف ایک دروازہ کھلا اور امامؑ نشست گاہ میں داخل ہو کر فرد کش ہوئے اور تمام لوگ خاموش ہو گئے پھر انہوں نے اپنے سوالوں کو امامؑ کے سامنے پیش کیا۔ اور جب انہیں اطمینان بخش اور مکمل جوابات مل گئے تو وہ خوش ہو گئے اور آپ کی تعریف کی اور آپ کے لئے دعا کی۔ (۱)

''اسحاق بن اسماعیل'' جو اس سال اس گروہ کے ساتھ تھا کہتا ہے:

میں نے بھی ایک خط میں دس مسئلے لکھے تھے تا کہ انہیں آنحضرت سے پوچھوں اس وقت میری زوجہ حاملہ تھی میں نے دل میں سوچا کہ اگر آنحضرت نے میرے سوالوں کا جواب دیدیا تو ان سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ میرے لئے دعا کریں کہ میری زوجہ کے شکم میں جو بچہ ہے وہ لڑکا ہو۔ جب لوگوں نے اپنے سوالات بیان کئے میں بھی اپنے خط کو لے کر کھڑا ہوا تا کہ اپنے سوالات کو بیان کروں۔ امامؑ نے جیسے ہی مجھے دیکھا فرمایا اے اسحاق! اس کا نام ''احمد'' رکھو۔ اسی کے ساتھ میری زوجہ نے لڑکے کو جنم دیا اور میں نے اس کا نام ''احمد'' رکھا۔ (۲)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۹۸-۱۰۰ (بہ نقل از عیون المعجزات) دلائل الامامۃ: محمد بن جریر طبری، ص ۲۰۴-۲۰۶- اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۱۳-۲۱۵، (عبارتوں میں مختصر اختلاف کے ساتھ)

(۲) اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۱۵۔

امام سے یہ ملاقات اور بحث و گفتگو اور اس قسم کی دوسری ملاقاتیں شیعوں کے اطمینان اور آپ کی امامت پر مکمل عقیدے کا سبب بنیں اور اس کے ذریعہ سے ان کی فکر اور ذہن سے شکوک و شبہات کے تاریک بادل چھٹ گئے اور حقیقت کا سورج آشکار ہو گیا۔(۱)

آپ کے مناظرے

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام جوادؑ پہلے ایسے امام تھے کہ جو کمسنی میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔☆ لہٰذا آپ کے ساتھ بہت سے مناظرے اور بحثیں ہوئیں کہ جن میں سے بعض بہت زیادہ ہنگامہ خیز، ہیجان آور اور دلچسپ تھیں۔ ان مناظروں کا سبب یہ تھا کہ (جیسا کہ بیان کیا گیا) ایک طرف تو آپ کی امامت آپ کے کمسن ہونے کی وجہ سے بہت سے شیعوں کے لئے مکمل طور پر ثابت نہیں تھی (اگر چہ شیعوں کے بزرگ اور اہل علم افراد کو شیعی عقیدہ کی بنیاد پر اس سلسلہ میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا) لہٰذا وہ اپنے اطمینان قلب اور آپ کو آزمانے کی غرض سے آپ سے بہت سے سوالات کرتے تھے۔

دوسری طرف اس دور میں "معتزلہ" کے زور (طاقت) میں اضافہ ہوا تھا اور مکتب اعتزال نے رونق اور رواج کی منزل میں قدم رکھا تھا اور حکومت وقت بھی اس کی حمایت کر رہی تھی اور ان کی فکری راہ کو محکم کرنے اور استقرار عطا کرنے اور دوسرے گروہوں پر چوٹ پہنچانے اور ان کو کمزور کرنے اور ان کے اثرات کو کم کرنے کے لئے حکومت وقت اپنے اقتدار اور اپنے اثرات نیز دوسرے حکومتی مادی اور معنوی وسائل کے ذریعہ سے ہر طرح سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

---

(۱) بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۵۰، ص ۹۰۔ اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۱۰۔ الاختصاص: شیخ مفید، ص ۱۰۲۔

☆ آنحضرت کے بعد آپ کے فرزند امام تقی بھی اسی عمر میں بلکہ اس سے بھی کم عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے اور ان کے بعد امام مہدیؑ بھی پانچ سال سے کم عمر میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مکتب اعتزال کی فکری راہ محدود تھی اور خطا پذیر انسانی عقل پر بھروسہ کرنے میں زیادہ روی سے کام لیتے تھے۔ معتزلیوں کا دستور یہ تھا کہ وہ دینی احکام اور مطالب کو اپنی عقل پر پرکھتے تھے اور جس چیز کی ان کی عقل واضح طور پر تائید کرتی تھی وہ اسے قبول کرتے تھے اور بقیہ باتوں کا انکار کر دیتے تھے اور چونکہ کمسنی میں مقام امامت پر فائز ہوجانا ان کی ظاہر بین عقل کے لئے قابل توجیہ تھا لہٰذا وہ بہت سے پیچیدہ اور دشوار سوالات پیش کرتے تھے تا کہ بہ گمان خود آنحضرت کو علمی رقابت کے میدان میں شکست دے سکیں!

لیکن ان تمام بحثوں اور علمی مناظروں میں امام محمد تقی علیہ السلام نے (علم امامت کے پرتو میں) اپنے محکم اور حقیقت کو روشن کرنے والے جوابوں کے ذریعہ سے اپنی امامت کے متعلق ہر قسم کے شک وشبہہ کو دور کر دیا اور اصلِ امامت کو بھی مضبوطی عطا فرمائی۔

اسی بنا پر آپ کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے دور میں (کہ وہ بھی کمسنی میں منصب امامت پر فائز ہوئے تھے) اس موضوع کی وجہ سے کوئی مشکل پیش نہیں آئی چونکہ اس وقت سب کے لئے یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ اس الٰہی منصب کو پانے کی راہ میں کمسنی اثر انداز نہیں ہوتی، یہاں پر امام محمد تقی علیہ السلام کے مناظروں میں سے ایک مناظرہ کو نمونہ کے طور پر قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں:

یحییٰ بن اکثم (قاضی القضات)(۱) کے ساتھ مناظرہ

جب مامون ''طوس'' سے ''بغداد'' آیا تو اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کے نام

---

(۱) یحییٰ مامون کے دور کے نامور دانشوروں میں سے تھا جس کی علمی شہرت اس دور کے مختلف علوم میں عام اور خاص سبھی کی زبان پر تھی، وہ علم فقہ میں غیر معمولی تبحر رکھتا تھا جب کہ مامون خود بھی بلند علمی حیثیت کا حامل تھا لیکن اس کے باوجود وہ یحییٰ کی علمی منزلت کا اس قدر شیفتہ تھا کہ اس نے اپنی حکومت کے امور کی ذمہ داری اس کے سپرد کر دی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس (جج) کے منصب کو بھی اسے ہی سپرد کر دیا تھا۔

ایک خط بھیجا اور امام کو مدینہ سے بغداد آنے کی دعوت دی۔ البتہ یہ دعوت بھی امام رضا کو طوس بلانے کی طرح ایک ظاہری دعوت اور درحقیقت ایک اجباری سفر تھا۔

آپ نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور چند دنوں کے بعد بغداد پہنچ گئے مامون نے آپ کو اپنے محل میں بلایا اور اپنی بیٹی ''ام الفضل'' کے ساتھ شادی کی تجویز آپ کے سامنے پیش کی۔

امام نے اس کی اس تجویز کے مقابلہ میں سکوت اختیار کیا مامون نے آپ کی اس خاموشی کو رضامندی کی علامت سمجھا اور اس نے اس امر کے مقدمات فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ [*]

مامون کا ارادہ یہ تھا کہ ایک جشن کی محفل منعقد کرے لیکن اس خبر کے پھیلتے ہی عباسیوں کے درمیان گویا ایک دھماکہ ہوگیا، وہ لوگ جمع ہوئے اور اعتراض آمیز لہجے میں مامون سے کہا: یہ کیسا پروگرام ہے؟ ابھی تو علی بن موسیٰ الرضا اس دنیا سے گئے ہیں اور خلافت عباسیوں تک پہنچی ہے اب تم پھر یہ چاہتے ہو کہ خلافت کو اولاد علی کی طرف پلٹا دو؟ جان لو کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے، کیا تم ہمارے درمیان برسوں کی دشمنی کو بھول گئے ہو۔

مامون نے پوچھا: تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

---

[*] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عقد سے مامون کا مقصد بعض سیاسی اہداف کا حصول تھا مثلاً اپنی بیٹی کے ذریعہ سے امام کی پوشیدہ سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات حاصل کرنا، علویوں کو خوش کرنا اور ان کے قیام سے مانع ہونا۔ کبھی کبھی مامون یہ کہتا تھا میں چاہتا ہوں کہ ابو جعفر میری بیٹی کے ذریعہ سے صاحب فرزند ہوں تاکہ میں ایسے بچے کا جد قرار پاؤں کہ جو پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ کی نسل سے ہو۔ (البتہ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور ام الفضل کے امام سے کوئی فرزند نہ ہوا) امام جوادؑ نے بھی بعض سیاسی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مثلاً تشیع کی اہم شخصیتوں کے لئے عباسی حکومت کی طرف سے خطرہ کا ہونا اور امام کے قتل کا خطرہ ہونے کی وجہ سے اس عقد کو قبول کر لیا تھا!

ان لوگوں نے جواب دیا: یہ ایک کمسن جوان ہے اور اس کے پاس علم ودانش کا وجود نہیں ہے۔

مامون نے کہا: تم اس خاندان کو نہیں پہچانتے اس خاندان کے چھوٹے اور بڑے عظیم علم ودانش کے حامل ہوتے ہیں، اور اگر تمہیں میری بات قبول نہیں ہے تو تم اس کا امتحان لے لو اور ایک ایسے عالم کو کہ جس کو تم خود قبول رکھتے ہو اسے لاؤ تاکہ وہ اس جوان کے ساتھ بحث کرے اور میری بات کی سچائی روشن ہو جائے۔ عباسیوں نے تمام علماء کے درمیان سے "یحییٰ بن اکثم" کو (اس کی علمی شہرت کی وجہ سے) چنا اور مامون نے امام محمد تقی علیہ السلام کے علم کو تولنے کی غرض سے ایک نشست منعقد کی۔ اس نشست میں یحییٰ نے مامون کی طرف رخ کر کے کہا: اجازت ہے کہ میں اس جوان سے ایک سوال کروں؟

مامون نے کہا: خود اس سے اجازت لو۔ یحییٰ نے امام سے اجازت لی۔ امامؑ نے فرمایا: جو چاہو سوال کرو۔

یحییٰ نے کہا: ایک ایسا شخص کہ جو محرم تھا اور اسی حالت میں اس نے ایک جانور کا شکار کیا آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟☆

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

اس شخص نے اپنے شکار کو حِلّ (حرم کے حدود سے باہر) میں انجام دیا ہے یا حرم میں؟ حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت کو جانتا تھا یا نہیں؟ جان بوجھ کر شکار کیا یا غلطی سے؟ شکار کرنے والا آزاد تھا یا غلام؟ چھوٹا تھا یا بڑا؟ پہلی بار اس نے ایسا کام کیا تھا یا چند بار

☆ اعمال حج اور عمرہ کے درمیان حالت احرام میں جو چیزیں محرم پر حرام ہیں ان میں سے ایک شکار کرنا بھی ہے۔ فقہی احکام میں حج کے مسائل کافی پیچیدہ مسائل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر یحییٰ بن اکثم جیسے افراد مختلف احکام کے درمیان احکام حج کو منتخب کرتے تھے تاکہ اپنے زعم ناقص میں وہ امامؑ کو علمی شکست دے سکیں!

ایسا کر چکا تھا؟ اس کا شکار پرندوں میں سے تھا یا غیر پرندوں میں سے؟ چھوٹے جانور کا شکار تھا یا بڑے؟ کیا پھر بھی وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہے یا اپنے کیے پر شرمندہ ہے؟ رات میں شکار کیا تھا یا دن میں، حج کے احرام میں تھا یا عمرے کے؟

یحییٰ بن اکثم نے امامؑ کی زبان سے جب اتنی فروعات اور شقوں کو سنا تو وہ حیران رہ گیا، اس کے چہرے پر ناتوانی اور بیچارگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس کی زبان میں لکنت آگئی اس طرح تمام حاضرین دربار نے اسے آنحضرت کے مقابلہ میں ناتواں پایا۔

مامون نے کہا: اس نعمت پر خدا کا شکر گذار ہوں کہ جو میں نے سوچا تھا وہی ہوا پھر اس نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: کیا اب تم اس چیز کو جان گئے کہ جس کو تم پہلے ماننے کو تیار نہیں تھے؟

اس وقت مذاکرات کے تمام ہونے کے بعد جب لوگ متفرق ہو گئے اور خلیفہ کے نزدیکی افراد کے علاوہ اور کوئی مجلس میں باقی نہ بچا، مامون نے امامؑ کی طرف مخاطب ہو کر کہا: میں تم پر قربان ہو جاؤں، بہتر ہوگا اگر تم ان تمام فروعات کے احکام میرے لئے بیان کرو کہ جو تم نے حالت احرام میں شکار کرنے کے متعلق بیان کیں۔ تا کہ میں اس سے فائدہ حاصل کر سکوں اس وقت امام جوادؑ نے ان تمام فروعات کے احکام بتائے کہ جو آپس میں مختلف تھے اور مامون بہت زیادہ متاثر ہوا۔ (۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۷۵۔ ۷۷، اس واقعہ کے راوی "ریان بن شبیب" ہیں کہ جو معتصم کے ماموں تھے اور امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب اور قابل اعتماد محدثین میں سے تھے۔ (الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۱۹۔ ۳۲۱۔ الاحتجاج: طبرسی، ص ۲۴۵۔ اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۱۶۔ الاختصاص: شیخ مفید، تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، ص ۹۹)

وکالت۔ ذریعہ ارتباط

امام جوادؑ تمام پابندیوں کے باوجود اپنے نمائندوں اور وکیلوں کو مختلف جگہوں پر منصوب کر کے شیعوں کے ساتھ رابطہ کو برقرار رکھتے تھے اور عباسی خلیفہ کی پوری حکومت میں امامؑ اپنے وکیلوں کو بھیجتے تھے اور ان کی وسیع کوششوں کے ذریعہ سے شیعی طاقتوں کے منفرق ہونے کی روک تھام ہوتی تھی۔

امامؑ کے نمائندے، اہواز، ہمدان، سیستان، بُست، ☆ ری، بصرہ، واسط، بغداد اور شیعوں کے قدیمی مراکز یعنی کوفے اور قم میں پھیلے ہوئے تھے۔ جیسا کہ امامؑ کے کمسن ہونے کے بیان میں کہا گیا کہ ''علی بن اسباط'' نے آنحضرت سے ملاقات کے وقت غور سے امامؑ کے چہرے کو دیکھا تاکہ اسے ذہن نشین کرلیں اور مصر میں واپس جا کر اس علاقے میں موجود امامؑ کے ماننے والوں کو بتاسکیں۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہاں پر بھی امامؑ کے چاہنے والے اور آپ کے شیعہ موجود تھے۔

آپ کی علمی درسگاہ

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ائمہ معصومینؑ کی زندگی کا ایک عظیم پہلو، ان کا ثقافتی پہلو ہے یہ تمام ائمہ معصومینؑ اپنے اپنے دور میں ثقافتی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور اپنی درسگاہ میں بہت سے شاگردوں کو تربیت دی ہے اور ان کے ذریعہ سے اپنے علوم کو سماج میں نشر کیا ہے، لیکن ان تمام ائمہ معصومینؑ کے دور میں اجتماعی اور سیاسی حالات ایک

☆ ابوالفداء (۶۷۲۔۷۳۱ھ) لکھتے ہیں کہ بُست دریائے ہندسندھ کے کنارے پر واقع ہے یہ بجستان (سیستان) کا ایک بڑا اور نعمت سے مالا مال شہر ہے، اس میں خرمے وغیرہ کے باغات بہت زیادہ ہیں بُست سے غزنہ تک تقریباً ۱۴ مرحلے ہیں (تقویم البلدان، ترجمہ عبدالمحمد آیتی، ص۱۳۹۱)

جیسے نہیں تھے مثلاً امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے دور میں (جیسا کہ آپ کی سیرت کے بیان میں ذکر کیا گیا) اجتماعی حالات سازگار تھے اور اسی بناء پر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں اور آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچی ہے لیکن امام جوادؑ کے دور سے لے کر امام حسن عسکریؑ کے دور تک دربار خلافت کی جانب سے بہت سے سیاسی خلفشار اور ان کی شدید پابندیوں کے سبب سے ان کی خدمات بہت محدود ہوگئیں اور اسی وجہ سے ان کے دور میں تربیت پانے والوں اور روایت کرنے والوں کی تعداد میں امام جعفر صادقؑ کے دور کے بہ نسبت خاطر خواہ کمی واقع ہوئی۔ لہٰذا اگر ہم یہ پڑھتے ہیں کہ حضرت امام جوادؑ کے اصحاب اور آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد صرف ایک سو دس (۱۱۰) تھی (۱) اور کُل ملا کر آپ سے ۲۵۰ حدیثیں نقل ہوئی ہیں (۲) تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

چونکہ ایک طرف سے آپ سیاسی طور پر سخت کنٹرول اور خلیفہ کی نگرانی میں تھے اور دوسری طرف جلد ہی شہید کر دئے گئے، اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر ۲۵ سال سے زائد نہ تھی۔

اس کے باوجود ہمیں اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہیے کہ آپ کے اصحاب اور آپ سے روایت کرنے والوں کی اسی محدود تعداد میں بھی، علی بن مہزیار احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی،

---

(۱) رجال: شیخ طوسی، ص ۳۹۷۔۴۰۹ ''مسند الامام الجوادؑ'' کے مؤلف امام محمد تقی علیہ السلام کے شاگردوں کی تعداد ۱۲۱ بتاتے ہیں (مسند الامام الجواد: شیخ عزیز اللہ عطاردی) اور قزوینی کا کہنا ہے کہ آپ کے اصحاب کی کل تعداد ۲۵۷ ہے (الامام الجواد من المہد الی اللحد: سید محمد کاظم قزوینی)

(۲) جناب عطاردی نے کتاب مسند الامام الجواد میں امامؑ سے فقہی، عقیدتی، اخلاقی اور دوسرے میدانوں میں منقول احادیث کو جمع کیا ہے اور جن کی تعداد [illegible] ذکر کی گئی ہے۔

زکریا ابن آدم محمد بن اسماعیل بن بزیع، حسین بن سعید اہوازی، احمد بن خالد بن برقی جیسے درخشاں چہرے اور برجستہ شخصیتیں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک علمی اور فقہی میدان میں ایک خاص مقام کی حامل شمار کی جاتی ہیں۔

دوسری طرف امام جوادؑ سے حدیثیں نقل کرنے والے صرف شیعہ ہی نہیں تھے بلکہ سنی علماء اور محدثین نے بھی آنحضرت سے اسلام کے حقائق و معارف کو نقل کیا ہے۔(۱)

اسی طرح سے حافظ ''عبدالعزیز بن اخضر حنابندی'' نے اپنی کتاب ''معالم العترۃ الطاہرۃ''(۲) میں اور ابوبکر احمد بن ثابت، ابو اسحاق ثعلبی اور محمد بن مندہ بن مہر بد جیسے مؤلفین نے بھی اپنی تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں آنحضرت سے روایات نقل کی ہیں۔(۳)

---

(۱) تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۵۴ و ۵۵۔

(۲) اعیان الشیعہ: سید محسن امین، ج ۲، ص ۳۵۔

(۳) مناقب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۸۴۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

شیعوں کے دسویں امام حضرت علی نقیؑ، ۱۵؍ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں مدینہ کے اطراف میں "صریا" نامی ایک مقام پر اس دنیا میں تشریف لائے (۱) آپ کے والد ماجد امام جوادؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب "سمانہ" ہیں جو ایک بافضیلت اور باتقویٰ کنیز تھیں۔(۲) دسویں امامؑ کے مشہور القاب "نقی" اور "ہادی" ہیں اور آپ کو "ابوالحسن ثالث" بھی کہا جاتا ہے۔(۳)

امام علی نقیؑ ۲۲۰ھ میں اپنے والد کی شہادت کے بعد مسند امامت پر بیٹھے اور اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی آپ کی امامت کی مدت ۳۳؍سال ہے اور آپ کی کُل عمر ۴۱؍سال اور چند ماہ تھی آپ ۲۵۴ھ میں شہر سامرہ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

آپ کے دور کے خلفاء

امام علی نقیؑ کی امامت کے دور میں چند عباسی خلفاء اس طرح ہیں:

---

(۱) اعلام الوریٰ طبرسی، ص ۳۵۵۔ الارشاد شیخ مفید، ص ۳۲۷۔

(۳) اعلام الوریٰ طبرسی، ص ۳۵۵، راویان شیعہ کے درمیان ابوالحسن اول سے مراد امام موسیٰ بن جعفرؑ اور ابوالحسن ثانی سے مراد آٹھویں امام ہیں۔

۱۔ معتصم، مامون کا بھائی (۲۱۷۔۲۲۷ھ)☆

۲۔ واثق، مامون کا بیٹا (۲۲۷۔۲۳۲ھ)

۳۔ متوکل، واثق کا بھائی (۲۳۲۔۲۴۸ھ)

۴۔ منتصر، متوکل کا بیٹا (چھ ماہ)

۵۔ مستعین، منتصر کا چچیرا بھائی (۲۴۸۔۲۵۲ھ)

۶۔ معتز، متوکل کا بیٹا (۲۵۲۔۲۵۵ھ)

امام ہادیؑ آخری خلیفہ کے دور میں زہر سے شہید کر دیئے گئے اور آپ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا۔

امامؑ کے دور میں اجتماعی وسیاسی حالات

عباسی خلافت کا یہ دور کچھ ایسی خصوصیات کا حامل ہے کہ جو دوسرے زمانوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، ذیل میں ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ خلافت کی ہیبت اور عظمت کا زوال

خلافت، خواہ اموی دور میں ہو یا عباسی دور میں، ہیبت اور جلالت کی حامل تھی لیکن اس دور میں خلافت کی کیبنٹ پر ترکوں اور غلاموں کے مسلّط ہو جانے کی وجہ سے اس کی عظمت ختم ہوگئی اور خلافت ایک گیند کی طرح ان افراد کے ہاتھوں میں پڑ گئی کہ وہ اسے جس طرف چاہتے تھے اچھال دیتے تھے، اور اس دور میں عملاً خلیفہ کا مقام ایک تشریفاتی

☆ بریکٹ میں مذکور سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

مقام تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب بھی مخالفین کی جانب سے خطرہ محسوس ہوتا تھا تو ان کو کچلنے کے لئے تمام خلفاء ان کے اطراف میں رہنے والے اور خلافت کے تمام کارندے، ایک رائے ہو جاتے تھے۔

۲۔ دوباریوں کا عیش و عشرت میں پڑ جانا اور ہوا و ہوس کا اسیر ہو جانا

اس دور میں عباسی خلفاء اس خلاء کی وجہ سے کہ جو خلافت پر حکومت کر رہا تھا راتوں کی بیٹھکوں، شراب نوشیوں اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے اور دربار خلافت برائیوں اور گناہوں میں غرق ہو گیا۔ تاریخ کے صفحات نے ان کے افسانے جیسی راتوں کی بیٹھکوں کے متعلق خبروں کو اپنے دامن میں محفوظ کیا ہے۔

۳۔ ظلم و ستم اور خودغرضی میں اضافہ

لوگوں پر ظلم و ستم، بیت المال کی بربادی اور اسے اپنی عیاشیوں اور عیش و عشرت کی راہ میں خرچ کرنا اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جو لوگوں کی جان ہونٹوں تک آ گئی تھی۔

۴۔ اولاد علیؑ کی طرف سے چلائی جانے والی تحریکوں میں اضافہ

تاریخ کے اس دور میں عباسی حکومت کی کوشش یہ تھی کہ سماج میں علویوں کے بارے میں نفرت پھیلا کر انہیں متفرق کر دے۔ انہیں جب بھی علویوں کی جانب سے کسی تحریک کا چھوٹا سا سایہ بھی محسوس ہوتا تھا فوراً اسے بے رحمی سے کچلنے کا پروگرام شروع ہو جاتا تھا اور ان کے اس عمل میں شدت کا سبب یہ تھا کہ خلافت اپنے برقرار کئے ہوئے کنٹرول اور گھٹن کے باوجود بھی خود کو متزلزل اور غیر پایدار محسوس کرتی تھی اور اس قسم کی تحریکوں سے سخت خوفزدہ تھی۔

اس دور میں علویوں کا دستور یہ تھا کہ بغیر کسی خاص شخص کا نام لئے ہوئے لوگوں کو

''آل محمدؐ میں سے ایک چنے ہوئے شخص کی رہبری کی طرف دعوت دیتے تھے چونکہ تحریک کے سربراہوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کے معصوم امام ''سامرہ'' میں فوجی اڈوں کے درمیان زیر نگرانی ہیں اور کسی معین شخص کی طرف دعوت دینا ان کی موت کا سبب ہوگا۔ اس دور میں اسلامی سماج پر ہونے والے ظلم وستم میں اضافہ انہیں انقلابوں اور تحریکوں سے جڑا ہوا تھا اور فشار و گھٹن میں کمی وزیادتی سے براہ راست تعلق رکھتا تھا۔

بطور نمونہ ''منتصر'' کے دور میں کہ جو ایک حد تک خاندان نبوت اور امامت سے لگاؤ رکھتا تھا اور اس کے دور میں کوئی بھی شیعوں اور علویوں کو تنگ نہیں کرتا تھا، کوئی قیام نہیں ہوا تاریخ کی کتابوں نے صرف ۲۱۹ھ سے ۲۷۰ھ تک کی مدت میں ۱۸ر قیام ذکر کئے ہیں ان قیام کو عام طور سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور عباسی حکومت کی جانب سے کچل دئے گئے۔

قیاموں کے شکست کی علت

ان تحریکوں اور قیاموں کی شکست کے اسباب کو ایک طرف ان کی رہبری میں کمزوری اور دوسری طرف ان کے رہبروں کے طرفداروں اور ساتھیوں میں کمزوری میں تلاش کرنا چاہئے ان تحریکوں کے رہبروں کے پاس عام طور سے کوئی صحیح اور کامل پروگرام موجود نہیں تھا اور ان کے کام میں بے نظمی کارفرما تھی اور دوسری طرف سے ان کے قیام ۱۰۰ر فیصد اسلامی شکل نہیں رکھتے تھے۔ اور اسی بناء پر عام طور سے انہیں اپنے زمانے کے اماموں کی حمایت نہیں ملتی تھی۔

البتہ ان قیاموں کے بعض طرفدار افراد حقیقی شیعہ اور مخلص انسان تھے کہ جو اسلام کے بلند مقاصد کے لئے موت کی حد تک جنگ کرتے لیکن اس قسم کے افراد کی تعداد کم تھی اور اکثر لڑنے والے وہ افراد تھے کہ جو کسی روشن اور واضح اسلامی مقصد کے تحت نہیں لڑ رہے تھے بلکہ ان پر ہونے والے ظلم وستم سے پریشان ہو کر حالات کو بدلنے کی کوشش کر

رہے تھے، ان افراد کو جب شکست کا احساس ہو جاتا تھا یا موت کا احتمال پیدا ہو جاتا تھا اپنے رہبروں کو اکیلا چھوڑ کر اس کے پاس سے متفرق ہو جاتے تھے۔

جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ان انقلابوں میں سے بہت سے انقلابوں کو اماموں کی حمایت حاصل نہ تھی، اس کا سبب یہ تھا کہ یا تو وہ سو فیصد اسلامی نہیں تھے اور ان کے مقاصد میں یا ان کے رہبروں میں بعض انحرافات کا مشاہدہ کیا جاتا تھا یا یہ کہ ان کا پروگرام اور قیام کا نقشہ کچھ ایسا ہوتا تھا کہ جسے دیکھ کر ان کی شکست کی صورت میں امامت اور تشیع کی اساس اور شیعی طاقتوں کا اصل مرکز خطرے میں پڑ جاتا۔

امامؑ کی مدینہ سے سامرہ روانگی

جیسا کہ عباسی خلفاء کی حکومت کا نقشہ پیش کیا گیا اسے دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام خلفاء میں امام علی نقیؑ کے دور میں سب سے زیادہ متوکل کی حکومت رہی۔ اس جہت سے امامؑ کے مقابلے میں اس کے موقف کی وضاحت کرتے ہیں:

متوکّل بنی ہاشم کے ساتھ بہت زیادہ برا سلوک کرتا تھا اور نہایت سختی سے کام لیتا تھا وہ ان سے بدگمان تھا اور ہمیشہ ان پر تہمتیں لگاتا تھا۔ اس کا وزیر ”عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان“ بھی ہمیشہ متوکّل کے پاس بنی ہاشم کی شکایت کرتا تھا اور اسے ان کے ساتھ برا سلوک کرنے کی تشویق دلاتا تھا۔ متوکّل خاندان علوی پر ظلم و زیادتی اور سختی سے کام لینے میں تمام عباسی خلفاء سے سبقت رکھتا تھا۔(۱)

متوکّل علیؑ اور آپ کے خاندان والوں سے عجیب قسم کی عداوت اور دشمنی رکھتا تھا اگر اسے خبر ہو جاتی تھی کہ کوئی شخص آنحضرت سے لگاؤ رکھتا ہے تو وہ اس کے مال کو ضبط کر لیتا تھا

(۱) مقاتل الطالبین: ابوالفرج الاصفہانی، ص ۳۹۵۔

اور اسے قتل کر دیتا تھا۔(۱)

امامؑ کو زیر نظر رکھنے کے لئے متوکل اپنے بڑے آباؤ اجداد کی روش اپناتا تھا اور وہ اس کوشش میں تھا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے وہ امامؑ کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ ہم نے آپ سے پہلے والے امامؑ کی کاوشوں کو کنٹرول میں کرنے کے لئے مأمون کی روش دیکھی۔ اس نے امام جوادؑ کے ساتھ رشتہ داری برقرار کی اور اس کے ذریعہ سے وہ امام جوادؑ پر یہاں تک کہ آپ کے گھر میں بھی کنٹرول اور نگرانی برقرار کر سکا، اور اس طرح آپ کے تمام اعمال وافعال اور ملاقاتوں کو زیر نظر رکھا۔ امام جوادؑ کی شہادت اور امام علی نقیؑ کی اپنے والد کی جانشینی کے بعد خلیفۂ وقت کے لئے اس نقشہ کو عمل درآمد کرنے کی ضرورت بالکل روشن نظر آتی ہے چونکہ اگر امامؑ مدینہ میں مقیم رہتے اور خلیفہ کی رسائی آپ تک نہ ہوتی تو یہ یقیناً اس کی جابر حکومت کے لئے ایک واقعی خطرہ تھا، اور ایسی صورت میں اگر خلیفہ کو امامؑ کی طرف سے چھوٹے سے خطرے کی بھی رپورٹ ملتی تو وہ خلیفہ کو اپنے نقشہ کو عملی کرنے کے لئے آمادہ کر دیتی۔ جیسا کہ مدینہ کے گورنر کے خط سے خلیفہ سخت فکرمند ہو گیا اور یہی امامؑ کے مدینہ سے سامرہ منتقل ہونے کا سبب بنا۔

مدینہ کے گورنر ''عبداللہ بن محمد ہاشمی'' نے خلیفہ کو خط کے ذریعہ سے امامؑ کی سیاسی سرگرمیوں کی طرف سے سخت فکرمند کر دیا اور اس نے متوکل کے لئے امامؑ کے اجتماعی مقام کی وضاحت کی۔(۲) لیکن امامؑ نے متوکل کو خط لکھ کر ''عبداللہ'' کے دعووں کو رد کیا

---

(۱) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۰۰۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۳۳۔ مسعودی نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد کے علاوہ ''بریحۂ عباسی'' نے بھی کہ جو حرمین (مکہ ومدینہ) میں اقامۂ نماز پر ناظر تھا متعدد بار متوکل کو لکھا: اگر تمہیں حرمین کی ضرورت ہے تو علی بن محمد کو وہاں سے نکالو چونکہ وہ لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے اور بہت سے لوگ اس کے شیدائی ہو گئے ہیں۔ (اثبات الوصیۃ، ص ۲۲۵)

اور متوکل سے اس کی شکایت کی۔

متوکل نے دنیا کے اکثر سیاست دانوں کی طرح ایک ریاکاری بھرا قدم اٹھایا اس نے ایک طرف تو ''عبداللہ بن محمد'' کو برطرف کر دیا اور دوسری طرف اپنے درباری کاتب کو حکم دیا کہ امامؑ کو ایک خط لکھے کہ جس خط سے بظاہر تو امامؑ کے ساتھ متوکل کے لگاؤ کا پتہ چلتا ہو لیکن درحقیقت امامؑ کو احترام کے ساتھ اپنی طرف کھینچنے کا حکم تھا۔(۱)

بے شک امامؑ متوکل کی بری نیت سے آگاہ تھے لیکن آپ کے پاس سامرہ جانے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ اگر امامؑ متوکل کی دعوت کو قبول نہ کرتے تو اس سے آپ کے خلاف شکایت کرنے والوں کی بات کی تائید ہوتی اور متوکل کے مزید حرکت میں آنے کا سبب ہوتا اور اسے آپ پر بہت زیادہ تنگی اور مشکلات فراہم کرنے کا بہانہ مل جاتا۔ امامؑ متوکل کی بری نیت سے آگاہ تھے اور آپ نے مجبور ہو کر یہ سفر کیا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ امامؑ نے بعد کو متعدد بار سامرہ میں یہ جملے ارشاد فرمائے ''مجھے مجبور کر کے مدینہ سے سامرہ لایا گیا۔''(۲)

بہرحال امامؑ کو متوکل کا دعوت نامہ موصول ہوا اور آپ ''یحییٰ بن ہرثمہ'' کے ساتھ سامرہ جانے پر مجبور ہوئے۔(۳)

---

(۱) بحار الانوار، ج۵۰، ص۲۰۰۔ الاصول من الکافی، ج۱، ص۵۰۱۔ الارشاد، ص۳۳۳۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ اربلی، ج۳، ص۱۷۲۔

(۲) بحار الانوار، ج۵۰، ص۱۲۹۔

(۳) ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب آل ابی طالب میں نقل کیا ہے کہ امامؑ کو ۲۳۴ھ میں سامرہ لایا گیا۔

امامؑ کا سامرہ میں داخل ہونا

جس دن امامؑ سامرہ میں داخل ہوئے متوکل کے حکم سے آپ کو ''خان الصعالیک'' (فقیروں اور محتاجوں کے ٹھہرنے کی جگہ) نام سے مشہور ایک جگہ پر ٹھہرایا گیا، یہ بہانہ بنا کر کہ ابھی آپ کے قیام کرنے کی جگہ تیار نہیں ہے۔ آپ نے وہ دن اسی جگہ پر گزارا۔ اس کام سے اس کا مقصد امامؑ کو تکلیف دینا اور سیاسی انداز میں تحقیر کرنا تھا۔(۱) دوسرے دن امامؑ کے آرام کے لئے ایک گھر کا انتظام کیا۔ اور آپ وہیں رہنے لگے۔ ایک گھر معین کیا گیا اور آپ اس میں قیام پذیر ہوئے۔(۲)

امامؑ بظاہر اس شہر میں آزاد تھے لیکن درحقیقت ایک قیدی کی طرح زندگی گزار رہے تھے، چونکہ آپ کا گھر ایسی جگہ پر تھا کہ آپ ہمیشہ زیر نظر تھے اور آپ کی آمد و رفت اور ملاقاتوں پر خلیفہ کے نوکروں کے ذریعہ سے نظر رکھی جاتی تھی۔

''یزداد'' کہ جو ایک مسیحی طبیب تھا اور ''بختیشوع'' کا شاگرد تھا امامؑ کو مجبوراً سامرہ لائے جانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: اگر کسی کو علم غیب ہے تو وہ صرف وہی شخص ہے، اس کو یہاں لے کر آئے ہیں تاکہ لوگ اس کی طرف مائل نہ ہو سکیں چونکہ اس کے ہوتے ہوئے (یہ لوگ) اپنی حکومت کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔(۳)

امامؑ کے لوگوں کے درمیان معنوی نفوذ سے متوکل کس قدر وحشت زدہ تھا اس کا پتہ

---

(۱) جیسا کہ ''صالح بن سعید'' جیسے افراد اس مطلب سے باخبر تھے کہ وہ کہتے ہیں: یہ لوگ ہمیشہ سے آپ کے نور کو بجھانے کی کوشش میں ہیں اور اس بناء پر آپ کو اس پست اور حقیر مسافر خانہ میں ٹھہرایا ہے! (الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۳۴۔ کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج ۳، ص ۱۷۳)

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۳۴۔

(۳) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۶۱۔

آپ کے ٹھہرنے کی جگہ سے چلتا ہے کہ جسے متوکل نے آپ کے لئے منتخب کیا تھا!

وکالت، ذریعۂ ارتباط

عباسیوں کے دور میں اماموں اور آپ کے شیعوں کو جن بحرانی حالت کا سامنا تھا ان کی بناء پر وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے شیعوں سے رابطہ برقرار رکھنے کے لئے کسی جدید وسیلہ کا سہارا لیں۔ اور وہ امامؑ کی جانب سے مختلف علاقوں میں اپنے نمائندوں اور وکیلوں کو بھیجنا تھا تاکہ ان کے ذریعہ سے ارتباط برقرار رکھا جا سکے۔ جس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ وکلاء کے ذریعہ خمس و زکوٰۃ، نذورات اور ہدایا کو مختلف علاقوں سے جمع کر کے امام کے سپرد کیا جائے اور امام کی جانب سے شیعوں کی فقہی اور عقیدتی مشکلات کا جواب دیا جائے نیز امامؑ کے وکیل کے ذریعہ سے ان کی سیاسی توجیہ کی جائے اس طرح ائمہ معصومینؑ کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی راہ میں یہ طریقہ کار مؤثر تھا۔

امام علی نقیؑ نے کہ جو سامرہ میں شدید کنٹرول اور نگرانی میں تھے، نمائندوں اور وکیلوں کو معین کرنے کے کام کو کہ جسے آپ کے والد امام جوادؑ نے شروع کیا تھا آگے بڑھایا اور مختلف شہروں اور علاقوں میں اپنے وکیلوں اور نمائندوں کو منصوب کیا اس طرح سے یہ ایک ارتباط کا ہماہنگ اور ہدایت شدہ ادارہ بن گیا کہ جو بیان کئے گئے مقاصد کو پورا کرتا تھا۔

امامؑ اور آپ کے شیعوں کے درمیان براہ راست رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے وکلاء کے سیاسی اور مذہبی کردار میں اضافہ ہو گیا۔ اس طرح سے کہ امامؑ کے وکلاء پر امور کو چلانے کی راہ میں مزید ذمہ داری عائد ہو گئی، امامؑ کے وکیلوں کو آہستہ آہستہ مختلف شعبوں کو منظم کرنے کی راہ میں قیمتی تجربے حاصل ہوئے۔

تاریخ کی متعدد خبروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کے وکیلوں نے شیعوں کو علاقوں کے اعتبار سے چار گروہ میں تقسیم کیا تھا۔

پہلا علاقہ بغداد، مدائن اور عراق (کوفہ) کو شامل ہوتا تھا دوسرا علاقہ بصرہ اور اہواز کو شامل تھا تیسرا علاقہ قم اور ہمدان اور آخری علاقہ حجاز، یمن اور مصر کو شامل ہوتا تھا۔ ہر علاقہ ایک مستقل وکیل کے حوالے تھا کہ جس کے زیرِ نظر علاقائی نمائندے منصوب کئے جاتے تھے۔ اس ادارے کے اقدامات کو حضرت امام ہادیؑ کے دستور العمل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ آپ نے ۲۳۲ھ میں اپنے علاقائی وکیل (بغداد میں) ''علی بن بلال'' کے نام ایک خط میں اس طرح لکھا:

''.....میں نے ''علی بن حسین بن عبد ربہ'' (۱) کی جگہ ابو علی (بن راشد) کو منصوب کیا، میں نے اس بناء پر یہ ذمہ داری اس کو سونپی ہے چونکہ اس کے اندر بحد ضرورت صلاحیت موجود ہے، اس طرح سے کہ کوئی شخص اس پر تقدم نہیں رکھتا میں جانتا ہوں کہ تم اپنے علاقے کے بزرگ فرد ہو اسی بناء پر میں نے چاہا کہ تم کو ایک علیٰحدہ خط لکھ کر اس موضوع سے باخبر کروں، ساتھ ہی ضروری ہے کہ اس کی اطاعت کرو اور جمع کی ہوئی رقوم (شرعیہ) کو اس کے حوالے کرو، ہمارے دوسرے شیعوں سے بھی ایسا کام کرنے کی درخواست کرو اور انہیں اس طرح سے باخبر کرو کہ وہ اس کی مدد کریں تا کہ وہ اپنے فرائض کو انجام دے سکے۔ (۲)

امامؑ نے اپنے ایک اور وکیل ''ایوّب بن نوح'' کو بھی اس طرح لکھا:

''اے ایوّب بن نوح! اس حکم کے مطابق تم ''ابو علی'' سے ٹکرانے سے پرہیز کرو۔ تم دونوں کا فریضہ ہے کہ اپنے اپنے علاقہ میں ان فرائض کو انجام دو کہ جو تمہارے ذمہ ہیں''

....

(۱) علی بن حسین بن عبد ربہ نے ۲۲۹ھ میں مکہ میں انتقال فرمایا اور امام ہادیؑ نے ان کی جگہ پر ابو علی (ابن راشد) کو مقرر فرمایا۔ (اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۵۱۰، حدیث ۹۸۴)

(۲) رجال: شیخ طوسی، ص ۵۱۳، حدیث ۹۹۱۔ تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ترجمۂ ڈاکٹر سید محمد تقی آیت اللّٰہی، ص ۱۳۷۔

ایسی صورت میں تم اپنے فرائض کو بغیر مجھ سے مشورہ کئے ہوئے انجام دے سکتے ہو۔

اے ایوب! اس حکم کی بنیاد پر تم بغداد اور مدائن کے لوگوں کی کوئی بات قبول نہ کرنا اور کسی کو مجھ سے رابطہ کرنے کی اجازت نہ دینا، اگر کوئی شخص تمہارے علاقے میں باہر سے کوئی رقم لائے تو تم اسے حکم دو کہ وہ اسے اپنے علاقے کے وکیل کے پاس بھیجے۔

اے ابوعلی! میں تم سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ جو حکم میں نے ابوایوب کو دیا ہے اسے بعینہٖ اجرا کرو۔"(۱)

اسی طرح سے امامؑ نے ایک خط "ابوعلی بن راشد" کے ذریعہ سے "بغداد" "مدائن" اور "عراق" میں رہنے والے اپنے شیعوں کے نام بھیجا اور اس میں اس طرح لکھا:

"....میں نے "ابوعلی بن راشد" کو "حسین بن عبدربہ" اور اپنے پہلے والے وکیلوں کی جگہ پر منتخب کیا، اور اب وہ میرے نزدیک حسین بن عبدربہ کی جگہ پر ہے، میں نے اپنے پہلے والے وکیلوں کے اختیارات کو بھی ابوعلی بن راشد کو دے دیئے تا کہ مجھ سے متعلق رقوم شرعیہ کو جمع کریں اور اسے کہ جو ایک لائق اور مناسب شخص ہے تمہارے امور کو چلانے کے لئے منتخب کیا اور اسے یہ منصب عطا کیا ہے۔ تم لوگ۔ تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اپنی رقومات شرعیہ کو ادا کرنے کے لئے اس کے پاس جاؤ، تم اس سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرو، اس کی مخالفت کی فکر کو اپنے ذہنوں سے نکال دو، خدا کی اطاعت اور اپنے اموال کو پاک کرنے کے لئے دوڑ پڑو ایک دوسرے کا خون بہانے سے پرہیز کرو، تقویٰ اور نیک عمل انجام دینے کی راہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور پرہیزگار رہو تا کہ خدا تم کو مشمول رحمت قرار دے....."(۲)

---

(۱) رجال: شیخ طوسی، ص۵۱۴، حدیث۹۹۲۔ تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ص۱۳۷-۱۳۸

(۲) رجال: شیخ طوسی، ص۵۱۳-۵۱۴۔

امام کے ایک اور نمائندے ''علی بن جعفر'' کہ جو بغداد کے اطراف میں ''ہمینیا'' نامی ایک قریہ کے رہنے والے تھے جب آپ کی سرگرمیوں کی خبر متوکل کو ملی تو اس نے آپ کو گرفتار کر کے زندان میں بھیج دیا۔ آپ قید خانہ میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد آزاد ہوئے اور امام علی نقیؑ کے حکم سے مکہ چلے گئے اور وہیں قیام کیا۔(۱)

امام علی نقیؑ کے نمائندوں کی گنتی میں ''ابراہیم بن محمد ہمدانی'' کا نام بھی لینا ضروری ہے۔ حضرت امام علی نقیؑ نے انہیں ایک خط میں اس طرح لکھا: تمہاری بھیجی ہوئی رقومات ملیں، خدا تمہارا (یہ عمل) قبول کرے اور ہمارے شیعوں سے راضی رہے اور انہیں دنیا و آخرت میں ہمارے ساتھ قرار دے......''

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم پر امامؑ کی جانب سے مالی ذمہ داری حاصل تھی اور دوسرے وظائف سے قطع نظر احتمالاً آپ کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ شیعوں سے جمع کی ہوئی رقوم کو امامؑ کے پاس بھیجیں۔

بہر حال اس وکالت کے ادارے کا کردار بالخصوص متوکل کے دور میں نمایاں نظر آتا ہے متوکل نے ان افراد کو جو علویوں کے مخالف تھے جمع کیا اور انہیں فوج میں داخل کیا تا کہ ان کے ذریعہ سے وہ اپنے مخالفین کا کام تمام کرے اور علویوں بالخصوص امامیہ کی پوشیدہ اور منظم سرگرمیوں کو نابود کر سکے۔

اس نے شیعوں کو گرفتار کرنے کی غرض سے ایک فوجی کاروائی کی اور اس نے اس پروگرام کو شدت اور سختی کے ساتھ جاری رکھا اس طرح سے کہ بغداد مدائن کوفہ اور عراق کے دوسرے علاقوں میں امامؑ کے بعض وکلاء کی شکنجوں کے نتیجہ میں موت ہوگئی اور بعض

---

(۱) رجال: شیخ طوسی، ص ۶۰۷، حدیث ۱۲۹۔ اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۳۳۔

دوسرے قید خانہ میں چلے گئے۔(۱) متوکل کے ان اقدامات سے وکالت کے ادارے کو بہت زیادہ نقصان پہنچا لیکن امام ہادیؑ نے اپنی محکم کوششوں کے ذریعہ سے اس ادارے کو اسی طرح سے سرگرم اور پرثمر حالت میں محفوظ رکھا۔

امامؑ درباری فقہاء کے سامنے

اس کے باوجود کہ عباسی خلفاء کی سیاست یہ تھی کہ لوگوں کی توجہ کو درباری فقہاء کی طرف جلب کریں اوران کے فتووں کو قانونی سمجھیں لیکن سامرہ میں امامؑ کے قیام کی مدت میں کئی مرتبہ دربار سے وابستہ فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور انہیں مجبور ہو کر امامؑ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امامؑ نے اپنے علم امامت اور روشن استدلال کے ذریعہ سے اس طریقہ سے مسئلہ کو کھول کر رکھ دیا کہ تمام فقہاء آپ کے مقابلے میں تسلیم ہونے اور آپ کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ذیل میں اس قسم کے ایک دو نمونوں کو قارئین کی نظر سے گذارتے ہیں:

۱۔ زناکار مسیحی کی سزا

ایک دن ایک مسیحی کو کہ جس نے مسلمان عورت سے زنا کیا تھا متوکل کے سامنے لایا گیا۔ متوکل نے اس کے متعلق شرعی حد جاری کرنا چاہا، اسی وقت وہ مسیحی اسلام لے آیا یحییٰ بن اکثم، کہ جو قاضی القضات تھا نے کہا، اس کے اسلام لانے نے اس کے کفر اور اس کے عمل کو ختم کر دیا لہٰذا اب اس پر حد نہیں جاری ہونی چاہیے، بعض فقہاء نے کہا: اس پر تین بار حد جاری ہونا چاہیے، بعض دوسرے فقہاء نے الگ الگ فتوے دئے۔

---

(۱) اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۶۰۳ و ۶۰۷ (حدیث ۱۱۲۲ و ۱۱۲۹ و ۱۱۳۰) تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد تقی آیت اللّٰہی، ص ۸۳۔ کتاب الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۲۔

اس طرح سے فقہاء کے فتوؤں اور نظریوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے متوکل کو مجبوراً امامؑ سے استفتاء کرنا پڑا۔ امامؑ کے سامنے مسئلہ کو بیان کیا۔ امامؑ نے جواب دیا "اسے اتنے کوڑے لگائے جائیں کہ وہ مر جائے۔"

امامؑ کے اس فتوے کی یحییٰ بن اکثم اور دوسرے فقہاء نے سخت مخالفت کی اور کہا یہ فتویٰ قرآن مجید کی کسی بھی آیت میں موجود نہیں ہے اور انھوں نے متوکل سے درخواست کی کہ وہ امامؑ کو ایک خط لکھ کر اس فتوے کا مدرک دریافت کرے متوکل نے امامؑ کو موضوع سے آگاہ کیا۔ امامؑ نے جواب میں بسم اللہ کے بعد تحریر فرمایا:

"فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِيْنَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ"(۱)

جب انہوں نے خدا کے قہر اور اس کی قدرت کو دیکھا تو کہا: ہم خدائے یکتا پر ایمان لائے اور بتوں اور ان عناصر کے کہ جنہیں خدا کا شریک قرار دیا تھا منکر ہو گئے۔ لیکن ہمارا قہر اور قدرت دیکھنے کے بعد ان کا ایمان لانا ان کے لئے مفید نہیں، یہ خدا کی سنت اور اس کا حکم ہے کہ جو اس کے بندوں کے درمیان جاری ہے، اور ایسے حالات میں باطل کی پیروی کرنے والے گھاٹے میں رہ گئے۔"

متوکل نے امامؑ کے استدلالی جواب کو قبول کر لیا اور حکم دیا کہ زنا کار کی حد امامؑ کے فتوے کے مطابق جاری کی جائے۔ (۲) امامؑ نے اس آیت کو ذکر کر کے انہیں یہ سمجھا دیا کہ جس طرح سے مشرکوں کا ایمان لانا انہیں خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکا اسی طرح اس

(۱) سورۂ غافر ۸۴-۸۵۔ (۲) وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی، ج۱۸، ص۴۰۸، (۳۶ من ابواب حد الزنا)۔ حیاۃ الامام المہدی: باقر شریف القرشی، ص۲۴۰۔

مسیحی کا اسلام لانا بھی اس کی حد کو ساقط نہیں کر سکتا۔

۲۔ متوکل کی نذر

ایک دن متوکّل بیمار پڑا اور اس نے یہ نذر مانی کہ اگر اسے شفا حاصل ہو جائے تو راہ خدا میں کثیر تعداد میں دینار (سونے کے سکّے) صدقہ دیگا، جس وقت وہ شفایاب ہوا تو اس نے فقہاء کو جمع کر کے پوچھا کہ میں کتنے دینار صدقہ دونگا کہ جو "کثیر" سمجھا جائے؟ فقہاء نے اس سلسلہ میں مختلف جوابات دئے، متوکّل نے مجبور ہو کر امام ہادیؑ سے دریافت کیا، امامؑ نے جواب دیا کہ ۸۳ر دینار صدقہ دو، فقہاء نے امامؑ کے اس فتوے پر تعجب کا اظہار کیا اور متوکّل سے کہا، کہ ان سے پوچھو کہ کس مدرک کی بنیاد پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے؟

متوکل نے امامؑ کو موضوع سے باخبر کیا۔ امامؑ نے فرمایا: خداوند قرآن مجید میں فرماتا ہے "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ (۱) خدا نے کثیر مقامات پر تمہاری (مسلمانوں کی) مدد کی اور ہمارے تمام خاندان والوں نے یہ روایت کی ہے رسول اکرمؐ کے دور میں ہونے والی جنگوں کی تعداد ۸۳ر تھی۔ (۲)

امامؑ اور عقیدتی مکاتب

امام ہادیؑ کے دور میں "معتزلہ" اور "اشاعرہ" جیسے متعدد عقیدتی مکاتب فکر رائج ہو گئے تھے اور بہت سے کلامی نظریے اسلامی سماج میں پیدا ہو گئے تھے خدا کو دیکھنا ممکن ہے یا نہیں، خدا جسم رکھتا ہے یا نہیں نیز جبر و تفویض جیسی بہت سی بحثوں کا بازار بہت گرم تھا۔ اس جہت سے کبھی کبھی امامؑ کو ایسے سوالات کا سامنا ہوتا تھا کہ جن کا سرچشمہ اس قسم کے

---

(۱) سورۂ توبہ ۲۵۔
(۲) تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، ص ۳۶۰۔ حیاۃ الامام الہدی: باقر شریف القرشی، ص ۲۴۰۔

نظریات ہوتے تھے۔ باطل نظریوں کا اس راہ سے شیعی محفلوں میں داخل ہو جانا اس بات کی ضرورت میں اضافہ کر رہا تھا کہ امام شیعوں کی فکری حوالے سے رہبری اور رہنمائی کریں۔ لہٰذا دسویں امام اپنے مناظروں اور خط و کتابت کے ذریعہ سے جبر اور خدا کے مجسم ہونے جیسے باطل مکاتب اور نظریوں کے بے بنیاد ہونے کو اپنے روشن استدلالوں اور محکم دلیلوں کے ذریعہ سے ثابت کرتے اور اسلام کے اصلی مکتب کو ہر قسم کی تحریف اور باطل تفکر سے جدا کر کے سماج میں پیش کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی علمی عظمت کا ایک جلوہ تھا۔ (۱)

امامؑ کی علمی زندگی کے مطالعے اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کے اکثر مناظرے اس قسم کے موضوعات کے بارے میں تھے اور اس سلسلے میں آپ سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جو شیعی عقائد کی برتری کو واضح طریقہ سے ثابت کرتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر امامؑ کے اس مفصّل خط کا نام لیا جا سکتا ہے کہ جو آپ نے اہواز کے لوگوں کے جواب میں ''جبر'' اور ''تفویض'' کے موضوع پر لکھا۔ اور اس خط میں آپ نے اپنے روشن بیان اور محکم استدلال کے ساتھ صحیح نظریہ کو کہ نہ جبر ہے اور نہ تفویض، ثابت کیا ہے۔ (۲)

غالیوں سے مقابلہ

امام علی نقی علیہ السلام کے دور میں جو باطل اور منحرف گروہ سرگرم تھے انہیں میں سے ایک غالیوں کے گروہ کا نام لیا جا سکتا ہے کہ جو بے بنیاد، کھوکھلے اور پست عقائد و افکار کے حامل تھے اور خود کو شیعہ ظاہر کرتے تھے وہ امامؑ کے متعلق افراط سے کام لیتے تھے اور آپ کو خدا سمجھتے تھے اور کبھی کبھی وہ یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ انہیں امامؑ نے منصوب کیا ہے اور اس طرح

---

(۱) حیاۃ الامام الہدی: باقر شریف القرشی، ص ۱۳۰۔ احتجاج: طبری، ص ۲۴۹

(۲) تحف العقول: حسن بن علی بن شعبہ، ص ۴۵۸، ۴۷۵۔

سے وہ دوسرے فرقوں کے درمیان شیعوں کی رسوائی کا سبب بنتے تھے۔ امام ہادیؑ نے اس گروہ سے دوری اختیار کی اور ان کے خلاف جنگ کرتے تھے اور اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ انہیں مردود قرار دیا جائے تا کہ شیعیت کے دامن پر ذلت کا داغ نہ لگ سکے۔

شاید یہ کہنا صحیح ہو کہ، ان کے اندر امام کی الوہیت کا عقیدہ اور دوسرے بے بنیاد عقائد درج ذیل امور کی بنیاد پر وجود میں آئے:

الف: آپ سے ظاہر ہونے والی کرامتیں، غیب کے متعلق علم، اور دوسرے وہ خارق العادۃ امور کہ جنہیں وہ لوگ دیکھتے تھے اور ان میں اس قسم کے مسائل کے متعلق صحیح اور محکم توجیہ اور تحلیل کی قدرت نہ تھی، اور وہ انہیں اپنی بدعتوں، خرافات اور غیر اسلامی افعال کے لئے دستاویز قرار دیتے تھے۔

ب: یہ منحرف گروہ یہ چاہتا تھا کہ تمام اسلامی حدود و ضوابط اور قیود کو پاؤں تلے روند کر اپنی خواہشات اور ہوی وہوس کے مطابق عمل کریں۔

ج: وہ لوگ، لوگوں کے اموال پر نظریں جمائے ہوئے تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جو رقومات شیعہ ائمہ معصومینؑ کی خدمت میں لاتے ہیں وہ ان کو اپنے چنگل میں لے سکیں۔

بہر حال یہ ایک خطرناک اور گمراہ کن گروہ تھا کہ جس کے سربراہ درج ذیل افراد جیسے لوگ تھے:

۱۔ علی بن حسکہ قمی،

۲۔ قاسم یقطینی،

۳۔ حسن بن محمد بن بابای قمی،

۴۔ محمد بن نصیر فہری،

۵۔ فارس بن حاتم۔

نمونہ کے طور پر علی بن حسکہ کے عقائد یہ تھے:

الف: امام علی نقیؑ، خدا، خالق اور عالم ہستی کے مدبر ہیں۔

ب: ابن حسکہ نبی اور امامؑ کی جانب سے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

ج: حج، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ جیسے دوسرے کوئی بھی اسلامی فرائض واجب نہیں ہیں(۱)

دسویں امامؑ اپنے ان خطوط اور جوابات میں کہ جو اس سلسلے میں شیعوں کی طرف سے کئے جانے والے سوالات کے جواب میں تحریر ہوتے تھے اس گروہ کو کافر اور منحرف بتایا ہے اور اپنے شیعوں کو ان سے دوری اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے۔ امامؑ نے ابن حسکہ اور اس کے باطل عقائد کے بارے میں اپنے ایک شیعہ کے سوال کے جواب میں اس طرح لکھا:

''ابن حسکہ نے جس پر خدا کی لعنت ہو۔ جھوٹ کہا ہے، میں اس کو اپنا دوست اور مطیع نہیں سمجھتا۔ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا اس پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم پروردگار نے محمدؐ اور ان سے پہلے آنے والے پیغمبروں کو توحید پرستی کے مذہب کی طرف دعوت دینے اور نماز زکوٰۃ، حج اور ولایت کا حکم دینے کے علاوہ اور کسی چیز کے لئے نہیں بھیجا۔ ہم اس کے جانشین بھی خدا کے بندے ہیں اور ان کا شریک قرار نہیں دیتے۔ اگر ہم اس کی اطاعت کریں گے تو اس کی رحمت ہمارے شامل حال ہوگی۔ اور اگر اس کے حکم کی نافرمانی کریں گے تو اس کے عذاب میں گرفتار ہونگے، ہماری طرف سے خدا پر کوئی حجت نہیں ہے بلکہ خدا ہے کہ

(۱) حیاۃ الامام المہدی: باقر شریف القرشی، ص ۳۳۵۔

جس کی طرف سے ہم پر اور اس کی تمام مخلوقات پر حجت ہے۔

جو شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے میں اس سے بے زاری چاہتا ہوں اور اس قسم کی باتوں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ تم بھی ان سے دوری اختیار کرو اور ان پر سختی کرو اور دباؤ ڈالو، اور اگر ان میں سے کسی تک تمہاری دسترس ہو جائے تو اس کا سر پتھر سے پھوڑ دو۔" (۱)

(۱) اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۵۱۹، حدیث ۹۹۷۔ وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی، ج ۱۸، کتاب الحدود، [illegible]ب حد المحارب، باب ۷، ص ۵۵۴۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

آپ کے مختصر حالات زندگی

شیعوں کے گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔(۱) آپ کے والد دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ پارسا اور لائق خاتون جناب "حدیثہ" ہیں۔(۲) آپ کو بعض لوگ "سوسن" کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔(۳) یہ بافضیلت خاتون اسلامی فکر کی مالک اور نیک اعمال انجام دینے والی عورتوں میں سے تھیں۔ آپ کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد اس بحرانی اور پُر اضطراب دور میں آپ شیعوں کی پناہ گاہ اور مرکز اعتماد تھیں۔(۴)

چونکہ گیارھویں امام عباسی خلیفہ کے حکم سے "سامرہ" میں "عسکر" نامی ایک محلہ میں

....

(۱) الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج۱، ص۵۰۳۔ الارشاد: شیخ مفید، ص۳۳۵۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ص۴۲۲۔ اِعلام الوریٰ: طبرسی، ص۳۶۷۔ مسعودی اور علی بن عیسیٰ الاربلی نے آپ کی ولادت ۲۳۱ھ میں تحریر کیا ہے۔

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص۳۳۵۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص۳۶۶۔

(۳) الاصول من الکافی، ص۵۰۳۔ کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ اربلی، ص۱۹۲۔

(۴) الانوار البھیۃ: شیخ عباس قمی، ص۱۵۱۔

(مجبوراً) قیام پذیر تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو "عسکری" کہا جاتا ہے۔(۱)

آپ کے دوسرے مشہور القاب "نقی" اور "زکی" (۲) ہیں۔ اور آپ کی کنیت "ابو محمد" ہے آپ کی عمر ۲۲/سال تھی کہ آپ کے والد کی شہادت واقع ہوئی۔ آپ کی امامت کی مدت ۶/سال ہے اور آپ کی کُل عمر ۲۸/سال تھی آپ ۲۶۰ھ میں شہید ہوئے اور سامرہ میں واقع اپنے گھر میں اپنے والد کی قبر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ (۳)

آپ کے دور کے خلفاء

امام حسن عسکریؑ کی امامت کی مختصر مدت میں تین عباسی خلفاء تھے جن میں سے ہر ایک دوسرے سے زیادہ ظالم تھا، وہ تین خلفاء یہ ہیں:

۱۔ المعتز باللہ (۲۵۲۔۲۵۵ھ)☆

۲۔ المھتدی باللہ (۲۵۵۔۲۵۶ھ)

۳۔ المعتمد باللہ (۲۵۶۔۲۷۹ھ)

آپ کے دور کے سیاسی واجتماعی حالات

جیسا کہ ہم نے امام جعفر صادقؑ کی زندگی سے لے کر امام علی نقی علیہ السلام تک دیکھا کہ عباسی خلفاء ہمارے ائمہ معصومینؑ پر کسی قسم کے فشار اور پابندیوں کے عائد کرنے سے

(۱) علل الشرائع: شیخ صدوق، ج۱، باب ۱۷۶، ص ۲۳۰۔ نیز معانی الاخبار: شیخ صدوق، ص ۶۵۔

(۲) دلائل الامامۃ: ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ص ۲۲۳۔

(۳) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۴۵۔ الاتحاف بحب الاشراف: شیخ عبداللہ الشبراوی، ص ۱۷۴۔۱۷۹۔

☆ بریکٹ میں مذکور سال خلفاء کا عہد حکومت ہے۔

پرہیز نہیں کرتے تھے، اور سامرہ میں امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے دور میں یہ فشار اپنے اوج پر پہنچ گئے۔ یہ فشار اور پابندیاں اتنی شدید تھیں کہ ہمارے تین ائمہ کو جوان کے مرکز حکومت (سامرہ) میں زندگی گذارتے تھے۔ مختصر عمر میں جام شہادت نوش فرمانا پڑا۔ امام جوادؑ ۲۵ رسال کی عمر میں امام ہادیؑ ۴۱ رسال کی عمر میں اور امام حسن عسکریؑ ۲۸ رسال کی عمر میں شہید ہوئے کہ جو کل ملا کر ۹۲ رسال کی مدت ہوتی ہے۔ اور اس سے آپ پر وارد ہونے والے فشار اور مصائب کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن اس دوران امام حسن عسکریؑ کے دور میں عائد کی جانے والی پابندیوں اور فشار گذشتہ دو اماموں کے دور سے زیادہ تھیں کہ جس کی دو علتیں تھیں:

۱۔ امام حسن عسکریؑ کے دور میں شیعہ ایک بڑی قدرت کی صورت میں ابھرے تھے اور سبھی یہ بات جانتے تھے کہ یہ گروہ خلفاء وقت پر معترض ہے اور کسی بھی عباسی خلیفہ کی حکومت کو قانونی اور شرعی نہیں سمجھتا ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ الٰہی حکومت علیؑ کے فرزندوں (کے ہاتھوں) میں باقی ہے اور اس دور میں اس خاندان کی ممتاز شخصیت امام حسن عسکریؑ تھے وزیر "عبیداللہ" کا اعتراف شیعوں کی قدرت پر گواہ ہے۔

امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد آپ کا بھائی "جعفر کذاب" عبیداللہ کے پاس گیا اور کہا: میرے بھائی کا منصب مجھے دیدو میں اس کے عوض ہر سال تم کو بیس ہزار دینار دونگا وزیر اس سے چلا کر بولا: احمق! خلیفہ نے ان لوگوں کے خلاف کہ جو تمہارے بھائی اور باپ کو امام سمجھتے ہیں اس قدر تلوار چلائی تا کہ انہیں اس عقیدہ سے منحرف کر سکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور جتنی بھی کوشش کی اسے کامیابی نہ ملی۔ اب اگر تم شیعوں کی نظر میں امام ہو تو تمہیں خلیفہ اور غیر خلیفہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور اگر ان کی نظر میں تم امام نہیں

ہوتو اس راہ میں ہماری کوشش کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوگا۔(۱)

۲۔ عباسی خاندان کے لوگ اور ان کے مطیع افراد متواتر روایات کے ذریعہ سے یہ جانتے تھے کہ مہدی موعود کہ جو تمام ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کرنے والا ہے، امام حسن عسکریؑ کی نسل سے ہوگا۔ اسی بناء پر ہمیشہ وہ آپ کی زندگی کے حالات کے بارے میں ہوشیار رہتے تھے تا کہ آپ کے فرزند کو اپنے چنگل میں لے کر نابود کرسکیں۔ (جس طرح سے فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کو نابود کرنے کی غرض سے بیہودہ کوششیں کی تھیں) مذکورہ دلائل کی بناء پر گیارہویں امام پر غیر معمولی گھٹن اور دباؤ حکم فرما تھا اور ہر طرف سے آپ پر کنٹرول تھا اور آپ حکومت کے زیر نظر تھے۔ عباسی حکومت امامؑ کے نفوذ اور آپ کے اہم اجتماعی مقام سے اس قدر خوفزدہ تھی کہ اس نے امامؑ کو ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کو دربار میں حاضر ہونے پر مجبور کردیا تھا۔(۲)

عباسی دربار آپ سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ اس نے صرف اسی پر اکتفانہیں کی بلکہ

....

(۱) کشف الغمۃ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج ۳، ص ۱۹۷۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب ج ۴، ص ۴۲۲۔ الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۵۰۳۔ الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۳۸۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۳۷۶۔

(۲) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۳۴۔ دلائل الامامۃ: محمد بن جریر طبری، ص ۲۲۶۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۵۰، ص ۲۵۱۔

البتہ خلیفہ کی گندی نیت کے باوجود جب بھی امامؑ باہر نکلتے تھے تو آپ کی زیارت کے مشتاق ہزاروں افراد آپ کے راستہ میں جمع ہوجایا کرتے تھے اور خوشی سے ایسا شور وغل برپا ہوتا تھا کہ ان کے مجمع کی وجہ سے تمام راستے بند ہوجایا کرتے تھے! اور صرف امامؑ کو دیکھتے ہی ان کی صدائیں بند ہوجاتی تھیں اور حضرت کے لئے راستہ کھول دیتے تھے اور امامؑ کے گزر جانے کے بعد دوبارہ حالات معمول کے مطابق ہوجایا کرتے تھے۔ (مذکورہ تینوں ماخذ کے علاوہ، غیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۹

"معتز" نے امامؑ کو گرفتار کر کے زندان بھیج دیا۔(۱) یہاں تک کہ اس نے "سعید حاجب" کو حکم دیا کہ امامؑ کو کوفہ کی طرف لے جائے اور راستہ میں انہیں قتل کر دے لیکن تین دن کے بعد ترکوں نے خود اس کو قتل کر دیا۔ (۲)

اس کے بعد "مہتدی" نے بھی امامؑ کو گرفتار کیا اور زندان بھیج دیا اور وہ حضرت کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا کہ خدا نے اسے مہلت نہ دی اور ترکوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر ڈالا۔ (۳)

امامؑ کی سرگرمیوں کے مختلف پہلو

ان تمام پابندیوں، فشار اور عباسی حکومت کی بے وقفہ نگرانیوں کے باوجود امام حسن عسکریؑ اسلام کی حفاظت اور غیر اسلامی افکار سے جنگ کرنے کی راہ میں بہت سی سیاسی، علمی اور اجتماعی خدمات انجام دیتے تھے کہ اس طرح سے خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ دین اسلام سے دفاع کی راہ میں علمی کوششیں کرنا اور مخالفین کے اعتراضات اور شبہات کا جواب دینا۔

۲۔ مختلف علاقوں میں رہنے والے شیعوں سے رابطہ برقرار رکھنے کے لئے اپنے نمائندوں کو معین کرنا، قاصدوں کو بھیجنا اور اپنے پیغامات روانہ کرنا۔

۳۔ عباسی حکومت کی جانب سے تمام پابندیوں کے باوجود پوشیدہ طور پر سیاسی سرگرمیاں۔

۴۔ شیعوں بالخصوص اپنے خاص اصحاب کی مالی اعتبار سے حمایت اور پشت پناہی کرنا۔

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۱۱
(۲) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۱۳
(۳) کتاب الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۱۳۴۔

۵۔ مشکلات کے وقت میں اہم شیعہ افراد کو سیاسی دلائل سے باخبر کرنا اور انہیں تقویت عطا کرنا۔

۶۔ شیعوں کو اپنے فرزند (بارہویں امام) کی غیبت کے لئے آمادہ کرنا۔

اب ہم ان تمام سرگرمیوں کے متعلق الگ الگ وضاحت کرتے ہیں:

ا۔ آپ کی علمی کوششیں

اگر چہ حالات کے سازگار نہ ہونے اور عباسی حکومت کی جانب سے بہت زیادہ پابندیوں کی وجہ سے اپنے وسیع علم کو پورے سماج کی سطح پر پھیلانے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن اس کے باوجود اسی گھٹن اور فشار کے ماحول میں بھی آپ نے ایسے شاگردوں کی تربیت کی کہ جن میں سے ہر ایک اسلامی معارف کو نشر کرنے اور دشمنوں کے شبہوں کو دور کرنے کی راہ میں اپنی جگہ پر موثر کردار ادا کرتا تھا۔

شیخ طوسیؒ آپ کے شاگردوں کی تعداد سو۱۰۰ر سے زیادہ ثابت کرتے ہیں (۱) کہ جن کے درمیان، احمد بن اسحاق اشعری قمی، ابو ہاشم داؤد بن قاسم جعفری، عبداللہ بن جعفر حمیری، ابوعمرو عثمان بن سعید عمری، علی بن جعفر و محمد بن حسن صفّار جیسے روشن چہرے، برجستہ شخصیتیں اور تربیت یافتہ افراد دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جن کی کوششوں اور خدمات کی شرح اس کتاب کی وسعت سے باہر ہے اور ان کی پر افتخار اور نصیحت آمیز زندگی کو علم رجال کی کتابوں میں پڑھنا ہوگا۔

ان شاگردوں کی تربیت کے علاوہ کبھی کبھی مسلمانوں کے سامنے ایسی مشکلات پیش آتی تھیں کہ جن کو حضرت امام حسن عسکریؑ کے علاوہ اور کوئی حل نہیں کر سکتا تھا ایسے موقعوں

---

(۱) رجال، ص ۴۲۷ر کے بعد سے۔

پر امام اپنے علم امامت اور غیر معمولی تدبیر کے ذریعہ سے مشکل کو حل کرتے تھے اس سلسلے میں ہم صرف ایک نمونہ کو ذکر کرتے ہیں:

راہب کی مٹھی کھلتی ہے!

ایک سال سامرہ میں شدید قحط پڑا، خلیفۂ وقت ''معتمد'' نے لوگوں کو نماز استسقاء (طلب بارش) پڑھنے کا حکم دیا، لوگ پے در پے تین دن تک نماز پڑھنے کے لئے گئے اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے لیکن بارش نہیں ہوئی۔ چوتھے دن، ''جاثلیق'' نامی عیسائیوں کا بزرگ پادری، مسیحیوں اور راہبوں کے ساتھ صحرا میں گیا، ان میں سے ایک راہب جب بھی اپنا ہاتھ دعا کے لئے بلند کرتا تھا فوراً شدید بارش نازل ہو جاتی تھی دوسرے دن بھی جاثلیق نے ایسا ہی کیا اور اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کو مزید بارش کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور یہ امر لوگوں کے تعجب اور بہت سے مسلمانوں کے درمیان شک وشبہ اور مسیحیت کی طرف رغبت کا سبب بن گیا۔ خلیفہ اس بات سے غمگین ہوا اور مجبور ہو کر امام کو بلایا کہ جو اس وقت زندان میں تھے اور کہا: اپنے جد کی امت کو نجات دو کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں!۔

امامؑ نے فرمایا: جاثلیق اور راہبوں سے درخواست کرو کہ وہ کل سہ شنبہ کو صحرا کی طرف جائیں۔ خلیفہ نے کہا: لوگ اب بارش کی خواہش نہیں کر رہے ہیں چونکہ کافی مقدار میں بارش ہو چکی ہے لہٰذا اب دوبارہ صحرا میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اس لئے کہ میں انشاء اللہ شک وشبہ کو دور کرسکوں۔

خلیفہ نے حکم دیا اور مسیحیوں کے رہنما راہبوں کے ساتھ سہ شنبہ کو صحرا کی طرف گئے امام حسن عسکریؑ بھی لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ صحرا میں گئے اس وقت مسیحیوں اور راہبوں نے بارش کو طلب کرنے کے لئے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے فوراً آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش نازل ہو گئی امامؑ نے ایک راہب کے ہاتھ کو پکڑ لینے کا حکم دیا اور کہا

کہ اس کی انگلیوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے نکال لو۔ تب اس کی انگلیوں کے درمیان کالے رنگ کی ایک ہڈی پائی گئی، امامؑ نے اس ہڈی کو لے کر ایک کپڑے میں لپیٹا اور راہب سے فرمایا: اب بارش کی دعا کرو۔ راہب نے پھر اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ لیکن اس بار اس کے برخلاف ہوا اور بادل چلے گئے، خورشید ظاہر ہو گیا! لوگ تعجب میں پڑ گئے۔ خلیفہ نے امامؑ سے پوچھا: یہ کیسی ہڈی ہے؟

امامؑ نے فرمایا: یہ کسی الٰہی پیغمبر کی ہڈی ہے کہ جسے پیغمبر کی قبر سے نکال کر لائے ہیں اور کسی بھی پیغمبر کی ہڈی جب ظاہر ہوتی ہے تو بارش نازل ہوتی ہے۔ خلیفہ نے امامؑ کی تعریف کی۔ ہڈی کو پرکھا گیا اور امامؑ کی بات کی تصدیق ہوئی۔

یہ واقعہ اس بات کا سبب بنا کہ امامؑ کو زندان سے رہا کر دیا جائے اور لوگوں کی نظر میں آپ کے احترام میں اضافہ ہو۔ ایسی صورت میں امامؑ نے وقت سے فائدہ اٹھایا اور خلیفہ سے اپنے ان دوستوں کی رہائی کے لئے درخواست کی کہ جو آپ کے ساتھ زندان میں تھے۔ خلیفہ نے حضرت کی درخواست کو قبول کر لیا۔ (۱)

۲۔ شیعوں کے ساتھ ارتباط کے لئے وکیلوں کی تقرری

امام حسن عسکریؑ کے دور میں شیعہ مختلف علاقوں اور متعدد شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور بہت سے نقاط پر جمع تھے۔ کوفہ، بغداد، نیشاپور، قم، آبہ (آوہ) مدائن خراسان، یمن، ری، آذربائیجان، سامرہ، جرجان اور بصرہ جیسے شہر اور علاقے شیعوں کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ ان علاقوں میں سے قم، بغداد، سامرہ، کوفہ اور نیشاپور کو بعض اسباب کی بناء پر خاص اہمیت حاصل تھی۔ (۲)

....

(۱) نورالابصار: شبلنجی، ص ۱۶۷۔ الصواعق المحرقہ: ابن حجر الھیتمی، ص ۲۰۷

(۲) حیاۃ الامام العسکری: شیخ محمد جواد طبسی، ص ۲۲۳۔۲۲۶۔ نیز تاریخ الشیعۃ: الشیخ محمد حسین المظفر، صفحات: ۶۲، ۷۸، ۱۰۲۔

شیعہ آبادی کے مراکز میں وسعت اور پراکندگی اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ ایک ایسے منظم ادارہ کا ہونا ضروری ہے کہ جو انہیں ایک طرف سے مرکز امامت سے جوڑے رکھے اور دوسری طرف آپس میں ایک دوسرے سے مرتبط رکھے اور اس طریقہ سے ان کی دینی اور سیاسی لحاظ سے رہبری کرے اور انہیں منظم رکھے۔ نویں امام کی زندگی سے ہی یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جیسا کہ آپ کی اور دسویں امام کی سیرت کے بیان میں وضاحت کی گئی۔ مختلف علاقوں میں اسی سسٹم کو برقرار کرنے کی غرض سے اسی دور سے مختلف علاقوں میں نمائندوں کو منصوب کر کے اور وکالت کے ذریعہ رابطہ برقرار رکھنے کا کام انجام دیا جا رہا تھا۔

یہ پروگرام امام حسن عسکریؑ کے دور میں بھی جاری رہا آپ نے شیعوں کے درمیان سے بزرگ شخصیتوں اور درخشاں چہروں کو چن کر متعدد علاقوں میں اپنا نمائندہ منصوب کیا اور ان سے رابطہ رکھا، اس طرح سے وہ تمام علاقوں کے شیعوں پر نظر رکھتے تھے۔

انہیں نمائندوں میں سے ''ابراہیم بن عبدہ'' کا نام لیا جا سکتا ہے کہ جو نیشاپور میں آپ کے نمائندے تھے امامؑ ''اسحاق بن اسماعیل'' کے نام ایک خط تحریر فرماتے ہیں کہ جس میں امت مسلمہ کی ہدایت کے لئے امامت کے کردار کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کے بعد اماموں کی اطاعت کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتے ہیں اور امام کے حکم کی نافرمانی سے تنبیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''.... اے اسحاق! میں نے تم کو ابراہیم بن عبدہ کے پاس اس غرض سے بھیجا ہے تا کہ وہ ان باتوں پر عمل کرے کہ جو میں نے اسے محمد بن موسیٰ نیشاپوری کے ذریعہ سے خط میں لکھ کر بھیجی ہیں۔ تم اور تمہارے شہر میں رہنے والے تمام افراد کا وظیفہ ہے کہ وہ اس خط کے مطابق عمل کریں۔

ابراہیم بن عبدہ میرے اس خط کو سب کو پڑھ کر سنائیں تاکہ کسی کے لئے کوئی ابہام اور سوال کی گنجائش باقی نہ رہے..... خدا کی طرف سے تم پر ابراہیم بن عبدہ پر اور ہمارے تمام اطاعت کرنے والے جو شہر میں رہتے ہیں انھوں نے اس خط کو پڑھا اور اس علاقے کے وہ تمام افراد کہ جنہوں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مالی حقوق ابراہیم بن عبدہ کے سپرد کریں۔ اور وہ انکو "رازی"(۱) کے حوالے کریں یا "رازی" جس کو دینے کا حکم دیں۔ اور یہ میرا حکم ہے......"(۲)

اس خط کے ذریعہ سے شیعوں کے مالی وجوہات کی جمع آوری کے علاوہ جو تشیع کی اقتصادی حالت کو استحکام اور تقویت عطا کرنے کی راہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کے نمائندوں کا مراتب کے اعتبار سے ایک سلسلہ تھا اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ علاقے کی ذمہ داری تھی۔ اور تمام رقومات کو جمع کرنے کے بعد ضروری تھا کہ آخر میں اصل وکیل کے حوالے کی جائے اور وہ امامؑ تک پہنچائے۔

"محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں: شیخ صدوق کے استاد احمد بن اسحاق قمی اشعری امام حسن عسکریؑ کے نمائندے تھے۔ جب امامؑ کا انتقال ہو گیا تو آپ امام زمانہؑ کے وکیل قرار پائے۔ حضرت کی طرف سے ان کے پاس خطوط آتے تھے اور وہ قم اور اس کے اطراف سے مالی حقوق اور رقومات کو جمع کر کے امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے تھے، (۳) احمد بن اسحاق

....

(۱) ظاہراً، احمد بن اسحاق رازی جو شہر رے کے رہنے والے ایک بزرگ شیعہ تھے اور امام حسن عسکریؑ ایک دوسرے نمائندہ تھے۔ حیاۃ الامام العسکری، شیخ محمد جواد طبسی، ص۳۳۲۔

(۲) اختیار معرفۃ الرجال (معروف بہ رجال کشی): شیخ طوسی، ص۵۷۵۔۵۸۰، حدیث ۱۰۸۸۔ بحار الانوار، ج ۵۰، ص۲۱۹۔۳۲۳۔

(۳) دلائل الامامۃ، ص۲۷۲۔

نے سونے اور چاندی کی ۱۶۰ تھیلیاں جو انہوں نے قم کے لوگوں سے وصول کیا تھا امام کی خدمت میں پیش کیا۔ (۱) اور اس سے ان رقومات کی خطیر مقدار کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے ایک اور وکیل "ابراہیم بن مہزیار" اہوازی کے پاس بیت المال کا بہت مال موجود تھا کہ جو اسے امام حسن عسکری تک پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے امام کی شہادت کے بعد جب ابراہیم بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹے محمد کو وصیت کی کہ وہ ان اموال کو حضرت صاحب الزمان کی خدمت میں پہنچائیں۔ انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو انجام دیا، اور اپنے باپ کی جگہ امام زمانہ کے نمائندے قرار پائے۔ (۲)

امام کے تمام وکیلوں میں سلسلہ مراتب کے اعتبار سے "محمد بن عثمان عمری" سب سے سرفہرست تھے اور دوسرے وکلاء ان کے ذریعہ سے امام سے رابطہ برقرار کرتے تھے۔ عموماً وہ اپنے جمع کئے ہوئے اموال اور وجوہات کو انہیں کے سپرد کرتے تھے اور پھر وہ انہیں امام کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ (۳)

امام کے قاصد اور خطوط

وکیلوں کی تقرری کے علاوہ امام اپنے قاصدوں کو بھیج کر بھی اپنے شیعوں سے رابطہ رکھتے تھے اور اس طریقہ سے آپ ان کی مشکلات کو برطرف کرتے تھے۔ اس سلسلے میں امام کے ایک قریبی دوست، ابوالأدیان کی خدمات کو بطور نمونہ نام لیا جا سکتا ہے۔ ☆ وہ امام کے

(۱) الاحتجاج: طبرسی، ص ۲۵۷۔ اصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱،
(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۵۱۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۳۴۵۔
ص ۵۱۸۔
(۳) اختیار معرفۃ الرجال: شیخ طوسی، ص ۵۳۲، حدیث ۱۰۱۵، بعد کو عمری امام زمانہ کی جانب سے بعنوان وکیل منصوب کیے گئے۔

☆ ابوالادیان بصری نے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں وفات پائی اور ان کی کنیت "ابوالحسن" بصری ......

خطوط اور پیغامات کو آپ کے شیعوں تک پہنچاتے تھے اور اسی طرح شیعوں کے خطوط، سوالات، ان کی مشکلات، خمس اور شیعوں کی طرف سے بھیجی جانے والی دوسری رقوم کو لے کر سامرہ میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔

ابو الادیان کو اس ذمہ داری کے لئے منتخب کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت اس کام کے لئے مخصوص افراد کو مقرر کرتے تھے۔

قاصدوں سے قطع نظر امامؑ اپنے خطوط کے ذریعہ بھی شیعوں سے رابطہ رکھتے تھے اور اس راہ سے انہیں اپنی ہدایت کے زیر سایہ قرار دیتے تھے۔

امامؑ کی طرف سے ''ابن بابویہ'' کے نام لکھا جانے والا خط کہ جس کا ذکر ہم اس بحث میں کریں گے جس میں امامؑ کی طرف سے اہم شیعہ افراد کی تقویت اور ان کی سیاست کی حمایت کو بیان کریں گے۔ ان خطوط میں سے ایک نمونہ ہے۔(۱) اس کے علاوہ امامؑ نے قم اور آبہ (آوہ) کے شیعوں کے نام بھی دو خطوط لکھے ہیں کہ جن کا مضمون ہماری کتابوں میں محفوظ ہے۔(۲)

دوسری مناسبتوں سے متعلق بھی چند خطوط ہمارے پاس موجود ہیں۔(۳)

ایک روایت کے مطابق امامؑ نے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں اپنی رحلت سے کچھ دیر

....

............انہیں ابو الادیان کے نام سے اس وجہ سے شہرت ملی چونکہ وہ دوسرے تمام دینوں کے پیرووں کے ساتھ مناظرہ کرتے تھے اور ان کا جواب دیتے تھے۔ (ریحانۃ الادب: محمد علی مدرس تبریزی، ج ۷، ص ۵۷)

(۱) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۲۵۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۵۰، ص ۳۱۷۔

(۲) بحار الانوار ج ۵۰، ص ۳۱۷۔

(۳) تحف العقول: حسن بن علی بن شعبہ، ص ۴۸۶۔

پہلے مدینہ کے لوگوں کے نام بہت سے خطوط لکھے۔(۱)

۳۔ امام حسن عسکریؑ کی پوشیدہ سیاسی سرگرمیاں

حکومت کی طرف سے تمام پابندیوں اور کنٹرول کے باوجود پوشیدہ طور پر سیاسی امور کے ایک سلسلہ کی رہبری فرماتے تھے اور ان کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ایسے ظریف طریقہ کا استعمال کرتے تھے کہ دربار کے جاسوسوں اور نگران لوگوں کی نظر سے دور رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہم دو مقامات کو بطور نمونہ ذکر کر سکتے ہیں۔

۱۔ ''عثمان بن سعید عمری'' جو امامؑ کے بہت ہی قریبی اور صمیمی دوستوں میں سے تھے۔(۲) آپ روغن فروشی کی آڑ میں کام کرتے تھے۔ امام حسن عسکریؑ کے شیعوں کو جو مال اور رقم امامؑ تک پہنچانی ہوتی تھی وہ اسے لاکر آپ کو دیدیتے تھے اور آپ اسے تیل کے ظروف اور مشکوں میں بھر کر امامؑ کی خدمت میں پہنچا دیتے تھے۔(۳)

۲۔ ''داؤد بن اسود'' جو امامؑ کے خدمت گذار تھے اور آپ کی ذمہ داری لکڑیوں کا جمع کرنا اور حمام کو گرم کرنا تھا۔ کہتے ہیں: ایک دن امامؑ نے مجھے بلایا اور مجھے دروازہ کی چوکھٹ جیسی موٹی، لمبی اور گول لکڑی دی اور کہا یہ لکڑی لے جاؤ اور اسے ''عثمان بن سعید'' کو دے دو۔ میں لکڑی لے کر روانہ ہوا، راستہ میں ایک پانی پلانے والے شخص سے میرا سامنا ہوا، اس کے خچر نے میرا راستہ روک دیا، تب اس سقا نے مجھ سے کہا کہ میں اس خچر کو دور کروں، میں نے لکڑی اٹھائی اور اس خچر کے ماردی لکڑی ٹوٹ گئی جب میں نے اس

....

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۳۱.

(۲) عثمان بن سعید کو غیبت صغریٰ کے دور میں بارہویں امامؑ کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا اور ہم انشاء اللہ بارہویں امام کے نمائندوں کی زندگی کے باب میں ان کے حالات زندگی بیان کریں گے۔

(۳) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۴۔

کے ٹوٹنے کی جگہ کو دیکھا تو میری نظر چند خطوط پر پڑی کہ جو اس لکڑی کے اندر تھے۔

میں نے جلدی سے اس لکڑی کو بغل میں دبایا اور وہاں سے پلٹ آیا اور اس شخص نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا......

جب میں امام کے دروازہ پر پہنچا، امام کا خادم "عیسیٰ" دروازے پر میرے استقبال کے لئے آیا اور کہا: "آقا کا کہنا ہے کہ تم نے کیوں خچر کو مار کر لکڑی توڑ دی؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس لکڑی کے اندر کیا ہے؟ امام نے کہا: کیوں ایسا کام کرتے ہو کہ جس کے بعد تمہیں عذر خواہی کرنی پڑے؟ آج کے بعد ایسا نہیں ہونا چاہئے اگر تم کسی کو مجھے گالی دیتے ہوئے (بھی) سنو تو تم اس سے بحث نہ کرو بلکہ اپنا راستہ اختیار کرو، ہم برے شہر اور برے دیار میں زندگی بسر کر رہے ہیں، تم فقط اپنا کام انجام دو اور یہ جان لو کہ تمہارے کاموں کی خبر مجھ تک پہنچتی ہے۔"(۱)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام اپنے خطوط، مکتوبات اور دوسری رازکی اسناد کو لکڑی کے درمیان جگہ بنا کر رکھتے تھے اور اسے عثمان بن سعید کے پاس بھیجتے تھے کہ جو آپ کے راز دار اور نہایت مورد اعتماد تھے۔ اور اس کام کو آپ نے اس شخص کے حوالے کیا تھا کہ لکڑیاں لانے کا خیال رکھنے اور اس قسم کے دوسرے کام کا ذمہ دار تھا کہ معمولاً ایسے افراد پر لوگ شک نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اس کی بے احتیاطی کے نتیجہ میں قریب تھا کہ یہ راز فاش ہو جاتا!

۴۔ شیعوں کی مالی پشت پناہی اور حمایت

امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک اور دستور یہ تھا کہ آپ شیعوں کی بالخصوص اپنے قریبی اور خاص دوستوں کی مالی امداد اور پشت پناہی فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی پر ایک نظر ڈالنے سے یہ مطلب اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ کبھی کبھی امام کے بعض اصحاب

---

(۱) مناقب آل ابی طالب۔ ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۲۷

آپ کے پاس آکر مالی پریشانی کی شکایت کرتے تھے اور آپ ان کی مالی دشواری کو دور فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کے اظہار کرنے سے پہلے ہی آپ ان کی مشکل کو برطرف کر دیتے تھے امامؑ کا یہ اقدام انہیں اس بات سے روکتا تھا کہ وہ مالی دباؤ کے نتیجہ میں عباسی ظالم حکومت کی طرف مائل ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں نمونہ کے طور پر چند موارد کا ذکر کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ''ابو ہاشم جعفری'' (۱) کا کہنا ہے: میں مالی اعتبار سے تنگی میں تھا میں نے چاہا کہ اپنی حالت کو خط کے ذریعہ سے امامؑ کے سامنے بیان کروں لیکن مجھے شرم آئی اور ایسا نہیں کیا۔ جب میں گھر پہنچا تو امامؑ نے میرے لئے سو دینار بھیجے اور ایک خط میں لکھا: ''جب بھی ضرورت ہو شرم نہ کرو، اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرو، ہم سے طلب کرو خدا چاہے گا تو تمہاری مراد پوری ہوگی۔ (۲)

۲۔ ایک سال ''ابو طاہر بن بلال'' کو حج کے لئے جانے کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے حج کے مراسم کے دوران دیکھا کہ ''علی بن جعفر''☆ نے بہت زیادہ مقدار میں

---

(۱) ابو ہاشم جعفری جعفر طیار کی نسل سے تھے (الانساب: سمعانی، ج۱، ص ۶۷) آپ بغداد کے رہنے والے تھے آپ شیعوں کے برجستہ اور اہم افراد میں سے تھے اور آپ کا شمار امام جوادؑ امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے بہت ہی صمیمی اصحاب میں ہوتا تھا اور ان کے نزدیک آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا (قاموس الرجال: محمد تقی شوشتری، ج ۴، ص ۲۵۵۔۲۵۸) آپ جو کہ ایک شجاع، آزاد اور بے باک انسان تھے ۲۵۲ھ میں بغداد میں گرفتار کئے گئے اور سامرہ کے زندان میں منتقل کردئے گئے۔ (تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، ج۸، ص ۳۶۹۔ الانساب: سمعانی، ج ۲، ص ۶۷)

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۴۳۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۳۹۔ الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۵۰۸۔

☆ علی بن جعفر امام ہادی اور امام عسکری علیہما السلام کے صمیمی، خاص دوستوں اور بہت زیادہ معتمد اصحاب میں سے تھے۔ اور ان دونوں اماموں کی خدمت میں تھے آپ امام ہادیؑ کی نمائندگی کے جرم میں متوکل عباسی کے ذریعہ گرفتار کئے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ گویا وہ مکہ ہی میں تھے کہ ابو طاہر نے ان کے خرچ اور خیرات کو دیکھا تھا۔ (الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۲۔ تنقیح المقال: مامقانی، ص ۵۲۳ و ۶۰۷۔

مال خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ جب وہ حج سے پلٹے تو انہوں نے امامؑ کو واقعہ سے باخبر کیا، امامؑ نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا: ''میں نے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ اسے ایک لاکھ دینار دے جائیں، پھر دوبارہ اتنی ہی مقدار اسے دینے کا حکم دیا لیکن اس نے میری حالت کی رعایت کرتے ہوئے یہ رقم قبول نہیں کی''۔ اس واقعہ کے بعد ''علی بن جعفر'' امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کے حکم سے تیس ہزار دینار آپ کو دئے گئے۔(۱)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ''علی بن جعفر'' حجاز میں بہت زیادہ مقدار میں رقومات تقسیم کیا کرتے تھے، اگر چہ روایت میں یہ نہیں ملتا کہ وہ ان کو کن لوگوں پر خرچ کرتے تھے۔ لیکن مال کی مقدار کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک وسیع اور باقاعدہ پروگرام تھا کہ جس سے شیعوں کی برجستہ اور بزرگ شخصیتیں، مجاہدین اور ضرورت مند افراد فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور یہ پروگرام امامؑ کی اطلاع کے مطابق اور ان کی ہدایت اور مالی حمایت کے ساتھ چلتا تھا۔

۵۔ اہم شیعہ افراد کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں سیاسی دلائل سے باخبر کرنا

امامؑ کی سب سے دلچسپ سرگرمی یہ تھی کہ آپ تشیع کے بلند مقاصد کی حمایت کی راہ میں شیعوں کی اہم شخصیتوں کو فشار اور سیاسی جنگوں کی سختیوں کے مقابلے میں حوصلہ عطا کرتے تھے اور ان کے لئے سیاسی توجیہ فرماتے تھے۔ چونکہ شیعوں کی عظیم ہستیاں بہت زیادہ فشار میں تھیں لہٰذا امامؑ موقع کی مناسبت سے ان میں سے ہر ایک کی رہنمائی کرتے تھے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور ان کی ہمت بڑھاتے تھے تا کہ سختیوں اور فقر و تنگدستی کے مقابلہ میں ان کے اندر صبر و تحمل کی طاقت میں اضافہ ہو اور وہ اپنی عظیم سیاسی اور اجتماعی ذمہ داری نیز دینی وظائف کو بخوبی انجام دے سکیں۔

---

(۱) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۲۔

''محمد بن حسن بن میمون'' کا کہنا ہے میں نے امام حسن عسکری کے نام ایک خط لکھا جس میں میں نے ان سے فقر وتنگدستی کی شکایت کی لیکن بعد میں خود اپنے دل میں کہا: کہ امام جعفر صادق نے کیا ایسا نہیں کہا تھا کہ: ہماری فقیری دوسروں کے ساتھ رہ کر طاقتور ہونے اور ہمارا قتل ہو جانا ہمارے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ امام نے جواب میں تحریر فرمایا:

''جب ہمارے دوستوں کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو خداوند انہیں فقر میں گرفتار کر دیتا ہے اور کبھی ان کے بہت سے گناہوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے جیسا کہ تم نے خود اپنے دل میں کہا ہے کہ ہمارا فقیر ہونا دوسروں کے ساتھ رہ کر مستغنی ہونے سے بہتر ہے جو لوگ ہمارے لئے پناہ کے لئے آئیں گے ہم ان کے لئے پناہ گاہ ہیں اور جو لوگ ہم سے ہدایت طلب کریں گے ہم ان کے لئے نور ہیں، ہم ان لوگوں کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ جو (گمراہی سے نجات حاصل کرنے کے لئے) ہمارا سہارا لیتے ہیں جو ہمیں دوست رکھے گا وہ (خدا سے تقرب) کے بلند درجہ پر ہمارے ساتھ ہوگا اور جو ہماری راہ پر چلنے والا نہ ہوگا وہ جہنم کی طرف جائے گا۔(۱)

اس سلسلہ میں دوسرا نمونہ امام حسن عسکری کا وہ خط ہے کہ جو آپ نے ''علی بن حسین بن بابویہ قمی'' جو شیعوں کے بڑے فقہاء میں سے تھے کے نام لکھا ہے امام اس خط میں کچھ ضروری ہدایتوں اور تاکیدوں کے بعد اس طرح سے یاددہانی کراتے ہیں:

''صبر کرو اور فَرَج کے منتظر رہو کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے، ہماری امت کے کاموں میں سے سب سے بہتر کام انتظار فرج ہے۔ ہمارے شیعہ ہمیشہ غم واندوہ میں ہونگے یہاں تک کہ میرا بیٹا (بارہویں امام) ظہور کرے وہی شخص کہ جس کے سلسلے میں رسولؐ خدا نے

(۱) مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۳۵۔ کشف الغمہ: علی بن عیسیٰ الاربلی، ج ۳، ص ۲۲۱۔

بشارت دی ہے کہ وہ آ کر زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح سے ظلم، جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ ایک عظیم مرد، اور میرے مورد اعتماد اور میرے فقیہ، صبر کرو اور میرے شیعوں کو صبر کرنے کا حکم دو! زمین خدا کی ہے اور اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہے اس کا وارث (حاکم) قرار دیگا۔ اچھی عاقبت پرہیز گار لوگوں کے لئے ہے۔ تم پر اور تمام شیعوں پر خدا کا سلام، اس کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ (۱)

۶۔ شیعوں کو غیبت کے دور کے لئے آمادہ کرنا

اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ کسی بھی گروہ کے امام اور رہبر کا غائب ہو جانا ایک غیر فطری اور غیر مانوس حادثہ ہے اور اس کا یقین کر لینا نیز اس سے پیدا ہونے والی مشکلات کو برداشت کرنا انسانیت کے لئے دشوار مسئلہ ہے۔ پیغمبرؐ اسلام اور ائمہ معصومینؑ آہستہ آہستہ لوگوں کو اس موضوع سے آشنا کراتے تھے اور لوگوں کی فکروں کو اس موضوع کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کرتے تھے امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور میں جس غیبت کا زمانہ نزدیک تھا یہ کوشش کچھ زیادہ محسوس طریقہ سے دیکھنے کو ملتی ہے۔ جیسا کہ امام ہادیؑ کی زندگی میں دیکھا کہ آپ معمولاً اپنے کاموں کو نمائندوں کے ذریعہ سے انجام دیتے تھے اور بہت کم خود وہ لوگوں سے براہ راست رابطہ رکھتے تھے۔

امام حسن عسکریؑ کے دور میں اس میں مزید اضافہ ہوا کیونکہ امامؑ ایک طرف تو امام مہدیؑ کی ولادت پر تاکید کرتے ہوئے آپ کو صرف اپنے خاص اور بہت ہی نزدیکی افراد کو دکھاتے تھے اور دوسری طرف شیعوں سے آپ کا براہ راست رابطہ روز بروز محدود اور کم ہوتا جارہا تھا اس طریقہ سے کہ خود شہر سامرہ میں بھی شیعوں کے سوالوں اور درخواستوں کا جواب خط یا نمائندوں کے ذریعہ دیا کرتے تھے اور اس طرح سے انہیں عصر غیبت اور امام

---

[۱] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۴۲۵۔

کے ساتھ غیر مستقیم رابطہ کے دور کے حالات اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرتے تھے۔

جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ یہ وہی طریقہ ہے کہ جسے بعد کو بارہویں امام نے غیبت صغریٰ کے دور میں اپنایا اور شیعوں کو آہستہ آہستہ غیبت کبریٰ کے لئے آمادہ کیا۔

حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

آپ کے مختصر حالات زندگی

بارہویں امام حضرت حجۃ بن الحسن العسکری عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ۱۵/شعبان المعظم ۲۵۵ھ کو شہر ''سامرہ'' میں پیدا ہوئے۔(۱) آپ رسول اکرمؐ کے ہمنام (م ح م د) ہیں اور آپ کے ہم کنیت (ابوالقاسم) بھی۔(۲) لیکن ہمارے ائمہ معصومینؑ نے آپ کے اصلی نام کو ذکر کرنے سے منع کیا ہے۔(۳)

آپ کے القاب حجت، قائم، خلف صالح، صاحب الزمان،(۴) بقیۃ اللہ (۵) ہیں اور سب سے مشہور لقب ''مہدی'' ہے۔(۶)

آپ کے والد گیارہویں امام حضرت حسن عسکریؑ ہیں اور آپ کی والدۂ گرامی کا نام

---

(۱) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۴۶۔ روضۃ الواعظین: فتال نیشاپوری، ص ۲۹۲۔ الاصول من الکافی: ثقۃ الاسلام کلینی، ج ۱، ص ۵۱۴۔ الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۱۴۱۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۴۱۸۔ مورخین نے آپ کی ولادت ۲۵۶ھ، ۲۵۷ھ، ۲۵۸ھ بھی تحریر کی ہے۔

(۲) الارشاد: شیخ مفید، ص ۳۴۶۔ اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۴۱۷۔ کشف الغمۃ: اربلی۔

(۳) کمال الدین: شیخ صدوق، ص ۶۴۸۔ الاصول من الکافی، ص ۳۳۲، ص ۲۲۷۔

(۴) اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۴۱۸۔

(۵) اثبات الوصیۃ: مسعودی، ص ۲۴۸۔

(۶) الفصول المہمۃ: ابن صباغ، ص ۳۱۰۔

''نرجس'' ہے کہ جنہیں ''ریحانہ''، ''سوسن'' اور ''صقیل'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔(۱) آپ کی فضیلت اور معنویت کی بلندی کا عالم یہ تھا کہ امام علی نقی علیہ السلام کی بہن جناب ''حکیمہ'' خود جو خاندان امامت کی ایک بلند مرتبہ خاتون تھیں آپ کو اپنے خاندان کی عالی قدر خاتون اور بزرگ کہتی تھیں اور خود کو آپ کا خدمت گزار بتاتی تھیں۔(۲)

غیبت صغریٰ و غیبت کبریٰ

حضرت امام مہدیؑ کی غیبت کے دو دور ہیں:- ۱۔غیبت صغریٰ۔ ۲۔غیبت کبریٰ۔

غیبت صغریٰ کا دور (گیارہویں امامؑ کی شہادت) ۲۶۰ھ سے ۳۲۹ھ (امامؑ کے آخری نائب کی رحلت کے سال) تک یعنی تقریباً ۶۹ ؍سال تھا۔غیبت صغریٰ کے دور میں امامؑ کا رابطہ شیعوں سے مکمل طور سے منقطع نہیں تھا اور وہ خاص طریقوں اور محدود راستوں سے امامؑ سے رابطہ رکھتے تھے اس طرح سے کہ اس پوری مدت کے دوران بعض معین افراد (کہ جن کا ذکر آئے گا) آپ کے نائب خاص ہونے کے عنوان سے آپ سے رابطہ رکھتے تھے اور ان کے ذریعہ سے آپ کے شیعہ اپنے مسائل اور مشکلات کو آپ تک پہنچاتے تھے اور ان ہی کے ذریعہ سے جواب پاتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی آپ کی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو جاتا تھا۔اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مدت میں امامؑ غائب بھی تھے اور غائب نہیں بھی تھے۔

---

(۱) کمال الدین: شیخ صدوق، ص ۴۳۲، بعض محققین معاصر کے نزدیک یہ احتمال ہے کہ آپ کا نام وہی ''نرجس'' ہو صقیل کے علاوہ آپ کے دوسرے نام امام جوادؑ کی بیٹی جناب حکیمہ نے آپ کو دئے ہونگے۔(ایک روایت کے مطابق وہ پہلے جناب حکیمہ کی کنیز تھیں) اس دور کے لوگ اپنی کنیزوں کو اچھے اچھے ناموں سے پکارتے تھے۔ اور نرجس، ریحانہ، سوسن سبھی پھولوں کے نام ہیں۔(تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد تقی آیت الٰہی، ص ۱۱۴۔

(۲) روضۃ الواعظین: فتال نیشاپوری، ص ۲۸۳۔کمال الدین: شیخ صدوق، ص ۴۲۷۔

اس دور کو شیعوں کے لئے غیبت کبریٰ کے لئے تیار ہونے کا دور سمجھا جا سکتا ہے کہ جس دور میں شیعوں کا رابطہ امامؑ سے اس حد تک بھی باقی نہ رہ گیا اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوا کہ وہ اپنے کاموں کے لئے آپ کے عام نائبین یعنی جامع الشرائط فقہاء اور احکام اسلامی سے آشنا افراد کی طرف رجوع کریں۔ اگر اچانک اور ناگہانی طریقے سے غیبت کبریٰ کا آغاز ہو جاتا تو یہ امکان تھا کہ یہ غیبت ان کے گمراہ ہو جانے کا باعث ہوتی اور ان کے ذہن اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ لیکن سابق اماموں کے ذریعہ سے غیبت کبریٰ کے لئے راہ ہموار کرنے کی تدبیروں کے علاوہ خود غیبت صغریٰ کی مدت کے دوران آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہن آمادہ ہو گئے اور پھر غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

اسی طرح سے غیبت صغریٰ کے دور میں آپ کے خاص نائبین کا آپ سے رابطہ ممکن ہونے اور بعض شیعوں کو آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہونے سے آپ کی ولادت اور حیات کا مسئلہ بھی اچھی طرح ثابت ہو گیا۔(۱)

غیبت صغریٰ کے تمام ہونے کے بعد غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا جو ابھی تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا آپ کو ظہور ہونے اور قیام فرمانے کی اجازت نہ دیگا۔ بارہویں امامؑ کی ان دو غیبتوں کے بارے میں آپ سے پہلے آنے والے اماموں نے آپ کی ولادت سے برسہابرس پہلے پیشین گوئیاں فرمائی تھیں اور اسی وقت سے راویوں اور محدثین کے ذریعہ سے حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اور محفوظ ہیں۔(۲)

غیبت کے سیاسی، اجتماعی اسباب

اس بات میں شک نہیں کہ الٰہی رہنماؤں کی رہبری کا مقصد لوگوں کو منزل کمال تک

(۱) المہدی: سید صدر الدین صدر، ص ۱۸۳۔

(۲) ینابیع المودۃ: شیخ سلیمان قندوزی، ج ۳، باب ۷۱، ص ۸۲۔ الغیبۃ: نعمانی، ص ۱۷۰-۱۷۳۔

ہدایت ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب لوگ اس الٰہی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے لئے آمادہ ہوں اور اگر لوگوں میں اس کے لئے زمین ہموار نہ ہوتو آسمانی رہنماؤں کے ان کے درمیان موجود ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

افسوس ہمارے اماموں بالخصوص امام محمد تقی علیہ السلام اور آپ کے بعد والے اماموں پر جو غیر معمولی دباؤ اور پابندیاں عائد ہوئیں۔ اس طرح سے کہ اس کے نتیجہ میں گیارہویں اور بارہویں امامؑ کی سرگرمیاں محدود ہو کر رہ گئیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سماج میں اماموں کی رہبری اور ہدایتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے (ضروری نصاب کی مقدار میں) زمین فراہم نہیں ہے۔ لہٰذا حکمت الٰہی یہ تقاضا کرتی تھی کہ بارہویں امام آنے والی تفصیل کے مطابق غیبت اختیار کریں یہاں تک کہ سماج میں ضروری آمادگی پیدا ہو جائے۔ البتہ غیبت کے تمام اسرار ہمارے لئے واضح نہیں ہیں لیکن جو نکتہ ہم نے بیان کیا ہے شاید ہی غیبت کا بنیادی راز ہو۔

غیبت کے اسباب کے متعلق ہماری روایات میں تین موضوعات کو بیان کیا گیا ہے:

الف۔ لوگوں کا امتحان

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ خدا کی ایک مستقل سنت اپنے بندوں کا امتحان لینا اور ان میں سے نیک اور پاک افراد کا انتخاب کرنا ہے زندگی ہمیشہ آزمائش اور امتحان کی منزل ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے بندگانِ خدا ایمان، صبر اور اوامر خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے نتیجہ میں تربیت پا کر کمال کی منزل تک پہنچ سکیں اور ان کی پوشیدہ صلاحیتیں کھل جائیں۔

حضرت امام مہدیؑ کی غیبت کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیا جاتا ہے جن لوگوں کے پاس مستحکم ایمان نہیں ہوتا ہے ان کا باطن الم نشرح ہو جاتا ہے اور شک وتذبذب میں

گرفتار ہو جاتے ہیں اور جن کے دلوں کی گہرائیوں تک ایمان اپنی جڑیں جمائے ہوتا ہے وہ آپ کے ظہور کے انتظار اور مشکلات میں پامردی کی وجہ سے مزید مستحکم اور لائق ہو جاتے ہیں اور اجر وانعام الٰہی کے بلند درجوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: ''جس وقت ہمارا پانچواں بیٹا غائب ہو تم اپنے دین کی حفاظت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوئی تمہارے دین سے خارج کر دے وہ حتمی غیبت اختیار کریگا اس طرح سے کہ بعض مومنین اپنے عقیدے سے پلٹ جائیں گے خداوند غیبت کے ذریعہ سے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے....(۱)

ب۔ امامؑ کی جان کی حفاظت

ذات احدیت نے غیبت کے ذریعہ سے بارہویں امامؑ کو قتل ہونے سے محفوظ رکھا ہے کیونکہ اگر آپ اس ابتدائی زندگی سے لوگوں کے درمیان ظاہر ہوتے تو وہ آپ کو قتل کر دیتے اور اگر مناسب وقت سے پہلے بھی ظاہر ہوں تب بھی آپ کی جان کے لئے خطرہ ہے اور آپ اپنی الٰہی ذمہ داری کو نبھانے اور اپنے بلند اصلاحی مقاصد کے سرانجام میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی ''زرارہ'' کا بیان ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''امام منتظرؑ اپنے قیام کرنے سے پہلے ایک مدت کے لئے لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گا میں نے آپ سے سوال کیا: مولا! کیوں؟ امامؑ نے فرمایا: اپنی جان کے متعلق خوف زدہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) الغیبۃ: نعمانی ص ۱۵۴۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۵۱ ص ۱۵۰۔

(۲) الاصول من الکافی، ج ۱ ص ۳۳۷۔

ج۔ زمانے کے طاغوتوں کی بیعت کے طوق سے آزادی

بارہویں امامؑ نے کسی بھی ظالم حکومت کو از راہ تقیہ بھی قانونی نہیں جانا ہے اور نہ جانتے ہیں، کسی بھی حاکم اور بادشاہ کے سامنے تقیہ کرنا آپ کا فریضہ نہیں ہے اور آپ کسی بھی ظالم کے زیر حکومت نہیں رہے ہیں اور نہ رہیں گے چونکہ آپ اپنے وظیفہ کے مطابق عمل کرتے ہیں اور خدا کے دین کو بطور کامل بغیر کسی خوف اور رعایت اور پردہ پوشی کے اجراء کرتے ہیں۔ اس بناء پر دوسروں کے ساتھ کسی بھی قسم کے عہد و میثاق، بیعت اور رعایت کا سوال ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

''حسن بن فضال'' کہتے ہیں: آٹھویں امامؑ نے فرمایا: گویا میں اپنے شیعوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ہمارے پر پوتے (امام حسن عسکریؑ) کی رحلت کے وقت اپنے امامؑ کو ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں لیکن اس کو نہیں پا رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا: وہ کیوں غائب ہونگے؟ فرمایا: تا کہ جب وہ تلوار لے کر قیام کریں تو اس وقت اس کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو۔(۱)

نائبین خاص

غیبت صغریٰ کے دوران امام مہدیؑ کے خاص نائبین آپ سے پہلے کے اماموں کے ساتھ سابقہ رکھنے والے چار اصحاب تھے کہ جو شیعوں کے بزرگ اور متقی علماء میں سے تھے کہ جو ''نوّاب اربعہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ترتیب زمانی کے اعتبار سے وہ مراد ہیں:

۱۔ ابوعمرو عثمان بن سعید عمری

....

(۱) کمال الدین: شیخ صدوق، باب ۴۴، ص ۴۸۰، حدیث ۴

۲۔ ابو جعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری

۳۔ ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد سمری

البتہ بغداد، کوفہ، اہواز، ہمدان، قم، ری، آذربائجان، نیشاپور وغیرہ جیسے دوسرے علاقوں میں بھی امامؑ کے وکلاء موجود تھے جو ان چار افراد کے ذریعہ سے جو امام کے وکیلوں میں سلسلہ مراتب کے اعتبار سے سرفہرست تھے لوگوں کے مسائل کو امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے تھے،(۱) اور ان کے متعلق امامؑ کی جانب سے ''توقیع''☆ بھی صادر ہوتی تھی۔(۲)

۱۔ ابو عمرو عثمان بن سعید عمری

عثمان بن سعید قبیلۂ بنی اسد سے تھے اور شہر سامرہ میں سکونت ہونے کی بناء پر آپ کو ''عسکری'' بھی کہا جاتا تھا آپ تمام شیعوں کے درمیان مورد اعتماد واحترام تھے۔(۳)

پہلے بھی آپ امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکریؑ کے وکیلوں اور مورد اعتماد اصحاب میں سے تھے۔

امام حسن عسکریؑ کی رحلت کے بعد آپ کے غسل وکفن اور تدفین کی رسومات کو ظاہری طور پر عثمان بن سعید نے ہی انجام دیا تھا۔(۴)

---

(۱) شیخ طوسی نے نقل کیا ہے کہ بغداد میں تقریباً دس افراد محمد بن عثمان کی نمائندگی میں سرگرم عمل تھے (الغیبۃ، ص ۲۲۵)

☆ توقیع کے معنی حاشیہ نویسی کے ہیں اور علماء شیعہ کی اصطلاح میں وہ خطوط اور احکام جو غیبت صغریٰ کے دور میں امامؑ کی جانب سے شیعوں کے لئے صادر ہوتے تھے انہیں ''توقیع'' کہا جاتا ہے۔

(۲) المہدی: صدر الدین صدر، ص ۱۸۹۔

(۳) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۴۔

(۴) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۶۔

عثمان بن سعید کی تاریخ وفات واضح نہیں ہے بعض نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے ۲۶۰ھ سے ۲۶۷ھ کے درمیان وفات پائی۔ اور بعض دوسرے (مورخین) ۲۸۰ھ میں آپ کی وفات کے قائل ہیں۔ (۱)

۲۔ محمد بن عثمان بن سعید عمری

محمد بن عثمان بھی اپنے والد کی طرح شیعوں کے بزرگ افراد میں سے تھے اور سبھی شیعہ آپ کی عدالت، پرہیز گاری اور شرافت کے قائل تھے۔ (۲) اور آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ امام حسن عسکریؑ کے قابل اعتماد اصحاب میں سے تھے۔ جیسا کہ امامؑ نے ''احمد بن اسحاق'' کے جواب میں کہ جب انھوں نے پوچھا کہ وہ کس کی طرف رجوع کرے فرمایا: عمری (عثمان بن سعید) اور ان کے بیٹے کی طرف، کہ جو دونوں میرے امین اور میرے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ وہ جو کچھ بھی تم تک پہنچائیں گے وہ میری طرف سے ہوگا اور جو کچھ تم سے کہیں گے وہ میری طرف سے ہوگا۔ ان کی باتوں کو سنو اور ان کی اطاعت کرو کیونکہ یہ دونوں میرے امین اور میرے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ (۳)

عثمان کی رحلت کے بعد امام غائب کی جانب سے ایک تحریر صادر ہوئی کہ جس میں آپ نے عثمان کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے آپ کے فرزند ''محمد'' کی نیابت کا اعلان فرمایا تھا۔ (۴) ''عبداللہ بن جعفر حمیری'' کا کہنا ہے: جب عثمان بن سعید کا انتقال

(۱) تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد تقی آیت اللہی، ص ۱۵۵ و ۱۵۶۔

(۲) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۲۱۔

(۳) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۹۔

(۴) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۱۹۔

ہوا تو ہمارے پاس ایک مکتوب آیا کہ جس کا خط وہی تھا کہ جس میں امام پہلے ہم سے خط و کتابت فرماتے تھے آپ نے اس خط میں ابوجعفر (محمد بن عثمان بن سعید) کو ان کے والد کی جگہ پر منصوب کیا تھا۔(۱)

محمد بن عثمان نے تقریباً چالیس سال تک امام زمانہ کی نیابت اور وکالت کی ذمہ داری سنبھالی اور اس دوران علاقائی اور مقامی وکیلوں کو منظم رکھتے تھے اور ان کے کاموں پر نظر رکھتے تھے اور شیعوں کے کاموں کے سرانجام میں مشغول تھے۔امام کی جانب سے بہت سی تحریریں صادر ہوئیں اور آپ کے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچیں۔آخر کار آپ نے سن ۳۰۴ھ یا ۳۰۵ھ میں انتقال فرمایا۔(۲)

آپ نے اپنی وفات سے قبل اپنی وفات کی تاریخ سے مطلع کر دیا تھا اور ٹھیک اسی تاریخ کو انتقال فرمایا کہ جس تاریخ کے لئے پہلے کہا تھا۔(۳)

۳۔ ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی

ابوجعفر کی زندگی کے آخری ایام میں شیعوں کے کچھ بزرگ افراد آپ کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: اگر میں اس دنیا سے چلا جاؤں تو امام کے حکم سے میرے جانشین اور امام کے نائب ''ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی'' ہونگے۔ان کی طرف رجوع کرنا اور آپ کے کاموں میں ان پر بھروسہ کرنا۔(۴)

نوبختی ''مقتدر'' کی حکومت کے دور میں پانچ سال تک مقید رہے اور ۳۱۷ھ میں

---

(۱) الغیبۃ، ص ۲۲۰۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۹۔

(۲) الغیبۃ، ص ۲۲۳۔

(۳) الغیبۃ، ص ۲۲۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۵۱۔

(۴) الغیبۃ، ص ۲۲۶ و ۲۲۷۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۵۵۔

آزاد ہوئے۔(۱)اور آخر کار ۲۱ سال خدمت اور نیابت کے فرائض انجام دے کے ۳۲۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔(۲)

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد سمری: علیہ السلام

حسین بن روح کے بعد امام عصرؑ کے حکم (۳) اور نوبختی کی وصیت اور شناخت کے ذریعہ سے علی بن محمد امامؑ کی نیابت اور شیعوں کے امور کی باگ ڈور سنبھالنے کے ذمہ دار قرار پائے۔(۴) سمری امام حسن عسکریؑ کے اصحابؓ اور دوستوں میں سے تھے۔(۵)

آپ کی وفات سے چند دنوں پہلے امامؑ کی جانب سے آپ کے نام ایک تحریر صادر ہوئی کہ جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے علی بن محمد سمری! خدا تمہاری رحلت کے سوگ کا تمہارے بھائیوں کو اجر عظیم عطا کرے تم چھ دنوں سے زیادہ زندہ نہیں رہو گے۔ لہٰذا اپنے کاموں کو منظم کرلو اور کسی کو بھی اپنا جانشین قرار نہ دو۔ مکمل غیبت کا دور آچکا ہے اور میں خدا کی اجازت کے بغیر ظہور نہیں کروں گا۔ اور ایک طویل مدت کے گزر جانے، دلوں کے سخت ہو جانے اور زمین کے ظلم و ستم سے بھر جانے کے بعد میرا ظہور ہو گا۔(٦)

---

(۱) تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدہم: ڈاکٹر جاسم حسین، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد تقی آیت اللّٰہی، ص ۱۹۹۔
(۲) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۳۸۔
☆ سَمِیری اور صَیمَری بھی کہا گیا ہے (تاریخ الغیبۃ الصغریٰ: محمد صدر، ص ۴۱۲۔
(۳) اعلام الوریٰ: طبرسی، ص ۴۴۵۔
(۴) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۴۲۔
(۵) المہدی: صدر الدین صدر، ص ۴۱۲۔
(٦) الغیبۃ، ص ۲۴۲ و ۲۴۳۔ بحار الانوار، ج ۵۱ ص ٦۱ ۳۔ اعلام الوریٰ، ص ۴۴۵۔

اس تحریر کے صادر ہونے کے چھٹے دن ابوالحسن سمری انتقال کر گئے۔(۱) آپ کے مرنے سے قبل لوگوں نے آپ سے پوچھا تمہارے بعد نائب امام کون ہوگا؟ تو انھوں نے جواب دیا: مجھے کسی کو معین کرنے کی اجازت حاصل نہیں ہے۔(۲)

ابوالحسن سمری کی وفات کے ساتھ تاریخ شیعیت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو غیبت کبریٰ کے نام سے مشہور ہے اور ہم آنے والے صفحوں میں اس کے متعلق بحث کریں گے۔

نائبین خاص کی بنیادی ذمہ داریاں

امامؑ کی جانب سے اپنے خاص نائبین کا تقرر در حقیقت وکالتی ادارہ کو وسعت عطا کرنا تھا جس کے بارے میں ہم نے ذکر کیا کہ وہ نویں امامؑ کے دور سے فعال صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ اور امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے دور میں اسے قابل ملاحظہ ترقی حاصل ہوئی تھی۔ اب وہی امام زمانہؑ کے دور میں اپنے اوج پر پہنچ چکا تھا امامؑ کے خاص نائبین کے بنیادی ذمہ داریوں اور سرگرمیوں کو درج ذیل چند امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ امامؑ کے نام اور مقام کو پوشیدہ رکھنا

اگرچہ غیبت صغریٰ کے دور میں امامؑ کے خاص نائبین اور بعض شیعوں کے لئے امام مہدیؑ سے ملاقات کا امکان تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔(۳) لیکن بعض سیاسی مشکلات کی وجہ سے نواب اربعہ میں سے کسی کو اس بات کی اجازت حاصل نہ تھی وہ عمومی سطح پر امامؑ کا نام اور ان کے قیام کی جگہ کو بتائیں۔ چونکہ ایسی صورت میں امامؑ کی جان

---

(۱) الغیبۃ، شیخ طوسیؒ، ص۲۴۳۔
(۲) الغیبۃ، ص۲۴۲۔
(۳) الغیبۃ، ص۲۲۲، ۲۲۶۔ کمال الدین، ص۴۴

کے لئے حکومت وقت کی جانب سے خطرہ ہوسکتا تھا۔ پوشیدہ رکھنے کی یہ سیاست بطور دقیق خود امامؑ کے حکم اور ہدایت کے مطابق انجام پاتی تھی۔ جیسا کہ ایک دن کسی کے سوال کے بغیر خود سے امامؑ نے محمد بن عثمان (دوسرے نائب) کے نام ایک تحریر صادر فرمائی جس کا مضمون یہ تھا: ''جو لوگ میرے نام کے بارے میں پوچھتے ہیں، انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ اگر وہ خاموش رہیں تو ان کے لئے جنت ہے اور اگر کچھ کلام کریں گے تو جہنم (ان کے انتظار) میں ہے کیونکہ اگر یہ میرا نام جان لیں گے تو اس کو فاش کر دیں گے اور اگر میرے رہنے کی جگہ سے باخبر ہو جائیں گے تو دوسروں کو بتا دیں گے۔ (۱)

اسی طرح سے ایک دن جب عثمان بن سعید (پہلے نائب) سے بعض بزرگ شیعہ افراد نے امام حسن عسکریؑ کے جانشین کا نام پوچھا تو انہوں نے اس کو بتانے سے انکار کیا اور کہا: اس سلسلہ میں سوال کرنا تم پر حرام ہے اور میں ان باتوں کو اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں چونکہ مجھے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ کسی حلال کو حرام قرار دوں اور حرام کو حلال بلکہ یہ خود انہیں کے حکم سے ہے۔ چونکہ عباسی حکومت کا عقیدہ یہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات ہو چکی ہے اور ان کا کوئی بیٹا موجود نہیں ہے۔ اور اسی بناء پر انہوں نے امام حسن عسکریؑ کی میراث کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کیا کہ جو ان کے وارث نہ تھے (جعفر تواب اور امام حسن عسکریؑ کی والدہ) اور اس موضوع کے متعلق امامؑ نے صبر اور سکوت سے کام لیا۔ اور اب کسی کو یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ آپ کے گھر والوں سے رابطہ قائم کرے یا ان سے کچھ پوچھے۔ اور اگر امامؑ کا نام افشا ہو جائے تو اس کو سزا دی جائے گی۔ (۲)

(۱) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۲۲۲۔

(۲) الغیبۃ، ص ۱۴۶، ۲۱۹

ب: امام کے وکلاء کی شعبہ جاتی سربراہی

جیسا کہ ہم نے بیان کیا غیبت کے دور میں امام مہدی کے نمائندے اور مقامی وکلاء اپنے مختلف اختیارات اور مختلف حلقوں میں کام کرنے کے ساتھ شیعوں کی گنجان آبادی والے علاقوں میں مستقر تھے اگرچہ دسویں اور گیارہویں امام کے دور میں یہ وکلاء عام طور سے وکیل اوّل کے ذریعہ سے امام سے رابطہ استوار کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خود ان کے لئے بھی براہ راست رابطہ کا امکان مکمل طور سے ختم ہو گیا۔ اور امام کے فرعی اور مقامی وکلاء مختلف شہروں میں ☆ نائب خاص کی زیر نگرانی رہ کر اپنے فرائض کو انجام دینے پر مامور تھے اور شیعوں کے خطوط، ان کے سوالوں اور شرعی رقومات کو نائب خاص کے ذریعہ سے امام کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔

ج: امام سے متعلق مال کا لین دین

امام کے خاص نائبین میں سے ہر ایک اپنے اپنے دور میں امام سے متعلق رقومات کو کہ جو شیعوں کی طرف سے براہ راست یا مقامی وکیلوں کے ذریعہ سے دریافت کرتے تھے وہ اسے ہر ممکن طریقہ سے امام تک پہنچاتے تھے یا ان موارد میں خرچ کرتے تھے کہ جس کا امام انہیں حکم فرماتے تھے۔

امام حسن عسکری کی شہادت کے دنوں میں قم اور ایران کے دوسرے علاقوں سے کچھ شیعہ افراد سامرہ پہنچے لیکن وہ لوگ جو مال اپنے علاقے کے شیعوں کی طرف سے لے کر آئے تھے اسے امام تک پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب وہ لوگ واپس ہونے لگے تو امام نے مخفی طریقہ سے ایک قاصد کو بھیج کر انہیں اپنے پاس بلوایا اور اس مال کو لینے کے

☆ شیخ طبرسی نے ان وکیلوں کی ایک دلچسپ فہرست ذکر کی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان میں سے کون کس علاقہ میں خدمت انجام دے رہا تھا۔ (اعلام الوریٰ، ص ۴۵۴)

بعد فرمایا

اس کے بعد سے تم کوئی چیز سامرہ لے کر نہ آنا۔ میں بغداد میں ایک شخص کو معین کروں گا تم تمام اموال کو اس کے حوالے کرنا اور میری تمام تحریریں اس کے ذریعہ سے صادر ہوں گی۔ (۱) اس کے بعد سے امام نے عثمان بن سعید کو اپنا نائب خاص معین کیا اور انہوں نے بغداد میں اپنے وظائف کو انجام دینا شروع کیا۔

د: فقہی اور عقیدتی مشکلات کا جواب دینا

نواب اربعہ کی سرگرمیاں صرف مذکورہ موارد میں ہی محدود نہ تھیں بلکہ وہ ہر قسم کے فقہی اور شرعی سوالات کے جواب دینے اور عقیدتی مشکلات کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ ان شبہات کے مقابلہ میں علمی جنگ بھی کرتے تھے کہ جو مخالفین کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے کہ جس کے ذریعہ سے وہ شیعوں کے عقائد کو کمزور کرنے اور ان کو فکری اعتبار سے تشویش مند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

امامؑ کے نائبین خاص امامؑ کی تعلیمات اور اپنی وافر وسعت علم کے ذریعہ سے بہترین طریقہ سے ان فرائض کو انجام دیتے تھے۔

اگر ہم نواب اربعہ کی نیابت کے دور کے کارناموں پر نظر ڈالیں تو ہمیں اس میدان میں ان چار عظیم شخصیتوں کے وسیع مساعی اور کامیابیوں کا پتہ چلے گا۔ وہ ایک طرف امامؑ کے وجود سے مربوط وسوسوں کو مختلف راستوں سے ناکارہ بناتے تھے اور اس راہ میں کبھی کبھی مجبور ہو کر امامؑ سے اپنی پوشیدہ ملاقاتوں سے بھی پردہ اٹھا دیتے تھے۔ (۲) اور کبھی

(۱) کمال الدین: شیخ صدوق، ص ۴۷۶۔۴۷۹۔

(۲) کمال الدین، ص ۴۴۰۔۴۴۱۔

کبھی اس سلسلہ میں امامؑ کی جانب سے نوشتہ بھی صادر ہوتا تھا اور امامؑ مذکورہ شبہات کو دور کرنے کی راہ میں ان کی مدد فرماتے تھے۔(۱)

دوسری طرف شیعوں کے عقائد اور فقہ سے متعلق سوالوں کو امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے تھے اور ان کے جواب دریافت کرنے کے بعد انہیں لوگوں میں بیان کرتے تھے۔ نمونہ کے طور پر اس تحریر کا نام لیا جا سکتا ہے جو محمد بن عثمان کے ذریعہ سے صادر ہوئی اور اس میں ''اسحاق بن یعقوب'' کے ذریعہ مختلف موضوعات کے متعلق کئے گئے سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں۔(۲)

اسی طرح سے اس مفصل تحریر کا نام بھی لیا جا سکتا ہے کہ جو قم کے لوگوں کے نمائندے ''محمد بن عبداللہ بن جعفر حمیری'' کے سوالوں کے جواب میں صادر ہوئی۔(۳)

اس سے قطع نظر کبھی کبھی نائبین خاص مخالفوں کے ساتھ مناظرے بھی کرتے تھے اور ان کو شکست دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ یہ جوابات انہوں نے امامؑ سے سیکھے ہیں۔ جیسا کہ ایک مناظرے میں حسین بن روح نے اس شخص کے مقابلے میں کہ جس نے امام حسینؑ کی شہادت سے متعلق شبہہ بیان کیا تھا مفصل طریقہ سے جواب دیا اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اس جواب کو حجتِ خدا سے سنا ہے!(۴)

ھ: نیابت کے جھوٹے دعویداروں سے مقابلہ

غیبت صغریٰ کے زمانے میں بعض ایسے افراد ظاہر ہو گئے تھے کہ جو امامؑ کی نیابت اور

....

(۱) الغیبۃ، ص ۱۷۶۔۱۷۷۔

(۲) اعلام الوریٰ، ص ۴۵۲۔۴۵۳۔

(۳) الغیبۃ، ص ۲۲۹۔۲۳۶۔

(۴) الغیبۃ، ص ۱۹۸۔۱۹۹۔

وکیل خاص ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور امامؑ سے متعلق اموال میں بے جا تصرف کرتے تھے اور عقائد، فقہ سے متعلق مسائل کے بارے میں گمراہ کن باتیں کیا کرتے تھے۔ ایسی صورت میں امامؑ کے خاص نائبین امامؑ کی ہدایتوں کے زیر سایہ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور کبھی کبھی امامؑ کی جانب سے ایسی تحریر بھی صادر ہوتی تھی کہ جس میں آپ ان پر لعنت فرماتے تھے اور انہیں مردود قرار دیتے تھے۔

ابومحمد شریعی، محمد بن نصیر نمیری، احمد بن ہلال کرخی، ابو طاہر محمد بن علی بن بلال حسین بن منصور حلاج اور محمد بن علی شلمغانی، انہیں افراد میں سے تھے۔(۱)

شلمغانی کا شمار پہلے شیعہ فقہاء میں ہوتا تھا لیکن بعد میں وہ غلو اور گمراہی کا شکار ہو گیا اور کفر آمیز باتیں کرنے لگا۔ مثلاً اس کا کہنا تھا کہ حضور پیغمبر اسلام کی روح محمد بن عثمان (دوسرے نائب) کے جسم میں، امیر المومنینؑ کی روح حسین بن روح کے جسم میں (تیسرے نائب خاص) اور حضرت فاطمہ زہرا کی روح محمد بن عثمان کی بیٹی ام کلثوم کے بدن میں حلول کر گئی ہے۔

حسین بن روح نے اس عقیدہ کو کفر والحاد سے تعبیر کیا اور اس کو مسیحیوں کے حضرت مسیح کے متعلق جیسا عقیدہ قرار دیا اور اس کو رد کیا اور اس کی باطل افکار کو قوم والوں کے درمیان فاش کر کے رسوا کر دیا۔ شلمغانی کے اسی تخریبی کردار کا نتیجہ تھا کہ ذی الحجہ ۳۱۲ھ میں حسین بن روح کے ذریعہ سے شلمغانی کے کفر وارتداد اور اس پر لعنت سے متعلق ایک تحریر صادر ہوئی اور آخر کار ۳۲۳ھ میں قتل کر دیا گیا۔(۲)

---

(۱) الغیبۃ، ص ۲۴۴۔

(۲) الغیبۃ، ص ۲۴۸۔۲۵۴، مسعودی کے نزدیک اسے ۳۲۲ھ میں قتل کیا گیا۔ (التنبیہ والاشراف، قاہرہ، ص ۳۴۳۔

غیبت کبریٰ

بارہویں امامؑ کے چوتھے نائب خاص کی وفات کے ساتھ ہی غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا آج کے دور میں جامع الشرائط علماء کو امام زمانہؑ کی عام نیابت حاصل ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا نیابت خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ امامؑ کسی خاص شخص کو نام اور شناخت کے ساتھ لوگوں میں معین کریں اور اسے اپنا نائب قرار دیں لیکن نیابت عامہ کا مطلب یہ ہے کہ امامؑ کلی شرائط اور قواعد کو بیان کریں تا کہ ہر زمانے میں جس شخص میں بھی وہ شرائط اور ضوابط پائے جاتے ہوں وہ امامؑ کا نائب قرار پائے اور امامؑ کی نیابت میں دین و دنیا کے امور میں شیعوں کا مرجع ہو۔ ہمارے ائمہ معصومین بالخصوص امام مہدیؑ نے متعدد روایات میں ان شرائط کو بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ غیبت کبریٰ کے پورے دور میں ان افراد کی طرف رجوع کریں کہ جن میں وہ شرائط پائے جائیں اور ان کے حکم کے مطابق عمل کریں۔ ان میں سے بعض روایات کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ''عمر بن حنظلہ'' کا کہنا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا، اگر دو شیعہ افراد کے درمیان میراث یا قرض کے مسئلہ پر اختلاف ہو جائے اور (وقت کی) حکومت اور قاضیوں کی طرف رجوع کریں تو کیا ان کا یہ عمل جائز ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جو شخص بھی حق یا باطل کے سلسلہ میں ان کی طرف رجوع کرے در حقیقت اس نے طاغوت (۱) کی طرف رجوع کیا ہے اور ان کے حکم سے جو کچھ بھی حاصل کرے وہ اس نے حرام طریقہ سے حاصل کیا ہے خواہ اس کا حق ثابت ہی کیوں نہ ہو چونکہ اس نے طاغوت کے حکم سے حاصل کیا ہے اور خداوند نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔

....

(۱) طاغوت وہ شخص ہے کہ جو حق کے برخلاف حکومت کرے اور اسلامی قوانین کے اعتبار سے وہ اس کا اہل نہ ہو، لفظ طاغوت، طغیان سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

ان کی تکفیر اور انکار کا حکم دیا ہے جیسا کہ خداوند فرماتا ہے: یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ (۱) ''وہ طاغوت سے فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جب کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں۔''

میں نے پوچھا: پھر انھیں کیا کرنا چاہئے؟

امامؑ نے جواب دیا، انھیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کس شخص نے ہم سے حدیثیں نقل کی ہیں اور ہمارے حلال وحرام پر نظر دوڑائی ہے اس میں وہ صاحب نظر ہے اور جس نے ہمارے احکام وقوانین کو پہچانا ہے اسے وہ اپنے حاکم اور صاحب رائے کے طور پر قبول کریں۔ کیونکہ اس کو میں نے تم پر حاکم قرار دیا ہے اگر وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم دے اور کوئی شخص اسے قبول نہ کرے تو گویا اس نے خدا کے حکم کو سبک سمجھا ہے اور ہم کو رد کیا ہے اور جو ہم کو رد کرے اس نے خدا کو رد کیا ہے اور یہ خداوند سے شرک اختیار کرنے کے مساوی ہے۔ (۲)

امام جعفر صادقؑ کا یہ حکم کلی اور عمومی ہے کہ جو تمام واجد شرائط فقہاء کو شامل ہوتا ہے۔

جب امامؑ ایک جزئی اختلاف کے متعلق اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ اس کے حل کے لئے کسی طاغوت کی طرف رجوع کی جائے تو یقیناً وہ اس بات سے راضی نہ ہوں گے کہ مسلمانوں کے تمام امور ستمگروں کے زیر نظر ہوں بلکہ ان امور کو چلانے کی ذمہ داری شیعہ عادل فقہاء کی گردن پر قرار دی ہے۔

....

(۱) سورۂ نساء، آیت: ۶۰

(۲) الاصول من الکافی، ج ۱ ص ۶۷ کتاب وصل العلم باب اختلاف الحدیث ۱۰۔ وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی، ج ۱۸ باب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔

۲۔ اسحاق بن یعقوب کا کہنا ہے محمد بن عثمان (امام مہدیؑ کے دوسرے نائب خاص) سے درخواست کی کہ ہر ایک خط امام کی خدمت تک پہنچائیں۔ میں نے اس خط میں اپنی مشکلات کے متعلق پوچھا تھا۔ امام نے خود اپنے ہاتھ سے جواب تحریر فرمایا تھا۔ میرے سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ غیبت کے دور میں پیش آنے والے واقعات میں کس کی طرف رجوع کریں؟ امام نے اس سوال کے جواب میں فرمایا تھا

''اور پیش آنے والے واقعات میں ہم سے حدیث نقل کرنے والوں کی طرف رجوع کرو وہ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں (تم پر) خدا کی طرف سے حجت ہوں۔ (۱)

اگرچہ اس خط میں اسحاق بن یعقوب نے صرف اپنے فریضے کے متعلق سوال کیا تھا لیکن امام نے عموی جواب دیا ہے اور تمام شیعوں کے وظیفہ کو معین فرمایا ہے۔

زمانۂ غیبت میں آپ کے وجود کے فائدے

کبھی کبھی یہ سوال کیا جاتا ہے کہ غیبت کے دور میں امام کے وجود کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں۔ غیبت کے دور میں امام کی زندگی ایک خصوصی زندگی ہے نہ کہ ایک پیشوا کی حیثیت سے اجتماعی زندگی، اس بناء پر اس کے مقدس وجود کا لوگوں کے لئے کیا عموی اثر ہو سکتا ہے اور لوگ اس سے کس قسم کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ کہنا ضروری ہے کہ امامؑ کی غیبت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کا مقدس وجود ایک غیر مرئی روح یا خواب وغیرہ کی طرح تبدیل ہوئی

(۱) الغیبۃ شیخ طوسی، ص ۱۷۷۔ اعلام الوری طبرسی، ص ۴۵۲۔ وسائل الشیعہ شیخ حر عاملی ج ۱۸ ص ۱۰۱ کتاب القضاء، ابواب صفات القاضی باب ۱۱ حدیث ۹۔

ہے یا غائب اور محض خواب میں آنے والی چیزوں کے مانند ہو گیا! بلکہ ان کی ایک طبیعی عینی اور خارجی زندگی ہے جو ایک طولانی عمر کے بعد ختم ہو جائے گی۔ امام لوگوں کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں اور اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں کہ لوگ پہچان نہیں پاتے۔(۱)

اور ''نہ دکھائی دینا'' اور ''نہ پہچاننا'' کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: امام لوگوں کی نگاہ سے غائب ہوں گے وہ حج کے موسم میں حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کو دیکھتے ہیں لیکن لوگ انھیں نہیں دیکھ پاتے۔(۲)

لیکن مذکورہ سوال کے جواب میں عصر غیبت میں امامؑ کے وجود کے فوائد کو چند امور میں بطور خلاصہ بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ پوشیدہ آفتاب

زمانۂ غیبت میں امامؑ کا مقدس وجود بادلوں کے پیچھے چھپے ہوئے سورج کے مانند ہے۔

موجودات کے نشو و نمو کے لئے سورج کے حیات بخش آثار صرف اس وقت سے مخصوص نہیں ہیں کہ جب اس کا نور بطور مستقیم عالم طبیعت و حیات پر چمکے۔ بلکہ ان میں سے بہت سے آثار مثلاً گرمی کا پیدا ہونا سبزوں کا اگنا اور بڑھنا، حرکت و حیات کے لئے ضروری انرجی کا پیدا ہونا، درختوں میں پھل آنا، کلیوں کا چٹخنا اور پھولوں کا کھلنا وغیرہ سورج کے غیر مستقیم اور بادلوں کے پیچھے سے چمکنے کے ذریعہ بھی وجود میں آسکتے ہیں۔ امام کے وجود کی معنوی شعائیں اس وقت بھی اپنے مختلف اثرات رکھتی ہیں کہ جب وہ غیبت کے بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہو جو براہ راست رہبری اور تعلیم و تربیت کے کلاس کے رک جانے

(۱) آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی

(۲) الاصول من الکافی، ج ۱، ص ۳۳

کے باوجود اس کے وجود کے فلسفہ کو واضح کرتی ہیں۔

''اسحاق بن یعقوب'' کے سوالوں کے جواب میں جو تحریر امامؑ کی طرف سے صادر ہوئی تھی اس میں خود امامؑ نے بھی اسی مطلب پر زور دیا ہے، آپ نے تحریر فرمایا: ''لیکن لوگوں کا مجھ سے فائدہ حاصل کرنا سورج سے فائدہ حاصل کرنے کے مانند ہے کہ جب وہ بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا ہو۔''(۱)

۲۔ جانِ جہان

امامت کے سلسلہ میں وارد ہونے والی بے پناہ حدیثوں اور علماء کی طرف سے پیش کی جانے والی دلیلوں کے مطابق اسلام کی نظر میں امام دنیا کی جان ہوتا ہے اور دنیا اس کے وجود پر ٹکی ہوئی ہے، امام عالم وجود کا قلب، عالم ہستی کا مرکز اور دنیا اور اس کے خالق کے درمیان ''واسطۂ فیض'' ہے، اس لحاظ سے اس کے حاضر ہونے اور غائب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اگر وہ (اگرچہ ناشناختہ طور پر بھی) دنیا میں نہ ہو تو عالم ہستی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر زمین پر امام کا وجود نہ ہو تو وہ اپنے باشندوں کو اپنے ساتھ لے کر دھنس جائے گی۔(۲)

۳۔ الٰہی آئین کی حفاظت

امیر المومنینؑ اپنے ایک کلام میں ہر دور میں الٰہی رہنماؤں کے وجود کے ضروری ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''خدایا ایسا ہی ہے زمین ایسے شخص سے خالی نہیں ہوتی ہے جو حجت خدا کے ساتھ قیام کرتا ہے چاہے وہ ظاہر اور آشکار ہو یا پوشیدہ تا کہ پروردگار کی دلیلیں اور اس کی نشانیاں مٹنے نہ پائیں......''(ترجمۂ علامہ جوادیؒ)(۳)

---

(۱) الغیبۃ: شیخ طوسی، ص ۱۷۷۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، ج ۵۱، ص ۹۲۔ کشف الغمہ: اربلی، علی بن عیسیٰ، ج ۳، ص ۳۲۲۔
(۲) الاصول من الکافی، ج ۱، ص ۱۷۹۔ (۳) ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، قاہرۃ، دار احیاء...

اہم ادارہ میں ایک ایسا بکس (BOX) ہوتا ہے کہ جس میں اس ادارہ کے اہم مدارک محفوظ کر دئے جاتے ہیں تا کہ چوروں کی دسترس اور آتش سوزی وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ امام کا سینہ اور اس کی بلند روح بھی ایسا ہی ایک صندوق ہے کہ جس میں الٰہی آئین کے اسناد و مدارک محفوظ ہوتے ہیں تا کہ مختلف سلیقوں اور شخصی افکار کے اجتماعی نفوذ کے مقابلہ میں اپنی اصلیت اور ان تعلیمات کی الٰہی خصوصیات کی حفاظت ہو سکے۔(۱)

۴۔ امیدوں کی برقراری

انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں امید کا کردار کسی پر پوشیدہ نہیں ہے بالخصوص وہ امید کہ جو میدان جنگ میں کمانڈر اور ایک رہبر اپنے ماتحت افراد کو عطا کرتا ہے۔

جس وقت تک ایک لشکر کا سردار جب تک زندہ ہوتا ہے اگر چہ ظاہری طور پر خاموش رہتا ہے اور کچھ نہیں بولتا لیکن پھر بھی اس کا وجود حیات و حرکت نظم و سکون کا باعث ہوتا ہے لیکن اس کی موت کی خبر سنتے ہی ایک پر جوش اور حوصلہ مند شک کے سروں پر ناامیدی کی گرد و غبار اڑنے لگتی ہے۔ چونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا امام زندہ ہے اگر چہ وہ اس کو نہیں دیکھ پاتے لیکن وہ خود کو تنہا محسوس نہیں کرتے کہ جس کے ذریعہ سے ان کے دلوں میں امید کا چراغ روشن رہتا ہے اور یہ عقیدہ لوگوں کو تزکیہ نفس کرنے اور اس عظیم عالمی قیام کے لئے آمادہ ہونے پر مجبور کرتا ہے۔(۲)

......الکتب العربیة ۱۹۶۰ء، ج ۱۸، حکمت ۱۴۳، ص ۳۴۷۔ المناقب: اخطب خوارزم، ص ۲۶۴.

(۱) مہدی انقلابی بزرگ: آیة اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی، ص ۲۵۸۔۲۵۹.

(۲) مہدی انقلابی بزرگ: آیة اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی، ص ۲۵۵۔۲۵۶.

منابع

پیشوای صادق: (آیۃ اللہ) سید علی خامنہ ای، انتشارات سید جمال، تہران

فروغ ولایت: (آیۃ اللہ) جعفر سبحانی، انتشارات صحیفہ، ۱۳۶۸ھ ش

تاریخ یعقوبی: ابن واضح یعقوبی، منشورات المکتبۃ النجفیہ، نجف، ۱۳۸۴ھ

ترجمہ گویا وفشردہ ای بر نہج البلاغہ: محمد رضا آشتیانی، محمد جعفر امامی، مطبوعاتی ہدف، قم

تاریخ الامم والملوک: محمد بن جریر طبری، دار القاموس الحدیث، بیروت

الکامل فی التاریخ: ابن اثیر، دار صادر، بیروت

الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ابن حجر عسقلانی، طبعہ اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۸ھ

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۸ھ

مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، موسسہ انتشارات علامہ، قم

الارشاد: شیخ مفید، منشورات مکتبۃ بصیرتی، قم

وقعۃ صفین: نصر بن مزاحم، طبعہ دوم، منشورات مکتبۃ بصیرتی، قم ۱۳۸۲ھ

شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، دار احیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ ۱۹۶۱ء

احتجاج: طبرسی، المطبعۃ المرتضویہ، نجف

بحار الانوار: علامہ مجلسی، المکتبۃ الاسلامیہ، تہران ۱۳۸۳ھ

مروج الذہب: مسعودی، طبعہ اول، دار الاندلس، بیروت، ۱۹۶۵ء

ارزیابی انقلاب حسینؑ (ثورۃ الحسین): محمد مہدی شمس الدین، ترجمہ مہدی پیشوائی طبعہ دوم،

انتشارات توحید، قم
صلح الحسن: شیخ راضی آل یاسین، طبعہ دوم، منشورات دار الکتب العراقیہ فی الکاظمیہ
الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمۃ: ابن صباغ مالکی، ۱۳۰۳ھ
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ابن اثیر، المکتبۃ الاسلامیہ، تہران
تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، منشورات المطبعۃ الحیدریۃ، نجف، ۱۳۸۳ھ
مقاتل الطالبین: ابو الفرج الاصفہانی، طبعہ دوم، منشورات المکتبۃ الحیدریۃ، نجف، ۱۳۸۵ھ
تاریخ دمشق (امام حسینؑ کے حال سے متعلق جلد): حافظ ابن عساکر، تحقیق: شیخ محمد باقر محمودی
طبعہ اول، موسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت ۱۳۹۸ھ
الامامۃ والسیاسۃ: ابن قتیبہ دینوری طبعہ سوم، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ ۱۳۸۲ھ
کتاب سلیم بن قیس الکوفی، دار الکتب الاسلامیہ، قم
الغدیر: علامہ امینی، عبد الحسین، طبعہ چہارم، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۹۷ھ
النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ وبنی ہاشم: تقی الدین مقریزی، مکتبۃ الاہرام، قاہرہ
قاموس الرجال: شیخ محمد تقی، مرکز نشر کتاب، تہران، ۱۳۷۹ھ
تذکرۃ الخواص: سبط ابن الجوزی، منشورات المکتبہ الحیدریۃ، نجف ۱۳۸۳ھ
تتمۃ المنتہیٰ فی وقائع ایام الخلفاء: شیخ عباس قمی، شرکت سہامی طبع کتاب، تہران، ۱۳۳۳ھ
مروج الذہب: علی ابن الحسین مسعودی، دار الاندلس، بیروت
مقتل الحسین: اخطب خوارزمی، تحقیق: شیخ محمد سماوی، مکتبۃ المفید، قم
اللہوف فی قتلی الطفوف: سید بن طاؤس، منشورات مکتبۃ الداوری، قم
مقتل الحسین: ابو مخنف، تحقیق، حسن غفاری، قم
تحف العقول: حسن بن علی بن شعبہ، دفتر انتشارات جامعہ مدرسین، قم ۱۳۶۳ھ

اصول کافی: محمد بن یعقوب کلینی، تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، مکتبۃ الصدوق، تہران ۱۳۸۱ھ

زندگانی علی بن الحسین: ڈاکٹر سید جعفر شہیدی، طبعہ اول، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی ۱۳۵۶ھ

ری باستان: ڈاکٹر حسین کریمان، طبعہ دوم، انتشارات دانشگاہ ملی، تہران، ایران

اثبات الوصیۃ: مسعودی، طبعہ چہارم، المطبعۃ الحیدریۃ، نجف ۱۳۷۳ھ

شذرات الذھب فی اخبار من ذھب: ابن العماد الحنبلی

الطبقات الکبریٰ: ابن سعد، دار صادر، بیروت

الاختصاص: شیخ مفید، تصحیح و تعلیق، علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین، قم

الفخری: ابن طقطقا، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۶ھ

تاریخ الخلفاء: جلال الدین سیوطی، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید طبعہ سوم، مطبعۃ المدنی، قاہرہ ۱۳۸۳ھ

تجارب السلف: ہندوشاہ، تصحیح: عباس اقبال طبعہ سوم، کتاب خانہ طہوری، تہران ۱۳۵۷ھ ش

الکامل فی اللغۃ والادب: ابوالعباس المبرّد، تحقیق، نعیم زرزور، وتغارید بیضون، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء

الخصال: شیخ صدوق، تصحیح و تعلیق، علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ قم المقدسۃ ۱۴۰۳ھ

فروع کافی: محمد بن یعقوب کلینی، طبعہ دوم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران ۱۳۶۲ھ ش

عیون الاخبار: ابن قتیبہ دینوری، الموسسۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والترجمہ والطباعۃ والنشر، قاہرہ۔

انساب الاشراف: محمد بن یحییٰ البلاذری، مکتبۃ المثنٰی، بغداد

البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر، طبعہ دوم، مکتبۃ العارف، بیروت، ۱۹۷۷ء

الروضۃ من الکافی: محمد بن یعقوب کلینی، تصحیح و تعلیق، علی اکبر الغفاری، طبعہ چہارم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲ھ ش

الامالی: شیخ صدوق، مطبعۃ الحکمۃ، قم، ۱۳۷۳ھ

الذریۃ الی تصانیف الشیعہ: شیخ آغا بزرگ، طبعہ دوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۳۷۸ھ

ریاض السالکین فی شرح صحیفۃ سید الساجدین: سید علی خان مدنی، موسسہ آل البیت

معالم العلماء: ابن شہر آشوب، المطبعۃ الحیدریۃ، نجف، ۱۳۸۰ھ

سفینۃ البحار: شیخ عباس قمی، کتاب خانہ سنائی، تہران

سیرۂ پیشوایان: مہدی پیشوائی، طبعہ اول، موسسہ تعلیماتی و تحقیقاتی امام صادقؑ، قم ۱۳۷۲ھ ش

البدایۃ والنہایہ: ابن کثیر، طبعہ دوم، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۷۷ء

حلیۃ الاولیاء: ابو نعیم اصفہانی، طبعہ پنجم، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

کشف الغمۃ: علی بن عیسی الاربلی، مکتبۃ بنی ہاشم، تبریز، ۱۳۸۱ھ

نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: شبلنجی، مکتبۃ المشہد الحسینی، قاہرہ

الصواعق المحرقہ: ابن حجر ہیثمی، طبعہ دوم، مکتبۃ القاہرۃ، قاہرہ

اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ: فضل بن الحسین الطبرسی، طبعہ دوم، منشورات دار الکتب الاسلامیہ تہران

اختیار معرفۃ الرجال (مشہور بہ رجال کشی): شیخ طوسی، تصحیح و تعلیق، حسن المصطفوی، دانشگاہ مشہد

تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین ذہبی، دار التراث العربی، بیروت

اضواء علی السنۃ المحمدیہ: محمود ابوریہ، طبعہ دوم، مطبعۃ صور الحدیثہ

سنن: ابن ماجہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

المستدرک علی الصحیحین: الحاکم النیشاپوری، دار المعرفہ، بیروت